ابتدائی آبادکاری سے عہد حاضر تک کی دلچسپ تاریخ

معیاری ادب ارزاں قیمت

مختصر تاریخِ امریکہ

مصنف

فرینکلن لیشر جونیر

مترجمین

• خواجہ ضمیر علی • بیگم مایا جمیل • سید ابوالخیر کشفی

اکیڈمی لائبریری

اردو اکیڈمی سندھ کراچی

سلسلہ اکیڈمی لائبریری نمبر ۷۳

مختصر تاریخ امریکہ

مصنف

فرینکلن ایشر جونیر

مترجمین

خواجہ ضمیر علی

★

بیگم مایا جمیل

ریڈر، شعبۂ انگریزی، جامعہ کراچی

★

سید ابو الخیر کشفی

استاد [redacted] جامعہ کراچی

اردو اکیڈمی سندھ

کراچی حیدرآباد لاہور

پہلی بار ... ۱۹۶۶ء
تعداد ... پانچ ہزار
مطبوعہ ... ملت پرنٹنگ پریس کراچی

قیمت

[redacted]

فہرست مضامین

★

امریکہ سے متعلق دوسری کتابیں

*

امریکی سوسائٹی

*

امریکہ کیا ہے؟

*

امریکی انتخابات

*

ابراھام لنکن

پیشِ لفظ

یہ کتاب اُن کی مدد کے لئے لکھی گئی ہے جن کے لئے امریکی تاریخ ایک نیم فراموش چیز ہے یا جو اِس موضوع کے متعلق بہت کم یا بالکل نہیں جانتے۔

اِس کتاب میں اہمیت ان قوّتوں اور مسائل کو دی گئی ہے جنہوں نے اِس مُلک کی صورت گری کی ہے۔ اِن قوتوں اور مسئلوں نے طبعی، اخلاقی اور معاشی روپ دھارے ہیں اور امریکہ کے عظیم (نسلی اور تمدّنی) سنگم کو اُس کی واضح انفرادیت عطا کی ہے۔

ایک لمحہ کے لئے اس بات پر غور کیجئے کہ پہلے پہل آباد کار شمالی امریکہ کے ویرانوں میں کیوں آئے۔؟ وہ پُرانی دُنیا کے اداروں اور قوانین سے نجات حاصل کرنے اور اپنے ایک نئے معاشرہ کے قیام کے لئے آئے تھے۔ آباد کاروں کے اِس ہراول دستہ کو آزادی اس درجہ عزیز تھی، کہ وہ اپنے اقتدار کو بھی مشکل ہی سے برداشت کر سکتے تھے اور ایک کے بعد دوسرا گروہ مغرب کی طرف زندگی کے نئے قوانین اور ضابطوں کے قیام کی خاطر منتقل ہوتا رہا۔ "میں جو کچھ کرنا چاہتا ہوں، کوئی اُس کی راہ میں حائل نہ ہو" اس جذبہ نے ابتدا میں

نوآبادیوں کے اتحاد کو بھی اُس وقت ایک مرحلہ دشوار بنا دیا تھا جب اُن کی آزادی کو اپنی مادرِ وطن یعنی انگلستان کی جانب سے خطرہ محسوس ہوا، لیکن آہستہ آہستہ جمہوری طور پر اشتراکِ عمل کا سبق سیکھا گیا اور یوں قوم نے اپنی آزادی حاصل کر لی اور وہ آئین کے زیرِ سایہ نئی منزلوں کی طرف بڑھی۔

امریکی تاریخ کی بنت میں کتنے ہی دھاگے اور نمونے ہیں جن کا مطالعہ اور جن پر غور کرنا لازم ہے۔ غلامی، صنعتی سرمایہ داری یا "بڑی تجارت" تحریکِ اصلاح اور احتجاج جو تحریکِ اصلاح کے جلو میں پیدا ہوا، اور عالمی قیادت کے مرحلہ تک امریکی قوم کا ارتقا ——— یہ سارے عناصر اپنی اپنی جگہ بڑے رنگین اور ڈرامائی ہیں۔ یہ عناصر اور دھاگے مل کر امریکہ کی ایک ایسی کہانی سُناتے ہیں جو محض وقائع نگاری سے بہت آگے کی چیز ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ میں نے امریکی تاریخ کی بنت اور مجموعی خاکے کو اس کتاب میں خاصی وضاحت کے ساتھ پیش کیا ہے، اور قاری اِن صفحات میں سفر کرتے ہوئے افادیت اور لُطف دونوں سے ہم کنار ہو گا۔

پہلا حصّہ

پہلا باب

دریافت اور ابتدائی آبادکاری

شمالی امریکی برِاعظم کی ابتدائی تاریخ دُھندلکے میں لپٹی ہوئی ہے۔ یہاں کے اصلی آبادکاروں، (امریکی) ہندوستانیوں کے بارے میں یقین کیا جاتا ہے کہ وہ شمالی ایشیا سے الاسکا منتقل ہوئے تھے اور وہاں سے وہ نیچے، گرم تر آب و ہوا کے خطّوں میں پہنچے۔ امریکی ہندوستانیوں کی جسمانی ساخت، کالے بال، تانبے جیسی رنگت اور رخسارے کی اونچی ہڈی ہے۔ یہ چیزیں اُن کی مشرقی اصل کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ اِس نظریہ کو سائنس دانوں کے اِس اندازہ سے اور زیادہ اعتبار حاصل ہوجاتا ہے، کہ آج سے کوئی بیس ہزار سال پہلے، سب سے زیادہ قریب ترین برفانی عہد میں شمالی امریکہ اور ایشیا آبنائے بیرنگ پر ایک دوسرے سے ملے ہوئے تھے۔

غالباً امریکی ساحلوں پر سب سے پہلے اُترنے والے سفید فام لوگ اسکینڈی نیویا کے ناقابلِ تسخیر "نارس مین" تھے جنہوں نے اپنے مدوّر، یک مستولی تجارتی جہازوں میں، قطب شمالی کے سمندروں کو فتح کرتے ہوئے

۹۸۵ء کے لگ بھگ گرین لینڈ تک اپنا راستہ بنا لیا۔ اِس وسیع جزیرہ سے اُن کے جہاز اور زیادہ مغرب کی جانب بڑھتے رہے اور اِس بات کی کسی حد تک شہادت موجود ہے کہ 'لیف اِرک سن' اور دوسرے ۱۰۰۰ء کے لگ بھگ اُن مقامات پر لنگر انداز ہوئے جو، اب ریاستہائے متحدہ کا حصّہ ہیں۔

اسکینڈری نیویا والے اپنی اولیت کے باوجود نئی دُنیا میں اپنے لئے کوئی اڈہ نہ بنا سکے اور نہ انہوں نے آنے والی نسلوں کے لئے اپنے سفر کے مستندی اور دستاویزی حالات ہی چھوڑے۔ اِسی لئے حقیقی معنوں میں امریکہ کو دریافت کرنے اور دُنیا کے لئے اِس کے دروازے کھولنے کا سہرا کرسٹوفر کولمبس کے سر بندھتا ہے۔ جس نے پندرھویں صدی کی نویں دہائی میں ویسٹ انڈیز کو دیکھا، اُس کا حال بیان کیا اور اُسے نوآبادی بنانے میں مدد دی۔ کولمبس ایک اطالوی تھا جو اسپین کے شاہ فرڈینینڈ اور ملکہ ازابیلا کی ملازمت میں سمندروں کے سینے چیر رہا تھا۔

امریکہ کی دریافت ایک اچانک بات اور "خالص سانحہ" ہے اور جو مُلک اِس کا سبب بنا، وہ ترُکی ہے۔ پندرھویں صدی کی یہ عظیم اور تیزی کے ساتھ وسیع ہوتی ہوئی سلطنت ایشیا کے ساتھ مغربی یورپ کی تجارت کے راستے میں ایک رکاوٹ تھی۔ وہ تجارت جو مارکو پولو کے ایام سے شروع ہو چکی تھی۔ ترکی کی قوّت سے خوف زدہ مغربی یورپ کے ممالک، جو اپنے عہدِ تاریک سے جاگ رہے تھے، ایشیا تک پہنچنے کے لئے ایک دوسرا راستہ تلاش کرنے کا عزم کر چکے تھے۔ اگر دُنیا سچ مچ گول تھی، جیسا کہ اکثر جغرافیہ دانوں کا یقین تھا، تو یہ بات یقیناً ممکن تھی کہ اسپین سے مغرب کی طرف بحری سفر کیا جائے یہاں تک کہ زمین آجائے۔

اور یہ زمین یقیناً ایشیا ہوتی۔ کولمبس اور اُس کے ہم عصروں میں سے کوئی اس بات کو نہیں جانتا تھا کہ مغرب کی طرف سمندری راستے سے ایشیا تک پہنچنے میں شمالی اور جنوبی امریکہ حائل تھے۔

اس طرح کولمبس اور وہ بہادر مہم پسند، جنہوں نے اس کے بعد بحر اوقیانوس کو پار کیا۔ بہاماس، پناما اور جنوبی امریکہ کے ساحلوں سے جا ٹکرائے اور سمجھے یہ کہ وہ اپنی منزلِ مقصود تک پہنچ گئے۔ کولمبس کو تو اپنی زندگی میں یہ بات بھی معلوم نہ ہوسکی کہ وہ صرف غرب تک پہنچا تھا، شرق الہند تک نہیں۔ اس غلطی کا انکشاف سنہ ۱۵۱۹-۲۲ء تک نہ ہوسکا جب تک اسپین کے فرڈیننڈ میگیلان کی قیادت میں ایک بحری مہم جنوبی امریکہ کے گرد اور بظاہر ختم نہ ہونے والے بحرالکاہل سے ایشیا تک پہنچ گئی۔ میگیلان کو فلپائنز کے دیسی باشندوں نے ہلاک کردیا تھا لیکن اُس کے آدمیوں نے اپنا سفر جاری رکھا۔ انہوں نے افریقہ کے گرد جہازرانی کی اور اسپین واپس پہنچ گئے۔ انہوں نے صرف یہی ثابت نہیں کردیا کہ زمین گول ہے۔ بلکہ یہ بھی ثابت کردیا کہ زمین اُس سے کہیں بڑی اور وسیع ہے جتنا جغرافیہ دانوں نے فرض کر رکھا تھا۔

امریکہ کا نام ایک اطالوی امریگو ویسپوسی کے نام پر پڑا ہے جس نے سنہ ۱۵۰۱ء میں برازیل کا ساحل دریافت کیا تھا۔ یورپ واپس پہنچنے کے بعد اُس نے اپنے سفر اور بحری مہم کے بارے میں اتنی تفصیل کے ساتھ لکھا کہ اس کی شہرت نے کولمبس کے نام کو دھندلا دیا۔ نقشہ بنانے والوں نے، جو نئی دُنیا کے لئے ایک نام کی تلاش میں تھے، اس اعزاز کے لئے ویسپوسی کو چُن لیا۔ یہ تاریخ کی عجب ستم ظریفی ہے، اور خاص طور پر اس لئے کہ

کولمبس کی فتوحات اُس سے کہیں زیادہ عظیم تھیں۔

نئی دُنیا کی تسخیر کے ابتدائی برسوں میں اسپین نے دوسری قوموں پر فوقیت اور برتری حاصل کر لی۔ ہرنینڈ وکورٹز نے میکسیکو کے خلاف ایک مسلح مہم کی قیادت کی، جس نے وہاں کے انتہائی متمدن باشندوں کو ۱۵۲۱ء میں کچل دیا اور اُن کے ملک کو ایک اسپینی نو آبادی بنا دیا۔ فرانسسکو پیزارو نے پیرو کی شہنشاہیت کو ۱۵۳۳ء میں کچل دیا اور اسپین کی حکومت کو مالا مال کرنے کے لئے سونے اور چاندی کے ایک وسیع خزانہ کا دروازہ کھول دیا۔

جب اسپینی لاطینی امریکہ کے گھرے گھرے ہرے جنگلوں میں آگے بڑھ رہے تھے، ان میں سے کچھ نے شمال کا رُخ کیا اور اُن علاقوں تک پہنچ گئے جو اب ریاستہائے متحدہ کہلاتے ہیں۔ پونسن دی لیون ابدی اور جاددواں جوانی کے ایک چشمہ کی تلاش میں فلوریڈا پہنچ گیا، مقامی باشندوں نے اِس چشمہ کی تفصیلات اُسے بتائی تھیں اور اُس نے ۱۵۲۱ء میں تیمپا میں ایک بستی بسانے کی ناکام کوشش کی۔ کیبیزا دی ویکا کا جہاز خلیج میکسیکو میں تباہ ہو گیا تھا، اور وہ ٹیکساس کو عبور کرتا ہوا کیلی فورنیا تک پہنچ گیا۔ اُس کے ساتھ اُس کے وہ مدّاح انڈین تھے جو اُسے دیوتا سمجھتے تھے۔ یہ اسپینی اپنی چمکدار اور رنگارنگ ٹوپیوں اور زرہ بکتروں کے ساتھ کیسے دیدہ زیب شہسوار اور مہم پسند تھے جو ویرانوں میں اپنی بندوقوں، گھوڑوں (جو نئی دُنیا میں اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھے گئے تھے) اور مویشیوں کی آوازوں کے ساتھ سفر کرتے رہتے۔

عظیم دریائے مسی سی پی کو، جو شمالی امریکہ کے قلب سے بہتا ہوا گزرتا ہے، ہرنینڈ دوی سوتو نے ۱۵۴۱ء میں دریافت کیا۔ دی سوتو اس مہم کے دوران

بخار میں مبتلا ہو کر مر گیا اور اُس کی لاش کو چُپ چاپ دریائے مسی سی پی کے حوالہ کر دیا گیا تاکہ سرکش اور دشمنی کے جذبات رکھنے والے انڈین باشندوں تک یہ خبر نہ پہنچ سکے۔ مُہم پسند کرو ینڈو نے سونے کے چکّر میں اُس علاقہ کو تلاش کیا جو اب کینساس ہے۔

"مستقبل کی ریاستہائے متحدہ" میں پہلی مستقل آبادکاری ۱۹۶۵ء میں فلوریڈا میں کی گئی۔ اسپینیوں نے گاؤں کو حملہ آور مقامی باشندوں اور دوسری قوّتوں کی غارت گری سے محفوظ کرنے کے لئے ایک عظیم الشان قلعہ تعمیر کیا۔

فرانس، انگلستان، ہالینڈ، سویڈن اور پرتگال اب نئی دُنیا میں زیادہ سے زیادہ دلچسپی لے رہے تھے۔ اُن کے جہاز وحشی اور اجنبی ساحلوں کے چکّر لگا رہے تھے، بندرگاہوں میں داخل ہو رہے تھے، اور کبھی دریاؤں تک پہنچ جاتے۔ یہ جہازراں اُن نئی زمینوں کے نقشے بھی تیار کر رہے تھے جو اُن کے قدموں تلے آتیں۔ ایک اطالوی، جان کیبوٹ نے جو ایک برطانوی جہاز کا کمان دار تھا، بحرِ اوقیانوس کو شمال میں دُور تک طے کر لیا۔ اور ۱۴۹۷ء میں احتیاط کے ساتھ لیب ریڈور اور نیو فاؤنڈ لینڈ کے کنارے کنارے بڑھتا گیا۔ اُس کا یہ بحری سفر شمالی امریکی برِّ اعظم پر انگلستان کے دعویٰ کی بُنیاد بن گیا۔ ویریزانو نے ۱۵۲۴ء میں فرانسیسی پرچم تلے کیرولیناس سے نیو فاؤنڈ لینڈ تک شمالی اوقیانوسی ساحل کا سفر کر ڈالا۔ جیکویس کارٹیر نے بھی فرانس کے لئے ۱۵۳۵ء میں دریائے سینٹ لارنس اور اُس جگہ تک سفر کیا جو اب مانٹرل (کینڈا) ہے۔

اِس دوران یورپ میں ایسے واقعات رونما ہو رہے تھے جنہوں نے

نئی دُنیا میں حکومت کی تقسیم میں حصہ لیا۔ انگلستان کی نظر اسپینی جہازوں پر بھی جو سونے سے لدے ہوئے جزائرِ شرق الہند سے آتے تھے۔ رشک ورقابت کے ساتھ ساتھ ہر ہسپانوی چیز کے لئے نفرت کا جذبہ بھی تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ تحریکِ اصلاح کے دوران انگلستان پروٹسٹنٹ ہوگیا تھا اور ہسپانیہ کیتھولک مسلک کا نقیب اور ترجمان تھا۔

سولھویں صدی کے نصف آخر میں، ملکہ الزبیتھ کے عہدِ حکومت میں برطانوی" بحری کتّوں " نے ہسپانوی جہازوں (اور بحری قوت) کا شکار شروع کردیا تھا۔ ہاکنز۔ کیونڈسش اور بے مثال سر فرانسس ڈریک جیسے بہادر اور شجاع سونے پر قبضہ کرنے کے لئے ہسپانوی تاجروں کی تلاش میں سمندروں کے سینے چیرتے پھر رہے تھے۔ اگرچہ یہ لوگ بحری قزاق اور لٹیرے تھے لیکن اِن خطرناک مہموں میں ملکہ الزبیتھ کی حوصلہ افزائی اور دعائیں برطانیہ کے " بحری کتوں" کے شریکِ حال تھیں۔

دوسری طرف اِن حملوں پر اسپین کے بادشاہ فلپ کے غصہ کا کوئی ٹھکانا نہ رہا۔ کیونکہ اِن کی وجہ سے تجارت کو بُری طرح نقصان پہنچ رہا تھا۔ ۱۵۸۸ء میں شاہ اسپین نے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اِن حملوں کو ختم کردینے کے لئے ایک بڑے بحری بیڑے کے ساتھ انگلستان پر حملہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ رودبار انگلستان میں فلپ کے بیڑے کو جفاجو اور تیز تر رفتار رکھنے والے انگریزی بیڑے نے بکھیر کر رکھ دیا اور ایک تیز طوفان نے آرمیڈا کو مکمل طور پر تباہ کردیا۔ ہسپانیہ کی بحری قوت اس شکست سے ختم ہوگئی، اور اب ہسپانیہ شمالی امریکی ساحل پر قبضہ کی جنگ میں انگلستان کا مقابلہ نہ کرسکتا تھا، جہاں نئی دُنیا میں آبادی کا ایک نیا مرحلہ شروع ہورہا تھا۔

انگلستان نے ایک نو آبادیاتی سلطنت کے قیام کی مہم ۱۵۷۸ء میں شروع کردی، جب ملکہ الزبیتھ نے آزمودہ کار سپاہی سرہمفری گلبرٹ کو "اُن تمام دُور دراز اور نامعلوم زمینوں پر بسنے اور اُن پر قبضہ کرنے کا اجازت نامہ دے دیا" جو کسی عیسائی بادشاہ کے قبضہ میں نہ ہوں"۔ گلبرٹ نے نیوفاؤنڈ لینڈ کی طرف ایک مہم کی قیادت کی جو بہت سرد موسم کی وجہ سے ناکام رہی اور گلبرٹ واپسی کے سفر میں سمندر میں راستہ کھو بیٹھا۔

چھ سال کے بعد الزبیتھ نے شمال میں دریائے سینٹ لارنس اور جنوب میں فلوریڈا کے درمیان ساحلی مٹی کو انگلستان والوں کی آبادکاری کے لئے چُنا اور اُسے ورجینیا کا نام دیا۔ ملکہ نے اپنے محبوب درباری سر والٹر ریلے کو اس علاقہ میں کسی مقام پر آبادکاری کو عملی جامہ پہنانے کا نگراں بنایا۔

۱۵۸۵ء اور ۱۵۸۷ء کے درمیانی عرصہ میں شمالی کیرولینا کے ساحل سے دُور دونوک آئی لینڈ کی طرف کئی مہماتی جماعتیں بھیجی گئیں۔ پہلی جماعت نے جب انڈین باشندوں کی دشمنی اور عام حالات کو ناقابلِ برداشت پایا تو وہ لوٹ آئی۔ مشکل تو یہ تھی کہ ضروری سامان بھی وہاں تک نہ پہنچ پایا۔ آخری مہم کے حالات پر اسرار کی نقاب پڑی ہے۔ غالباً اُس کا انجام الم ناک ہوا۔ وہ آبادکار، جن میں ارسیک میں انگریز ماں باپ کی امریکہ میں پیدا ہونے والے پہلی بچی، ورجینیا ڈیر بھی شامل تھی، نہ جانے کہاں غائب ہو گئے اور اُن کے بارے میں پھر کبھی کوئی بات نہ سنائی دی۔

ایسی مشکلات انگریزوں کے حوصلوں کو پست نہ کر سکیں، جو عظیم آرمیڈا پر اپنی فتح اور ملکہ الزبیتھ کی قیادت کی وجہ سے قوّت، سرگرمی اور مہم پسندی کے مظہر بن گئے تھے۔ اس قوّت کا عکس قوم کی زندگی کے بدلتے ہوئے تصورات اور

سانچوں میں نظر آتا تھا۔ کئی نئے پروٹسٹنٹ اور پیوری ٹن، مذہبی فرقوں میں افرادِ مسلمہ ریاستی مذہب سے اختلاف کی جرأت کر رہے تھے۔ اور تو اور وہ اپنی عبادت کے طریقے بھی خود وضع کر لیتے تھے۔ یہ قوّت متوسط طبقہ کے تاجر کے فروغ اور نمود میں بھی جھلکتی نظر آتی تھی جس کے پاس اپنی تجارت اور ضروریات کے لئے کافی روپیہ تھا اور کچھ نہ کچھ روپیہ غیر ملکی تجارت کے لئے بھی بچا لیتا تھا۔

اب انگریز تاجروں نے امریکہ میں آباد کاری کو ترقی دینے کے لئے کمپنیوں کی تنظیم شروع کر دی۔ انہیں ہجرت کے لئے آمادہ لوگوں کو ہموار کرنے میں زیادہ زحمت نہ ہوئی، کیونکہ ملک بعض نہایت تیز اور شدید قسم کی معاشی مطابقتوں اور عدم مطابقتوں سے گزر رہا تھا اور بیکار مزدوروں اور کارکنوں کی تعداد بہت زیادہ ہو گئی تھی۔ جاگیرداری کے پرانے اور فرسودہ نظام کے خاتمہ کے ساتھ بہت سے کسان اپنی روزی کھو بیٹھے تھے اور اب نئی دُنیا انہیں ازسرِ نو اپنی زندگی کے آغاز اور اپنے گھروں کی تعمیر کے لئے امکانات سے بھری ہوئی سرزمین معلوم ہو رہی تھی اور وہ لوگ جو مسلمہ سرکاری کلیسا سے ٹکرا رہے ان کی نگاہوں میں تو شمالی امریکہ کے ویرانے آزادیٔ عبادت و مذہب کی جنّت تھے۔

سنہ۱۶۰۶ء میں شاہ جمیس اول نے لندن اور پلائی ماؤتھ کی کمپنیوں کو مخصوص معینہ علاقوں کو آباد کرنے اور اُن کے ساتھ منافع کے لئے تجارت کرنے کے چارٹر (اجازت نامے) عطا کر دیئے۔ معاہدہ کی رو سے لندن کمپنی کو اوقیانوسی ساحل پر ۳۴ ویں اور ۴۱ ویں خطِ متوازی کے درمیان آباد کاری کا کام کرنا تھا۔ یہ وہ علاقہ ہے جو آج کے نیویارک شہر سے جنوب میں کیپ فیر، شمالی کیرولینا تک پھیلا ہوا ہے۔ اور پلائی ماؤتھ کمپنی کو ۳۸ ویں اور ۴۵ ویں خطوطِ متوازی کے درمیان کا علاقہ دیا گیا جو بالائی نیو انگلینڈ اور نیویارک ریاست سے دریائے

پوٹمیک تک پھیلا ہوا ہے۔ ۳۸ ویں اور ۴۱ ویں خطوطِ متوازی کے درمیان مشترک خطۂ زمین کا تصفیہ دونوں کمپنیوں کی باہمی مفاہمت پر اس شرط کے ساتھ چھوڑ دیا گیا تھا کہ کوئی بستی دوسری بستی سے سو میل کے فاصلہ کے اندر نہ ہو گی۔ یہ فیصلہ سرحدی اور علاقائی جھگڑوں کی روک تھام کے لئے کیا گیا تھا۔

کیبٹ کی بحری مہموں کے باوجود ہسپانیہ والے پورے شمالی امریکہ کے دعویدار تھے۔ اِن دعووں کو نظر انداز کرتے ہوئے لندن کمپنی نے ۱۶۰۷ء میں کپتان کرسٹوفر نیوپورٹ کی قیادت میں چیساپیک بے، ورجینیا کی طرف تین چھوٹے جہاز بھیجے۔ دریائے جیمس تک جہاز رانی کرتے ہوئے کوئی ایک سو بیس آباد کار ایک چھوٹے سے جزیرہ نما میں اُترے اور اُسے انہوں نے موزوں اور مناسب مذہبی تقریبات کے ساتھ شاہ کے اعزاز میں جیمس ٹاؤن کا نام دیا۔ ماہِ مئی کا وہ دِن خود ایک تاریخ بن گیا۔ کیونکہ یہ ریاستہائے متحدہ میں انگریزوں کی پہلی مستقل آباد کاری تھی۔

شروع ہی سے اِس چھوٹی سی بستی کو مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ انڈین باشندوں اور قرب وجوار کے دلدلوں (کے مچھروں) کے پیدا شدہ ملیریا نے نہ جانے کتنی جانوں کی بھینٹ لے لی۔ اِس کے علاوہ ان آباد کاروں کو اناج کی فصل پیدا کرنے اور اپنے گھر تعمیر کرنے سے زیادہ سونے کی تلاش اور ایشیا کے افسانوی راستے کی تلاش میں دریاؤں کو کھنگالنے سے زیادہ دلچسپی تھی۔ پہلے ہی چھ مہینوں میں تقریباً تین چوتھائی آدمی مر گئے۔

قسمت کے دھنی سپاہی، جغرافیہ داں اور صاحبِ قلم کپتان جان اسمتھ کی بڑی حد تک فوق البشر کوششوں نے اِس بستی کا شیرازہ بکھرنے نہیں دیا۔ اسمتھ نے قبائلی باشندوں کو فاقہ کرتے ہوئے آباد کاروں کو اناج دینے پر آمادہ کیا۔

اور اُس کے دانش مندانہ مشوروں نے کمزور اور پست حوصلہ آباد کاروں کو اپنی بقا کے لئے زیادہ جدوجہد اور کوشش کرنے کا حوصلہ عطا کیا۔ (اس آبادی کے قیام کے سلسلہ میں) جان رولف بھی قابلِ تعریف ہے جس نے تمباکو کے تجارتی امکانات کو سمجھا۔ اور یہ پیداوار "مادرِ وطن" میں تقریباً فوری طور پر نہایت مقبول ہو گئی اور اس نے اس بستی کو معاشی طور پر استحکام بخشا۔ عظیم المرتبت انڈین سردار پوہٹین کی بیٹی پوکاہونٹز کے ساتھ رولف کی شادی کے نتیجہ کے طور پر کئی سال تک مقامی باشندوں کے ساتھ امن وامان رہا اور یہ شادی تمام ادوار کے عظیم رومانوں میں شامل کی جاتی ہے۔ انڈین شہزادی رولف کے ساتھ لندن گئی تھی، جہاں وہ شاہی دربار کی رونق بن کر رہی اور برطانیہ عظمٰی کے دارالخلافہ ہی میں، اپنے وطن سے دور، بہت دور موت کی وادی تک پہنچ گئی۔

جب جیمس ٹاؤن اپنی بقا، اپنے جھونپڑوں، مکانوں اور قلعوں کی تعمیر کے لئے جدوجہد کر رہا تھا اُس وقت زیادہ فردی قوت اور مزدوروں کی ضرورت پڑی۔ ۱۶۱۹ء میں نیگرو غلاموں کا ایک جہاز نو آبادی میں لایا گیا۔ اور اس ادارہ میں ایک ایسے ادارہ کی داغ بیل پڑی جس نے صدیوں بعد خانہ جنگی میں امریکہ کو تقسیم کر دیا۔ اور ایک ایسا مسئلہ بن گیا، جس کی پیدا کردہ الجھنیں آج بھی مختلف شکلوں میں موجود ہیں اور امریکی عوام آج بھی اُن سے نبرد آزما ہیں۔

جمہوری حکومت کا آغاز جیمس ٹاؤن میں غلاموں کے پہنچنے کے سال ہی سے ہوا۔ شاہ جیمس نے آباد کاروں کو یہ اختیار دیا کہ وہ ہر قصبہ سے دو نمائندوں کو منتخب کریں اور یہ نمائندے جیمس ٹاؤن کے کلیسا میں گورنر کے ساتھ شریک مشاورت ہوا کریں۔ اپنے پہلے ہی اجلاس میں کئی قانون منظور کرنے کے بعد ستائیس ارکان کے اس مقننہ نے ۴ اگست ۱۶۱۹ء کو شدید گرمی کی وجہ سے اپنی کارروائی کو

ملتوی کر دیا۔ شاہ جیمس کو بعد میں لوگوں کو اپنے مسائل کا فیصلہ کرنے کا حق دینے پر بہت افسوس ہوا، اور اُس نے ایوانِ نمائندگان کو کچلنے کی کوشش کی لیکن وہ اپنے اچھے کام کو ختم کرنے سے پہلے ہی مر گیا اور یوں آزادی کا شعلہ روشن رہا۔

۱۶۲۵ء تک ایک ہزار سے زیادہ آباد کار ورجینیا میں آباد تھے۔ اشیائے زندگی کی فراہمی اور نئے آباد کاروں کی آمد کا سلسلہ جاری تھا جنھوں نے نئی بستیاں بسائیں۔ اِن "ناخواندہ مہمانوں" کو ختم کرنے کی آخری اور فیصلہ کن کوشش کے طور پر انڈین قبائل نے ۱۶۲۲ء میں ایک اچانک حملہ کیا، لیکن اُن کے ایک فرد چانسو نے، جو عیسائی ہو گیا تھا، انگریزوں کو بروقت اِس منصوبہ کی اطلاع دیدی۔ یوں مکمل تباہی کو روکا جاسکا اور اُس کے بعد اِن آباد کاروں کو پڑوسی قبائل پر بالا دستی حاصل ہو گئی۔

اِس عرصہ میں شمالی علاقہ میں اہم واقعات رونما ہو رہے تھے۔ پلائی ماؤتھ کمپنی نے "مین" میں ایک بستی آبادی کی طرح ڈالی۔ لیکن یہ بستی نہ بس سکی۔ ایک انگریز ہنری ہڈسن نے ہالینڈ والوں کی ملازمت میں جہازرانی کرتے ہوئے دریائے ہڈسن کو دریافت کیا اور اُس پر ہالینڈ کی حاکمیت کا دعویٰ کیا۔ کئی قوموں کے جہاز نیو انگلینڈ کے ساحل سے آشنا ہو چکے تھے۔ ماہر گیری کرتے ہوئے۔ قیمتی سمور کی تجارت کرتے ہوتے یا نئے مقامات کی تلاش میں گشت کرتے ہوتے۔ میسے چوسٹز کے قرب و جوار کا علاقہ خاصا مشہور ہو چکا تھا۔

۱۶۲۰ء میں میسے چوسٹز کے انہیں ساحلوں پر ایک چھوٹے سے جہاز "مے فلاور" میں وہ سو مرد اور عورتیں آئیں، جو اُس وقت سے تاریخ میں "زائرین" کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں۔

اِن آباد کاروں کی کہانی نے ہر جگہ اور ہر ملک کے لوگوں کے تخیّل پر

گہرا اثر ڈالا ہے اور امریکہ کی ایک قومی چھٹی "یوم شکرانہ" اُن کی اُس جشنِ شکرانہ کی یاد دلاتی ہے جو ان لوگوں نے آزمائشوں، اور سختیوں کے پہلے سال کے خاتمہ پر منایا تھا۔

یہ زائر میسے چوسٹز تک محض اتفاقاً پہنچ گئے تھے۔ ان کا ارادہ جمیس ٹاؤن کے قریب آباد ہونے کا تھا، لیکن طوفان کی وجہ سے، یا غالباً اپنے منصوبوں میں کسی تبدیلی کے سبب یہ لوگ اپنے راستے سے دور شمال کی طرف ہوتے برفانی نومبر میں کیپ کاڈ پر اُتر پڑے۔ انہیں جنوب میں اُترنے کی اجازت ساحل پر اترنے کی اجازت نہ ہونے کے باوجود ملی تھی (دی ہوئی ہدایات کے مطابق ان کو مزید جنوب کی طرف لنگر انداز ہونا تھا) اس گروہ کے نڈر افراد نے "فلاور معاہدہ" کے نام سے ایک حکومت خود اختیاری بنا کر اپنی ضرورت کے مطابق قاعدے خود وضع کر لیے اور برّاعظم کی سرزمین پر پلائی ماوتھ کے مقام پر ایک چھوٹا سا گاؤں لبسا لیا۔ اگرچہ یہاں تک پہونچنے میں ان کو بے شمار تکالیف اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ مگر آنیوالی پریشانیوں کے مقابلے میں جو اُن کی منتظر تھیں، اُنکی کوئی حقیقت نہیں تھی۔

یہ گروہ مختلف نوعیت کے افراد کا مجموعہ تھا۔ ایک حصہ مذہبی غیر مقلد افراد پر مشتمل تھا۔ کیتھولک فرقے کے ان تحریف شدہ رسوم کے خلاف احتجاج کرنے کے باعث، جو ابتک حکومت کے زیرِ اقتدار انگریزی پروٹسٹنٹ اسقفی گرجاؤں میں رائج تھے، ان افراد کو بارہ سال قبل ملک بدر کر کے برطانیہ سے ہالینڈ بھگا دیا گیا تھا۔ ان غیر مقلد افراد میں بہت سے علماء عالی خاندان بھی شامل تھے جن میں سے ولیم برلوسٹر جو کیمبرج کا تعلیم یافتہ تھا اور ولیم براڈ فورڈ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

یہ مذہبی غیر مقلد ہالینڈ سے ترکِ وطن کر کے نئی دُنیا میں آباد ہونا چاہتے تھے۔

چنانچہ وہ برطانیہ کے تاجروں کے ایک گروہ کو اُنکی مالی امداد کرنے پر رضامند کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اس کے بدلے میں انہوں نے تاجروں کو ان برآمدی اشیاء کا ایک بڑا حصہ دینے کا وعدہ کیا جو یہ نو آباد کار برطانیہ کو برآمد کرتے۔ اس کے بعد انہوں نے لندن اور دوسرے شہروں کی سڑکوں سے عام افراد کو بھرتی کر کے جہاز پر اپنی تعداد پوری کر لی۔ ان عام افراد نے اس سُنہرے موقع کو خوشی کے ساتھ قبول کر لیا جس کے ذریعہ انہیں نئی دُنیا میں آباد ہونے اور ترقی کے بڑے بڑے مواقع حاصل ہونے کی پیشکش کی گئی تھی۔ ان میں جان ایلڈن' کا نام قابلِ ذکر ہے جو کپہ سازی کا ماہر تھا۔ ایک قرار نامے کے ذریعہ اس نے جہاز پر ملازم کی حیثیت سے چند برس تک کام کرنا منظور کر لیا تاکہ اس طرح وہ اپنے سمندری سفر کا کرایہ ادا کر سکے۔

یہ متضاد عناصر اور شخصیتیں' جو مشترک تقدیری امور میں ایک دوسرے سے منسلک تھیں' جس طرح آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ نباہ کرتے رہے وہ جمہوریت اور امریکی نصب العین کی ایک اعلیٰ مثال ہے۔ انہیں خاندانی مراتب اور تعلیمی معیار کے فرق کو ایک سرے سے نظر انداز کرنا پڑا۔ ایسے بیابانوں اور صحراؤں میں زندگی کے رمق کو برقرار رکھنے کے لئے افراد کے پیدائشی ماحول کے بجائے اُنکی ذاتی صلاحیتوں پر تکیہ کرنا پڑا تھا' جہاں ریڈ انڈین آباد کاری کی راہ میں ایک مستقل مصیبت بنے ہوئے تھے جہاں خوراک خطرناک حد تک کمیاب تھی اور سب سے بڑھکر جہاں موت کی دیوی ناتراشیدہ کیمپوں میں چہل قدمی کرتے ہوئے یکے بعد دیگرے افراد کو اپنے شکنجوں میں کس رہی تھی۔

چنانچہ منجمد کر دینے والے پہلے جاڑوں کے موسم میں نصف سے زائد آباد کار بخار میں مبتلا ہو کر مر گئے۔ مگر موسم بہار کے آتے ہی ہمدرد مقامی باشندوں نے زندہ بچ جانے والے آباد کاروں کو نہ صرف غلہ اگانے کے طریقوں سے آگاہ کیا بلکہ قدرتی مصائب

سے محفوظ رہنے کی بہت سی ترکیبیں بتائیں۔ بہار کے ساتھ ساتھ سورج کی شعاعوں میں گرمی آتی گئی اور اس طرح ان زائرین کے دلوں میں ایک نیا عزم اور حوصلہ پیدا کرتی گئی - ان کا سب سے بڑا بحران اب گزر چکا تھا۔

آنیوالے سالوں میں میسے چوسٹیز کے ساحلی علاقوں پر ان زائرین کی گرفت رفتہ رفتہ مضبوط ہوتی گئی۔ برطانیہ میں ایک مرتبہ پھر مذہب کے نام پر بغاوتوں نے سر اُبھارا۔ غیر مقلد مذہبی رہنماؤں کی مانند "پیورٹین گروہ" نے بھی حکومت کے قائم شدہ ان گرجاؤں کی مخالفت شروع کردی جن میں پاپائیت پر غیر ضروری طور پر زور دیا جارہا تھا۔ حکومت نے پیورٹین گروہ کو تنبیہہ کی کہ یا تو وہ قومی مذہب کی پیروی کریں ورنہ مُلک سے نکل جائیں۔ چنانچہ آرک بشپ لاڈ، قومی مذہب کے تمام مخالفین کو اپنے ساتھ لیکر ملک سے نکل گیا۔

اس طرح وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ سمندر پار کرکے ترکِ وطن کرنیوالوں کی تعداد بڑھتی چلی گئی۔ یہ لوگ بادشاہ وقت سے اجازت نامے حاصل کرکے بحرِ اوقیانوس کے شمالی ساحل کے مختلف علاقوں پر آباد ہوتے چلے گئے۔ چنانچہ شاہ چارلس اوّل نے "میسے چوسیٹز بے کمپنی" کو اس بات کا اختیار دیدیا کہ وہ پیورٹین کے ایک گروہ کو بوسٹن کے علاقے میں آباد ہونے کے لئے روانہ کردے جہاں وہ برطانوی تاج کے زیر سایہ اپنی حکومت خود اختیاری قائم کرسکیں۔ سنہ ۱۶۲۸ء میں جان انڈیکوٹ، کی قیادت میں ایک پیش دستہ بوسٹن کی طرف روانہ ہوگیا اور اس کے دو سال بعد جان ونتھراپ، جسے گورنر مقرر کیا گیا تھا، تقریباً دو ہزار افراد کے قافلے کے ساتھ ان نوآبادیوں میں آباد ہونے کے لئے پہونچ گیا۔

ان سواحل کے مزید جنوب میں بھی تارکان وطن کی مسلسل آمد نمایاں طور پر جاری تھی۔ سنہ ۱۶۳۴ء میں لارڈ بالٹیمور کی قیادت میں برطانوی کیتھولک کی ایک

جماعت جو پروٹسٹنٹ ماحول سے سخت عاجز آچکی تھی 'میری لینڈ' میں آکر آباد ہوگئی۔ ۱۶۸۲ء میں ولیم پین کی قیادت میں فرقہ خائفین کی ایک جماعت پنسلوانیا میں آکر بس گئی۔ ان تمام نوآبادیوں سے آباد کار رفتہ رفتہ قریب کے علاقوں میں پھیلتے گئے۔ چنانچہ ۱۷۰۰ء کے قریب بحر اوقیانوس کے سواحلی علاقوں میں میسے چوسٹز سے کیرولینا تک برطانوی تارکان وطن کی بستیوں کا ایک مسلسل سلسلہ آباد ہوگیا۔

اسی دوران ولندیزی 'ہنری ہڈسن' کے دعووں پر مستقل عمل پیرا رہے اور نیو ایمسٹرڈم کے مقام پر جو اب نیویارک کہلاتا ہے' ایک زبردست اور خوش حال نوآبادی قائم کرلی۔ سویڈن کے باشندوں نے نیوجرسی اور ولاور کے علاقوں میں اپنی نوآبادیاں قائم کیں۔ مگر ایک باضابطہ منصوبے پر عمل پیرا ہوتے ہوئے برطانوی نوآباد کاروں نے ان سویڈن آباد کاروں کو زیر کرلیا۔" اور تیرہ ۱۳ نوآبادکاریوں پر مشتمل ایک ٹھوس بلاک قائم کرلیا۔

فرانس بھی اس نئی دنیا میں اپنے قدم جمانے کی کوششوں میں برابر مشغول تھا۔ ۱۶۰۸ء میں "چیمپلین" نے کناڈا کے مقام 'کیوبک' میں ایک شہر کی بنیاد ڈالی۔ جہاں سے پُرجوش مشنریوں کے گروہ مسی سپی کے جنوب میں سفر کرتے ہوئے مغربی علاقوں کے وسط تک پہونچ گئے اور اپنی عبادتوں اور اعلیٰ سیرت کے مظاہروں کے ذریعہ وہاں کے اصلی انڈین باشندوں کو رام کرکے بڑے بڑے وسیع علاقوں کو اپنے فرانسیسی بادشاہ کے قلمرو میں شامل کرنے کی کوشش کی۔ تاہم یہ فرانسیسی باشندے نوآباد کار سے زیادہ چالاک تاجر تھے۔ ان کی تعداد بہت تھوڑی تھی اور سفید فام نوآباد کاروں کی متعدد بستیاں قائم کرنے کے بجائے انہوں نے کناڈا اور مسی سپی کی وادی کے زیریں حصوں میں جس سلطنت کا سنگ بنیاد رکھا۔ اسکا بنیادی ڈھانچہ بڑی حد تک تجارتی تعلقات اور انڈین قبیلوں کو اپنے زیر اثر لانے پر قائم

کیا گیا تھا۔ سترھویں صدی کے آغاز میں اسپینیوں نے وسطی اور جنوبی امریکہ کے علاقوں پر اپنی گرفت مضبوط کرلی تھی۔ لیکن موجودہ ریاستہائے متحدہ کے علاقوں پر ان کا قبضہ بہت مختصر تھا۔ اور صرف فلوریڈا، ٹیکساز اور نیومیکسیکو کی مشنری چوکیوں اور کیلیفورنیا کے ساحلی علاقوں پر مشتمل تھا۔ وسیع علاقوں پر قبضہ کرنے اور نوآبادیاں قائم کرنے کی اس دوڑ میں وہ برابر کے شریک تھے مگر اس کے باوجود وہ اپنے مقابل کے حریف برطانیہ اور فرانس سے بہت پیچھے رہ گئے تھے۔

سترھویں صدی میں موجودہ ریاستہائے متحدہ کی ہیئت کیا تھی اور اُسکی جغرافیائی شکل کیسی تھی؟ یہ علاقہ نہایت خوبصورت تھا اور اسقدر گھنے جنگلوں سے پُر تھا کہ ایک گلہری زمین پر اترے بغیر ایک درخت سے دوسرے درخت پر چھلانگ لگاتے ہوئے ہزاروں میل کا فاصلہ طے کرسکتی تھی۔ بحراوقیانوس کے ساحل سے ملا ہوا ایک تنگ میدانی قطعہ تھا جو آہستہ آہستہ بلند ہوتا ہوا اپلاچیان پہاڑ کے دامن تک پہونچ گیا تھا۔ اِس علاقے اور سنگلاخ علاقوں کے درمیان، جو مغرب کی طرف تقریباً ایک ہزار میل کے فاصلے پر تھے مسی سیپی وادی کے بڑے بڑے گیاہستان اور گھنے جنگلات واقع تھے۔ ان کی زمین نہایت زرخیز اور تارکانِ وطن کی نوآبادیاں قائم کرنے کے لئے نہایت مناسب تھی۔ اِن سنگلاخ پہاڑیوں کے دوسری طرف بحرالکاہل کے ساحلی علاقوں پر نہایت عمدہ اور زرخیز زمین کا ایک اور خطّہ تھا جو بہترین بندرگاہوں اور دولت سے مالامال گھنے جنگلوں پر مشتمل تھا۔ یہ خطّہ انسانوں کے لئے جنّت کی مانند تھا۔ ریڈ انڈین باشندوں کا یہ محبوب ترین علاقہ تھا جہاں وہ شکار کھیلتے۔ اور مچھلیاں پکڑتے تھے۔

مختلف آبادکاروں کے لئے اب اسٹیج تیار تھا اور جلد ہی اس جدوجہد کا آغاز ہونے والا تھا جس میں اس بات کا فیصلہ ہونا تھا کہ اس بیش قیمت اور حسین برِاعظم کو کون اپنی ملکیت میں لاتا ہے۔

باب (۲)

نوآبادیاتی دور

انگریزی نوآبادیوں کا ابتدائی زمانہ مشکلات کا دور تھا۔ زندگی کٹھن تھی اور ناسازگار حالات نے وہاں کے باشندوں کی طبیعت میں کرختگی پیدا کردی تھی خصوصاً نیو انگلینڈ میں جہاں پتھریلی زمین اور سرد آب و ہوا کی وجہ سے یہ دشوار تھا کہ زرعی فارموں کو گزر بسر کا ذریعہ بنایا جاسکے۔ قدرتی مصائب کا مقابلہ کرتے رہنے سے یہاں کے باشندوں میں جفاکشی اور کھرے پن کے ساتھ ساتھ کم سے کم وسیلوں سے زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل کرنے کی صلاحیت پیدا ہوگئی تھی۔ مسیحی پیورٹین فرقے کا کٹرپن جس کو امریکی سماج میں آج بھی بڑا دخل ہے اُسی زمانے سے جڑ پکڑنے لگا تھا۔

یوں تو میسے چوسٹس میں بسنے والے پیورٹین طبقے نے ترکِ وطن اسی غایت سے کیا تھا کہ یہاں آکر اُنھیں اُن مظالم سے نجات ملے گی جو مذہبی عقائد کی بنا پر وطن میں اُن پر روا رکھے گئے تھے۔ لیکن یہاں پہونچ کر رواداری کے بجائے

اُن میں خود مذہبی تعصب پیدا ہو گیا اور اُن کے پیشوا اس بات پر مُصر ہونے لگے کہ نیا سماج پیورٹین عقائد کی سختی سے پابندی کرے۔ چنانچہ ۱۶۳۱ء میں جنرل کورٹ کی طرف سے یہ حکم نافذ کیا گیا کہ حکومت میں رائے دہندگی کا حق صرف ان لوگوں کو ہو گا جو پیورٹین فرقے کے فرد ہوں اور کلیسائی جماعت میں ایک ممتاز رُکن کی حیثیت رکھتے ہوں۔ اِس طرح وہ لوگ جو پُرانی دُنیا میں ظلم و ستم کا شکار تھے نئی دُنیا میں آکر وہی اب دوسروں کے لئے جبر و تعدی روا رکھنے لگے۔

لیکن میسے چوسٹس میں نو آبادیاں قائم کرنے والے سبھی لوگ اس اصول کے قائل نہ تھے کہ حکومت کی باگ ڈور کلیسا کے ہاتھوں میں رہے۔ اور سوسائٹی کا کاروبار مذہبی نظام کے تحت چلے۔ جس میں غیر مقلدوں کے لئے کڑی سزائیں ہوں اور ظلم و تشدد کے ساتھ اُن کو موت کے گھاٹ اُتارا جائے۔ شروع ہی سے ملک میں ایسے لوگ بھی ہوئے ہیں جنہوں نے حکومتِ وقت کے ناروا احکام کے خلاف کھُلم کھلا صدائے احتجاج بلند کی۔ ان میں سب سے پہلا شخص راجر ولیمس تھا جو کھاتے پیتے گھرانے میں پیدا ہوا۔ وہ ایک شریف النفس انسان، پادری اور کیمبرج یونیورسٹی کا گریجویٹ تھا۔ مذہبی روا داری کا حامی ہونے کے ساتھ ساتھ وہ اس کا بھی قائل تھا کہ کلیسا اور ریاست کو الگ الگ رکھا جائے۔

ولیمس کو اس پر بھی اصرار تھا کہ انڈین قوم سے اچھا سلوک لیا جائے، اِسلئے کہ امریکہ کی سرزمین دراصل اُن کی ملکیت و میراث ہے نہ کہ شاہ انگلستان کی۔ اِن خیالات کی وجہ سے ۱۶۳۵ء میں اُس پر حکومت کا عتاب نازل ہوا اور وہ جیل میں ڈال دیا گیا۔ وہ جیل سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا اور اپنے وفاداروں کی ایک جماعت کے کر جزیرۂ رہوڈ میں پروایڈنس کے مقام پر پہونچا، جہاں

زمین پر زبردستی قبضہ کرنے کے بجائے اُس نے انڈین قبیلوں کو معاوضہ دے کر اراضی حاصل کی۔ اس نوآبادی میں مذہب و عبادت کی مکمّل آزادی تھی۔ غیر مقلدوں، ملحدوں، انجمن احباب کے افراد اور یورپ سے آئے ہوئے بے گھر یہودیوں کو یہاں بسنے اور نوآبادی کے جمہوری نظام حکومت میں شریک ہونے کی دعوت دی گئی۔ اسّی سال سے زائد عمر پاکر وہ جزیرہ رہوڈ میں فوت ہوا۔ یادل نخواستہ سہی لیکن ایسے لوگوں نے بھی اس کی تحسین و تعریف کی جو اُس کی آزاد خیالی کے مخالف تھے۔

مذہبی اختلاف کی بنا پر کچھ اور لوگوں کو بھی میسے چوسٹس سے ہجرت کرنی پڑی۔ انہیں میں این ہچنسن اور پادری ٹامس ہُوکر تھے۔ مسز ہچنسن کی شخصیت بڑی غیر معمولی تھی۔ اُن کا شمار اُن لوگوں میں ہو سکتا ہے جو ہر ملک اور ہر زمانے میں امتیازی حیثیت رکھتے ہیں۔ اُن کے چودہ بچے تھے، جو سب کے سب انگلستان میں پیدا ہوئے۔ ترکِ وطن کر کے وہ امریکہ اس وقت پہونچیں جب کہ اُن کی عمر چالیس سال سے اوپر ہو چکی تھی۔ یہاں پہونچ کر انہوں نے نہ صرف ایک مذہبی لیڈر بلکہ ایک ممتاز مُفکّر کی حیثیت سے بھی نام آوری حاصل کی۔ خدا اور بندے کے مابین انفرادی رشتوں پر جو پادریوں کا پہرہ تھا وہ اُن کے معقول پسند ذہن کو ایک آنکھ اور اس پر انہوں نے نکتہ چینی شروع کی۔ پادری اس پر برہم ہو گئے۔ اور ۱۶۳۸ء میں اس برہمی نے ایک مستقل عتاب کی صورت اختیار کر لی۔ مسز ہچنسن کے پیرؤوں کی ایک جماعت نے نیو ہیمپشیر پہونچکر وہاں ایک نوآبادی قائم کی۔ وہ خود اور اُن کے کنبے کے کچھ افراد نیویارک کے مقام پیلہیم منتقل ہو گئے۔ یہاں ۱۶۴۳ء میں وہ سب کے سب انڈین قبیلے کے ہاتھوں مارے گئے۔

ٹامس ہُوکر نو آبادیاں قائم کرنے والوں کی ایک جماعت لے کر دریائے کنکٹی کٹ کی وادی میں داخل ہوا۔ ۱۶۳۶ء میں اس جماعت نے ہارٹ فورڈ اور کئی اور بستیاں آباد کیں۔ نو آبادیاں قائم کرنے والی جماعتیں چار پہیوں کی گاڑیوں میں سفر کرتی تھیں۔ اکثر لوگ پیدل بھی چلتے تھے۔ اُن کے مویشی، گھوڑے اور پالو جانور اُن کے ساتھ ہوتے تھے۔ اُنہیں لوگوں کی نسلوں نے دو سو سال بعد بالکل اسی طرح پورے برِاعظم کو عبور کیا اور بحرالکاہل کے ساحل تک پہونچ گئے۔ ہُوکر اور اُس کے ساتھیوں نے حکومت کے "بنیادی احکام" وضع کئے جن کی رُو سے اُن لوگوں کو بھی رائے دہندگی کا حق دیا گیا جو کلیسائی نظام سے کوئی تعلق نہ رکھتے تھے۔ "بنیادی احکام" کے مطابق عوام حکومت خود اختیاری کے مجاز ٹھہرائے گئے۔ اس پوری دستاویز میں شاہی اختیار و اقتدار کا کوئی حوالہ نہیں پایا جاتا۔

دوسری نو آبادیوں میں مذہبی تنازعوں نے شدّت اختیار نہیں کی میری لینڈ میں اس وقت ضرور کچھ کشمکش پیدا ہوئی جب کہ آس پاس کے علاقوں سے پروٹسٹنٹ فرقے کے مہاجروں کا ریلا ٹوٹ پڑا اور اُن کی تعداد اس رمن کیتھولک فرقہ کی تعداد سے کہیں زیادہ ہو گئی جس نے یہ نو آبادی قائم کی تھی۔ پروٹسٹنٹ فرقے کی بڑی اکثریت ہو جانے سے اس کا اندیشہ پیدا ہو گیا کہ رومن کیتھولک جبر و تشدّد کا شکار بن جائے گا۔ لیکن صلح و آشتی کے جذبے نے یہ اندیشہ جلد ہی ختم کر دیا۔ اسمبلی نے قانون رواداری ۱۶۴۹ء منظور کر کے ہر مسیحی فرقے کو اپنے اپنے مسلک پر چلنے کی آزادی دے دی۔

سچ تو یہ ہے کہ زندگی کی حقیقتوں نے اعتقاد کے اختلافات کو پس پشت ڈال دیا تھا۔ نو آبادیوں کو ترقی دینے کے لئے ایسے لوگوں کی ضرورت تھی جو زراعت اور دوسرے تعمیری پیشوں میں مہارت رکھتے ہوں۔ اگر رومن کیتھولک یا لوتھرن فرقے کے کسی فرد کو کوئی ایسا ہُنر آتا تھا جس سے نو آبادیاتی تعمیر میں مدد

مل سکتی تھی تو ورجینیا میں بھی لوگ اُسے ہاتھوں ہاتھ لیتے تھے حالانکہ وہاں کی آبادی ایپسکوپل فرقے کی اکثریت پر مشتمل تھی۔ چنانچہ نئی دُنیا کے طول وعرض میں مین سے لے کر شمالی اور جنوبی کیرولینا اور جارجیا تک مذہبی تعصب رفتہ رفتہ لیکن قطعی طور پر کم ہوتا گیا اور بہت سے لوگوں کی نظروں میں دُنیا اور عقبیٰ کے معاملات کی اہمیت یکساں ہو گئی۔

مظالم اور زیادتیوں کی اِنی گِنی وارداتیں کہیں کہیں ضرور ہو جاتی تھیں لیکن عام حالات کی بنا پر پُرانی دُنیا کی نظر میں امریکہ امن و آشتی کا گہوارہ سمجھا جانے لگا تھا جہاں پہونچ کر ظلم و تعدی سے پناہ مل سکتی تھی۔ یورپ میں ہر طرف جنگ و جدال کا بازار گرم تھا۔ یورپ کی تاریخ میں اس قدر شور و فساد کبھی برپا نہیں ہوا تھا۔ شاید ہی بھلا چنگا کوئی بچا ہو جسے تیس سالہ جنگ ڈیوولیوشن اور جنگ پلیٹینٹ میں مجبورانہ حصہ لینا پڑا ہو۔ یہ لڑائیاں ۱۶۱۸ء سے لے کر ۱۶۹۷ء تک برابر چھڑی رہیں۔ پورا یورپ ان جنگوں کی تباہیوں سے تہ و بالا ہو گیا۔ رومن کیتھولک ملک اپنے پروٹسٹنٹ ہمسایوں سے برسرِ پیکار تھے اور پروٹسٹنٹ آپس ہی میں کٹے مر رہے تھے۔

اِن واقعات کی بنا پر نوآبادکاری دَور کی پہلی صدی میں ہر ملک و ملت اور ہر مذہب کے لوگ ہزاروں کی تعداد میں امریکہ پہونچ گئے۔ کیا ہوا اگر نئی دُنیا میں مشکلات کا سامنا تھا۔ یہ مشکلیں ان مصیبتوں کے سامنے ہیچ تھیں جن سے لوگ پُرانی دُنیا میں دوچار تھے۔ ظلم و آفت سے بچنے کی آرزو نے یورپ کی قوموں کو امریکہ کی جانب متوجہ کیا، جہاں نئے مواقع سے فائدہ اٹھا کر صلح و امن کی نئی زندگی شروع کی جا سکتی تھی۔ ابتدا سے لے کر اب تک ترکِ وطن میں یہی آرزو کارفرما رہی ہے۔
۱۶۶۴ء میں نیویارک جزیرۂ مین ہٹن کے جنوبی حصے میں ولندیزیوں کی

ایک چھوٹی سی رنگا رنگ بستی تھی۔ اس کی آبادی تقریباً ڈیڑھ ہزار افراد پر مشتمل تھی۔ ڈھلوں اور نکیلی چھتوں کے مکانوں، ہوا چرخیوں اور مال گوداموں کی وجہ سے یہ بستی ہو بہو ولندیزی گاؤں معلوم ہوتی تھی۔ ولندیزیوں کی تجارتی چوکیاں دریائے ہڈسن کے کنارے تقریباً ڈیڑھ سو میل کے فاصلے میں ایلبنی کے مقام تک اور نیو جرسی میں بھی دور دور تک پھیلی ہوئی تھیں۔ ولندیزیوں کے لئے وہ بڑا ہی منحوس دن تھا جبکہ انگریزی جہازوں کے ایک مسلح بیڑے نے نیویارک کے قریب آکر لنگر ڈالے اور ولندیزیوں سے یہ مطالبہ کیا کہ وہ امریکہ میں اپنے تمام مقبوضات سے فوراً دستبردار ہو جائیں۔ اس مسلح دستبرد سے مجبور ہو کر ولندیزیوں کو اطاعت قبول کرنی پڑی۔ اور اس طرح امریکہ کا وسطی ساحلی علاقہ جو جنوب اور نیو انگلینڈ کے درمیان رابطہ قائم کرتا تھا برطانوی نو آبادیاتی مملکت کا ایک حصہ بن گیا۔

بڑھتی ہوئی برطانوی سامراجی قوت کے دوران انگلستان میں پے در پے کئی فرمانروا سریر سلطنت پر بیٹھے۔ ان میں سب سے پہلے اسٹوورٹ خاندان کے پروٹسٹنٹ بادشاہ جیمس اول اور چارلس اول تھے۔ اس کے بعد پیوریٹن ڈکٹیٹر آلیور کرامول کا دور آیا جس نے ۱۶۰۳ء میں ایک شدید خانہ جنگی میں فتح پا کر حکومت پر قبضہ کیا۔ کرامول ۱۶۵۸ء میں فوت ہوا۔ اس کے دو سال بعد تخت شاہی پر اسٹوورٹ خاندان کا دوبارہ قبضہ ہوا۔ لیکن ۱۶۸۸ء کے انقلاب میں اس شاہی خاندان کی قطعی طور پر شکست ہوئی اور آرینج کے ولیم اور میری کو تخت نشینی کی دعوت دی گئی لیکن اس شرط کے ساتھ کہ حکومت میں عوام کو زیادہ نمائندگی حاصل ہو گی۔

ان تمام فرمانرواؤں کو امریکہ کی روز افزوں اہمیت کا احساس تھا۔ اس لئے اُن سب کی یہ کوشش رہی کہ نو آبادیاتی امور اُن کے قبضۂ قدرت میں رہیں لیکن

پُرآشوب حالات اور کثیر فاصلے کی وجہ سے اُنہیں خاطر خواہ کامیابی نہ ہوئی۔ اور نوآبادیوں پر وہ پورا قابو حاصل نہ کر سکے۔

اس کے باوجود بعض سخت اقدامات کئے گئے۔ شروع شروع میں نوآبادیوں کا انتظام تاجروں یا بادشاہوں کے مُنہ چڑھے درباریوں کے ہاتھوں میں تھا۔ سند کے طور پر ان لوگوں نے شاہی فرمان حاصل کر لئے تھے۔ ان فرمانوں کی رُو سے نوآبادیوں کے باشندوں کو بہت کچھ خود اختیاری حکومت کے حقوق حاصل تھے۔ تاجر اور درباری مالک بھی اپنے کام سے کام رکھتے تھے۔ نوآبادیوں کے باشندوں کو اپنے معاملات خود چکانے میں بڑی حد تک آزادی تھی۔ شرط صرف یہ تھی کہ مالکوں کو کاروبار کا منافع ملتا رہے اور نوآبادیوں کی رعایا انگریزی قوانین کی پابند اور شاہ انگلستان کی مطیع اور وفادار رہے۔ لیکن زمانہ گزرنے کے ساتھ شاہی فرمان زیادہ تر منسوخ ہوتے گئے اور نوآبادیاں براہ راست شاہی اختیار کے ماتحت آتی گئیں۔

ان اقدامات سے نوآبادیوں کے خود مختاری نظام کو صدمہ پہونچنے اور اُن کی حکومت پر برطانوی تاج و تخت کا زیادہ گہرا تسلّط ہو جانے کا اندیشہ لاحق ہو گیا۔

نوآبادکاروں کے لئے حالات اُس وقت برداشت کے باہر ہو گئے جبکہ اسٹوورٹ خاندان کے آخری فرماں روا جیمس دوم نے ۱۶۸۶ء بغیر سوچے سمجھے نیو انگلینڈ، نیویارک اور نیوجرسی کے تمام علاقے کو مِلکر ایک ہی شاہی صوبے میں منتقل کر دیا۔ بادشاہ نے سر ایڈمنڈ اینڈروس جو نہایت سخت گیر مزاج کا مالک تھا، اِس صوبے کا گورنر بنا کر بھیجا تاکہ وہ نوآبادی کی دولت گھسیٹ کر شاہی خزانے کو اِس لُوٹ سے مالامال کر دے۔ اینڈروس نے

نہایت ظالمانہ رویہ اختیار کیا۔ اُس نے نوآبادی کی عدالتوں کو منسوخ کر دیا، اور خود جج بن بیٹھا۔ اخباروں پر سخت پابندیاں اور رعایا پر بھاری ٹیکس لگا دیئے گئے اور عام طور پر حکومت کے معاملات میں عوام کی مرضی اور اُن کے مفاد کو نظر انداز کر دیا گیا۔

آخر کار ایک دن امریکہ میں انگلستان سے یہ خبر پہونچی کہ شاہ جیمس تخت سے معزول کر دیا گیا ہے۔ یہ اطلاع اینڈ روس کے لئے منحوس تھی لیکن نوآبادکاروں کے لئے مژدہ بن کر آئی۔ اب اپنے ستانے والے سے بدلہ لینے کا وقت آپہونچا تھا۔ چنانچہ مے میسے چوسٹس کے لوگوں نے اینڈروس کو گرفتار کر کے انگلستان واپس بھیج دیا تاکہ وہاں وہ نئے بادشاہ کے حکم سے اپنے کیفر کردار کو پہونچے۔ نیویارک میں آزادی کے شیدائیوں نے اینڈروس کے نائب فرانسس نکلسن کو معزول کر کے شہر بدر کر دیا اور اس کی جگہ اپنے ہی ایک لیڈر جیکب لائزلر کو حاکم مقرر کر دیا۔ یہ یہ جرمن نژاد تھا اور دو سال ورجینیا میں بھی شاہی گورنر سر ولیم برکلے کے عہد حکومت کے دوران خلفشار مچا رہا تھا۔ نوآبادی کی فلاح و بہبود سے زیادہ سر ولیم برکلے کو انڈین قبیلوں سے سمور کی تجارت کرنے میں دلچسپی تھی۔ چنانچہ ۱۶۷۵ء میں اس نے سسکوہیناک قبیلے کے خلاف فوجی مہم بھیجنے سے انکار کر دیا تھا۔ یہ انڈین قبیلہ بعض سرحدی نوآبادیوں میں اپنی تخریبی کارروائیوں سے دہشت پھیلائے ہوئے تھا۔ جبکہ ایک نوجوان آبادکار نتھینیل بیکن رضاکاروں کی ایک جماعت جمع کر کے انڈین لیٹروں کو شکست دے دی تو برکلے نے اس نوجوان کو باغی ٹھہرا کر اس کی گرفتاری پر انعام مقرر کر دیا۔ اس پر بیکن اور گورنر کے درمیان لڑائی چھڑ گئی جس میں بیکن کے ساتھیوں نے گورنر کی سپاہ کو شکست دے دی۔ لیکن عین اس وقت جبکہ بیکن کی فتح ہو چکی تھی اس نوجوان کو بخار آیا اور وہ دفعتاً فوت ہو گیا۔ بیکن کا رضاکار دستہ اپنے سردار کو یوں کھو بیٹھنے سے سراسیمہ ہو گیا۔ اب برکلے کی چڑھ بنی

اور اُس نے بیکن کے ساتھیوں کو کچل کے رکھ دیا۔ ان لڑائیوں میں اِتنی سخت خونریزی ہوئی کہ برکلے پر شاہی عتاب نازل ہوا اور اس کو انگلستان واپس بلا لیا گیا۔

لیکن سختی اور مصائب کے باوجود ایک سو سال بعد تک نو آباد کاروں نے اپنے اصل وطن کی حکومت کے خلاف کھلم کھلا بغاوت نہیں کی۔ اُن میں سے اکثر اور بیشتر کو انگلستان سے پھر بھی اُنس رہا اور صاحبِ استطاعت اب بھی تعلیم کے لئے اپنے لڑکوں کو آکسفرڈ اور کیمبرج بھیجتے تھے اور خود بھی وقتاً فوقتاً اپنے وطن ہو آتے تھے۔

امریکہ میں روز بروز دولت کی افراط ہوتی جا رہی تھی۔ اقتصادی زندگی کا انحصار بیشتر زراعت پر تھا۔ چاول اور تمباکو کی کثیر پیداوار سے بہت زیادہ منافع ہو رہا تھا۔ چنانچہ جنوبی علاقے کے نو آباد کار کاشت شروع ہونے کے ایک دو پیڑھیوں بعد ہی بڑے خوشحال ہو گئے۔ جنوبی اور کسی حد تک وسطی نوآبادیوں کی وسیع سرزمین بڑے پیمانے پر زرعی فارم قائم کرنے کے لئے نہایت موزوں تھی۔ لیکن نیو انگلینڈ میں حالات اس کے بالکل برعکس تھے۔ یہاں تنگ وادیاں اور خراب زمین ہونے کی وجہ سے لمبے چوڑے رقبوں کی کھیتیاں قائم کرنا دشوار تھا۔ فصلیں خراب ہونے کے باعث وہاں کے باشندے زراعت سے تو فائدہ نہ اٹھا سکے۔ لیکن نہایت ذہانت اور ہوشیاری سے اُنھوں نے تجارت میں اپنی خوش حالی کا سامان ڈھونڈھ نکالا۔ چاروں طرف جنگل ہی جنگل تھے۔ اس لئے لکڑی کی افراط تھی جو جہاز سازی اور کچے مال کے طور پر برآمد کرنے کے لئے استعمال کی جا سکتی تھی۔ ساحل کے پاس ہی سمندر میں مچھلیوں کی بہتات تھی۔ اندرونِ ملک معمولی ٹوم ٹام یا شراب کی بوتل کے عوض انڈین قبیلوں سے قیمتی سمور کا لین دین ہو سکتا تھا۔

یہ تو شروع ہی سے اندازہ لگایا جا چکا تھا کہ نوآبادیوں میں قدرتی دولت

اور مادی وسیلوں کی کوئی کمی نہیں۔ یہی وجہ ہوئی کہ برطانوی حکومت نے نوآبادیوں کو براہِ راست تخت و تاج کے زیرِ اختیار کر لیا تاکہ ان نئے ممالک سے زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل کیا جا سکے۔

نئی اور غیر ترقی یافتہ نوآبادیوں کے لوگ مصنوعات کے لئے انگلستان کے دست نگر تھے۔ اور ان چیزوں کے عوض تمباکو، لکڑی اور چمڑا اور ایسے ہی دوسرے کچے مال انگلستان کو فراہم کرتے تھے۔ یہ کاروبار جو تجارتی نظام سے پکارا جاتا تھا انگلستان کے لئے عام طور پر کثیر منافع کا ذریعہ اور اسی لئے نوآبادیوں میں زراعت پر روپیہ لگانے کی خاص رعایت بنا۔ نوآبادیوں کے باشندے مجبور تھے کہ ان کی اپنی پیداوار کی جو بھی بُری بھلی قیمت ملے اسے قبول کر لیں لیکن مصنوعات کے لئے برطانوی تاجروں کے مُنہ بولے دام دیں۔ ازروئے قانون نوآبادیوں کے باشندوں کو دوسرے ممالک سے تجارت کرنے اور اپنی صنعتیں قائم کرنے کی اس لئے ممانعت تھی کہ تجارت پر انگلستان کی اجارہ داری برقرار رہے۔

لیکن جب انگریزی نوآبادیوں میں خوش حالی اور اپنے پیروں پر آپ کھڑے ہونے کی صلاحیت بڑھنے لگی تو نئی دُنیا کے تاجروں میں جن کو اب منافع اور تمول کی چاٹ پڑ گئی تھی۔ انگریزی قوانین کی پابندیوں پر جھنجھلاہٹ پیدا ہوئی بالخصوص ۶۳-۱۶۶۰ء کے قوانین جہاز رانی جو شاہ چارلس دوئم نے نوآبادیوں پر مسلط کئے تھے اُنکے خلاف نیو انگلینڈ میں خاص طور پر آزردگی پیدا ہوئی، کیونکہ انگلستان کے مقابلے پر یہ نوآبادی خود اپنی صنعت اور تجارت کو فروغ دینا چاہتی تھی۔ نوآبادیوں کی خوش قسمتی کہ ان قوانین پر سختی سے عمل درآمد نہیں ہوتا تھا جس کی وجہ سے نوآبادیات اور فرانسیسی اور ہسپانوی انڈیز کے درمیان خلافِ قانون تجارتی تعلقات بڑھتے رہے۔

اٹھارھویں صدی کے وسط تک نوآبادیوں کی آبادی بڑھکر قریب پندرہ لاکھ

تک پہونچ چکی تھی۔ اس بڑھتی ہوئی آبادی میں انگریزی نسل کے لوگوں کی اکثریت برقرار رہی، گو کہ نیویارک اور نیو جرمنی میں ولندیزیوں کی خاصی تعداد تھی اور بعض علاقوں میں کہیں کہیں فرانسیسی پروٹسٹنٹ طبقہ اور پنسلونیا میں کچھ جرمن قوم کے لوگ بھی آباد تھے۔ اسکاٹ لینڈ اور آئرلینڈ کے جفاکش باشندے بھی بڑی تعداد میں امریکہ میں آچکے تھے۔ ان لوگوں نے پنسلونیا میں پہونچ کر شننیڈوا کی وادی کے راستے جنوب کا رُخ کیا تھا اور ورجینیا اور شمالی اور جنوبی کیرولینا کی سرحدوں تک پہونچ گئے تھے۔

سفید فام آزاد قوموں کے علاوہ افریقہ کے نیگرو غلام بھی امریکہ میں وارد ہو چکے تھے۔ ان بدقسمتوں کے باپ دادا اپنے آبائی دیہاتوں سے پکڑ کر اور غلام بردار جہازوں کے تنگ و تاریک اور بدبودار تہ خانوں میں جانوروں کی طرح ٹھونس ٹھونس کر سمندر پار لائے گئے تھے۔ ان میں سے کچھ تو انگلینڈ میں غلاموں کی طرح فروخت کر دئے گئے اور کچھ وسطی نوآبادیوں میں پہونچ گئے لیکن ان کی بیشتر تعداد زرعی فارموں پر بیگار کرنے کے لئے جنوبی نوآبادیوں میں پہونچادی گئی۔ ۱۷۵۰ء کے اختتام تک نیگرو غلاموں کی مجموعی تعداد تقریباً ڈھائی لاکھ ہو گئی تھی۔

امریکہ کے اصل باشندے یعنی انڈین قبائل مجبوراً مغرب کی جانب ہٹتے چلے جا رہے تھے۔

جب سفید فام قوموں نے امریکہ کی زمین پر پہلے پہل قدم رکھا تو انڈین قوم کی پوری آبادی تخمیناً آٹھ لاکھ تھی۔ عام طور پر نوآبادکاروں نے ان سے دغابازی اور بدسلوکی روا رکھی۔ اکثر مظالم کی تاب نہ لاکر ان قبیلوں نے ہتھیار سنبھال لئے اور ظلم ڈھانے والوں کا خون بہاکر زیادتیوں کا بدلہ لیا لیکن نوآبادیاتی

طبقے نے جواب میں اس سے بڑھ چڑھ کر انڈین قوم کی خونریزی کی۔ سنہ ۱۶۳۷ء کی پیکوٹ کی لڑائی کا ایک انتقامی چھاپہ "جنگ کی تاریخ" ایک یادگاری حیثیت رکھتا ہے جبکہ کیپٹن جان کی کمان میں نیو انگلینڈ کے ایک دستے نے اچانک انڈین بستی کا محاصرہ کر لیا۔ جس کے چاروں طرف بلیوں کی باڑھ بنی ہوئی تھی۔ بھاگنے کے تمام راستوں کو پوری طرح بند کرنے کے بعد حملہ آور پیورٹین دستے نے بستی کو آگ لگا دی اور تقریباً پانچ سَو انڈین مرد، عورتیں اور بچے جل کر راکھ کا ڈھیر بن گئے۔

میسے چوسٹس کا پیورٹین طبقہ اپنے مزاج کی بناء پر دوسرے علاقوں کے آبادکاروں سے بالکل الگ تھا۔ اُس کی طبیعت میں متضاد خاصیتیں تھیں جن میں سے بعض قابلِ قدر تھیں اور بعض نہایت خطرناک۔ ایک طرف تو لوگ تعلیم کے زبردست حامی تھے۔ چنانچہ ہارورڈ کالج سنہ ۱۶۳۶ء ہی میں قائم ہو چکا تھا، جب کہ دیہات کے اردگرد ویرانوں سے اب بھی راتوں کو بھیڑیوں کے چلانے کی آوازآتی تھی۔ سنہ ۱۶۵۰ء سے قبل ہی بچّوں کے لئے پبلک اسکول کی تعلیم لازمی قرار دے دی گئی تھی۔ لیکن اسی کے ساتھ ساتھ نیو انگلینڈ کے پیورٹین مذہبی معاملات میں جنون کی حد تک کٹر اور متعصب تھے۔ اسی جنونی تعصب کے ماتحت سنہ ۱۶۹۲ء کے دوران میسے چوسٹس کے شہر سالیم میں جادوگری کے نام نہاد الزام پر بے گناہ لوگوں پر مقدمے چلائے گئے اور نہایت المناک طور پر انہیں موت کے گھاٹ اُتارا گیا۔

نیو انگلینڈ کے چھوٹے چھوٹے شہروں میں اقتصادی اور سماجی زندگی کلیسا، مدرسے اور دیہات کے باہر سیر و تفریح کے سرسبز میدانوں سے وابستہ تھی۔ یہاں آبادیاں قریب قریب ہونے کی وجہ سے عوام میں جنوبی ساحلی علاقوں سے کہیں زیادہ ہمسائگی یگانگت پروان چڑھی اور جمہوری اصولوں کے تحت

صلاح مشورے اور رواداری سے مقامی معاملات کا تصفیہ ہونے لگا۔ اس طور پر نیو انگلینڈ کے پرانے دور میں بہ یک وقت تعصب کا بھی دور دورہ رہا اور مساوات در واداری کا بھی۔

دریائے پوٹومیک کے جنوب کی طرف ورجینیا اور کیرو لینا کے علاقوں میں مزروعہ زمینیں اور آبادیاں ایک دوسرے سے دور دور تھیں۔ اس لئے یہاں نہ تو سماجی زندگی مرتب ہو سکی اور نہ حکومت خود اختیاری میں جمہوری اصول اُجاگر ہو پائے۔ پنچائتی جلسوں کی شرکت کے لیے مختلف آبادیوں کے باشندوں کا کسی ایک مرکزی مقام پر بار بار اکٹھا ہونا بڑا دشوار تھا۔ یہی مشکل پبلک مدرسوں کے قائم اور اُنہیں چلانے میں پیش آئی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام مزروعہ فارم اور اُن کی متعلقہ آبادیاں ایک دوسرے سے الگ تھلگ اور بے تعلق رہیں اور انکی وہ ہیئت ہو گئی جو کہ پرانے جاگیر داری دور میں خود مختار تعلقوں کی تھی۔

چونکہ جنوب میں سماجی اور اقتصادی ارتقا اس ڈھب سے ہوا۔ اس لئے یہاں امیر اور غریب طبقوں میں تفریق زیادہ نمایاں ہو گئی۔ ایک طرف تو اُمرار کا طبقہ تھا۔ جن کے وسیع مزروعات میں غلام بیگار کرتے تھے اور دوسری طرف غریب کاشتکار تھے جو اپنی زمینیں خود جوتتے تھے اور جن میں سے اکثر غربت و افلاس کے مارے عسرت کی زندگی بسر کرنے پر مجبور تھے۔ شہروں کو چھوڑ کر دیہی علاقوں میں نیو انگلینڈ کی طرح کا متوسط طبقہ یہاں بالکل نپپ نہ سکا۔ شمال اور جنوب کے درمیان سماجی زندگی کا یہ فرق دونوں علاقوں کی عمارتوں میں بھی آشکارا تھا۔ شمال میں بیشتر لوگوں کے پاس لکڑی کے بنے ہوئے صاف ستھرے اپنے مکان تھے۔ جنوب کے زرخیز علاقوں میں صرف معدودے چند متمول زمیندار شاندار محلوں میں رہتے تھے۔ لیکن پہاڑی مزروعات کے

بیشتر سفید فام کاشتکاروں کو لکڑی سے بنی ہوئی دقیانوسی قسم کی جھونپڑیوں ہی پر اکتفا کرنا پڑتی تھی۔ رہے نیگرو غلام تو ان بیچاروں کو سر چھپانے کے لئے بقول جارج واشنگٹن "صرف بُری بھلی چھتیں تھیں جن کے تلے جتنے سر سما سکتے سما جاتے تھے"

یوں تو جنوب میں بھی لوگ مذہب کو اہمیت دیتے تھے لیکن ان لوگوں کے اعتقادات سے وہ کٹرپن مفقود تھا جو نیو انگلینڈ کے لوگ مذہبی معاملات میں روا رکھتے تھے۔ زرعی فارموں کی زندگی خوشگوار تھی۔ اور سُود مند لوگ ہنسی خوشی دن گزارتے تھے۔ اُن کی زندگی آلام وافکار سے آزاد تھی۔ غلاموں سے کبھی کبھی ناروا سلوک ضرور کیا جاتا تھا جو اُن کے لئے اذیت کا باعث ہوتا تھا لیکن وہ بھی عام طور پر اس "پھولتے پھلتے" سماج میں گھل مل گئے تھے۔ رقص، شراب نوشی، شکار، گھوڑ دوڑ اور ڈوئل کی لڑائی متمول طبقے کے تفریحی مشاغل میں شامل تھے۔ نیو انگلینڈ کے سادگی پسند اور پارسا آبادکار ان مشاغل کو لہو ولعب اور اس لئے قابل ملامت سمجھتے تھے۔

وسطی علاقوں کی نوآبادیوں میں بڑی بڑی زمینداریاں بھی تھیں۔ لیکن زیادہ تعداد متوسط اور چھوٹے مزروعات کی تھی۔ کوئیکر فرقے سے تعلق رکھنے والے ولیم پن کی مخیرانہ قیادت میں پنسلوینیا کی نوآبادی کو بڑی ترقی ہوئی۔ یہاں کی آبادی ایسے کاشتکاروں پر مشتمل تھی۔ جن کے اپنے مکان تھے۔ جو عام طور پر بہت خوشحال اور فارغ البال تھے۔ اور اپنے انڈین ہمسایوں کے ساتھ نہایت صلح و آشتی سے رہتے تھے۔ کوئکہ صوبے کے قوانین نہایت منصفانہ تھے۔ عوام کے لئے تعلیم کی سہولتیں حاصل تھیں اور متفرق مذہبی اعتقادات کے متعلق رواداری برتی جاتی تھی۔ "برادرانہ اخوت کی بستی" فلاڈلفیا اٹھارھویں

صدی کے امریکہ کا ایک ممتاز شہر بن گیا تھا۔ اس کے عروج کا سہرا تمامتر مشہور طابع اور مُدبر بنجمن فرینکلن کے سر تھا۔

شہر نیو یارک جو آج بین الاقوامی تجارت کی راجدھانی بن گیا ہے۔ بہت پہلے ہی کاروباری مرکز کی حیثیت اختیار کر چکا تھا۔ اس شہر کی وسیع المشربی اور تجارتی فراست دراصل ولندیزی دور کا ورثہ تھی۔ اس کے علاوہ یہ ایک عمدہ بندر گاہ تھا اور دریائے ہڈسن کے کنارے واقع تھا جس کی وجہ سے مُلک کے اندرونی حصّوں کے ساتھ رابطہ کرنا ممکن ہو گیا تھا۔ اسی لئے شروع ہی سے اس شہر کی اہمیت مسلّم ہو چکی تھی۔

آزادی حاصل کرنے کی لگن میں ملک کے ان متفرق فرقوں نے اپنے اختلافات پسِ پشت ڈال کر کس طرح برادرانہ اشتراک عمل سے کام لیا، یہی امریکی نو آبادیاتی تاریخ کا خاص موضوع ہے۔ سب سے پہلے اُن کو باہمی مفاہمت کی ضرورت تھی۔ لیکن انقلاب سے قبل اور اس کے بہت دنوں بعد تک بھی سفر کی سہولتیں میسر نہ تھیں۔ سڑکیں اوّل تو بہت کم تھیں اور جو تھوڑی بہت تھیں، اُن کی حالت خراب و خستہ تھی۔ گاڑیوں سے چند سو میل کے سفر میں کئی ہفتے صرف ہوتے تھے۔ شمالی کیرولینا سے جنوبی کیرولینا یا جارجیا تک جانے کا سب سے آسان طریقہ بحر اوقیانوس کے کنارے کنارے سمندر کا سفر تھا۔

اس طور پر ایک دوسرے سے دور اور الگ تھلگ ہونے کے باوجود مختلف نو آبادیوں کے درمیان یگانگت اور قرب کا احساس موجود تھا، اسی جذبے اور احساس کے تحت ڈاک کی ترسیل کا سلسلہ بھی قائم کر لیا گیا۔ اور رسل و رسائل کو بہتر بنانے کے شوق میں چھاپے خانے بھی درآمد کئے گئے۔ خط و کتابت جاری ہونے اور اخباروں اور رسالوں کی اشاعت نے آہستہ آہستہ تبادلہ خیالات کے دروازے کھول دیے۔

اِس کے علاوہ نو آباد کار جو سمندر کے ساحل کے پاس تقریباً ایک ہزار میل کے رقبے میں آباد تھے۔ اُن میں شروع ہی سے بہت سی باتیں مشترک تھیں۔ اُن میں سے بیشتر انگلستان کے باشندے تھے، اُن کی سوسائٹی میں انگریزی طرز کی حکومت خود اختیاری کی بہت سی روایتوں پر عمل ہوتا تھا۔ مقدموں کے فیصلے جیوری کی رائے سے کئے جاتے تھے اور اکثر رعایتیں جو انگریزی سوسائٹی میں آزاد شہریوں کے لئے مخصوص تھیں وہ یہاں کے عوام کو بھی حاصل تھیں۔ سرکاری آمدنی سے مصارف نوآبادیوں کی قانون ساز مجلسوں کی منظوری سے کئے جاتے تھے۔ اِن اسمبلیوں کے اثر اور اختیارات کا اندازہ اِس سے کیا جاسکتا ہے کہ بارہا ایسے موقع آئے جبکہ شاہی گورنر نے اسمبلیوں کی کارروائیوں میں خلل ڈالنا چاہا تو ان مجلسوں نے اس دخل اندازی کی پاداش میں گورنر کی تنخواہ کا بل منظور کرنے سے انکار کر دیا۔

رفتہ رفتہ مختلف نوآبادیوں کے درمیان رابطے بڑھنے لگے اور مشترک مفاد کے معاملوں میں اشتراکِ عمل پیدا ہونے لگا۔ اس اتفاق اور یکجہتی کی سب سے پہلی مثال ۱۶۴۳ء میں قائم ہوئی جبکہ میسے چوسٹس، نے پلی متھ کنکٹی کٹ اور نیو ہیون کی نوآبادیوں نے آپس میں سمجھوتہ کر کے نیو انگلینڈ کنفیڈریشن کی بنیاد ڈالی۔ شرکت کے معاہدے کے مطابق ان نوآبادیوں نے "ہر جائز موقع پر انجیل مقدّس کے حقائق وحقوق کے تحفّظ، اُن کی ترویج و تبلیغ اور خود اپنی باہمی مدافعت وبہبودی کی خاطر دفاع و اقدام اور مشاورت و امداد کرنے کی غرض سے ایک مستحکم اور دوامی مفاہمت و رفاقت کے جذبے کے تحت" اس اتحاد میں شرکت کی تھی۔ معاہدہ ہونے کے سالہا سال بعد تک نیو انگلینڈ کنفیڈریشن کی کونسل کے جلسے منعقد ہوتے رہے، لیکن آخر کار میسے چوسٹس، نے اور پلی متھ

متحد ہو گئے اور ان علاقوں کی ایک نوآبادی بن گئی اور کنکٹی کٹ اور نیو ہیون ملحق ہو گئے اور ان علاقوں کی ایک دوسری نوآبادی بن گئی۔

تجارت کو ترقی دینے کے لئے ورجینیا، میسے چوسٹس اور نیویارک کے ایجنٹوں نے باہمی مفاد کی ایک اور جماعت کو فروغ دیا۔ گو اپنے اغراض و مقاصد میں اس جماعت کو کامیابی نہ ہو سکی لیکن اس کی کوششوں کی وجہ سے آئندہ کے لئے نوآبادیوں کے درمیان اتحاد و اتفاق کی ایک نظیر قائم ہو گئی۔

برطانوی امریکہ کو متحد کرنے کی سب سے بڑی وجہ وہ زبردست کشمکش تھی جو امریکہ کے برِ اعظم پر قابض ہونے کی غرض سے دُنیا کی سامراجی قوتوں کے درمیان جاری تھی۔ سنہ ۱۶۹۰ء سے قبل برطانوی نوآبادکاروں نے نئی دنیا میں پھیلے ہوئے فرانسیسی اور ہسپانوی مقبوضات کی طرف کوئی توجہ نہ کی تھی۔ ملک گیری کے معاملے میں جب ان طاقتوں نے انگلستان پر سبقت حاصل کرنے کی جان توڑ کوشش شروع کر دی تو خود امریکی نوآبادیوں کو ان طاقتوں کی طرف سے اندیشہ پیدا ہو گیا۔ نوآبادیوں کی سرحدوں پر اکثر دشمنوں کے اچانک حملے ہو جایا کرتے تھے، فرانسیسی اور ہسپانوی مقبوضات سے تنخواہ پانے والے انڈین قبیلے ان پر یورش کرتے تھے اور پھر سمندر کا پورا ساحلی علاقہ فاتح قوموں کی زد میں تھا۔ صورت حال نے عوام کو خطرے کا احساس دلایا اور اپنی مدافعت کے لئے متحد ہو جانے پر آمادہ کیا۔

سنہ ۱۶۸۹ء کے دوران نئی دُنیا میں فرانسیسی سلطنت کنیڈا کئی بڑے بڑے علاقوں میں، دریائے مسی سی پی میں اور موجودہ ریاستہائے متحدہ کے اُس پورے وسطی علاقے میں پھیلی ہوئی تھی جو اب وسطی مغرب کہلاتا ہے۔ اِس سلطنت کی حدیں مشرق میں ایلیگھینی پہاڑوں سے شروع ہو کر مغرب میں کوہ راکیز تک اور شمال میں کنیڈا سے شروع ہو کر جنوب میں خلیج میکسیکو تک پہنچتی

تھیں - ان مقبوضات کا رقبہ برطانوی مقبوضات سے جو بحر اوقیانوس کے ساحل کے کنارے ایلنیگھینی پہاڑوں سے مشرق کی طرف ایک تنگ سی پٹی کی شکل میں محدود تھا کئی گنا زیادہ تھا۔

اس علاقے پر فرانس کی ملکیت کے دعوے کا دارومدار ان دریافت و جستجو کی مہموں پر تھا جو بعض من چلے فرانسیسی پادریوں اور اُمراؤ نے وقتاً فوقتاً سر کی تھیں - ان لوگوں میں سب سے زیادہ شہرت ادینے رابرٹ کیولیر، سیسر ڈی لاسیل کو نصیب ہوئی ۱۶۸۲ء میں گریٹ لیکس سے روانہ ہو کر لاسیل نے دریائے مسی سی پی کو دریافت کیا اور اس دریا کی پوری لمبائی طے کر کے خلیج میکسیکو تک پہونچ گیا۔ اس طرح شمال سے جنوب تک اس نے اس پورے ملک کا سفر کر لیا - دریائے مسی سی پی کے دہانے پر اس نے فرانس کا دودھیا پرچم نصب کیا اور اپنے بادشاہ لوئی چہاردہم کے حق میں اس پورے علاقے کی ملکیت کا دعویدار ہوا جس پر اس نے سفر کیا تھا اور بادشاہ کے اعزاز میں اس علاقے کا نام لوئزانا رکھا۔

نئی دُنیا میں فرانسیسی سلطنت کے لمبے چوڑے خطّے کے باوجود اس میں آباد ہونے والوں کی تعداد کل اٹھارہ ہزار افراد پر مشتمل تھی۔ اس کے مقابلے میں

مشرق کی طرف برطانوی نوآبادیاتی علاقوں کی آبادی تقریباً دو لاکھ تک پہونچ چکی تھی۔ تعداد کی یہ کمی اس طرح پوری ہو جاتی تھی کہ فرانسیسی نوآبادکار انڈین باشندوں کو اپنا حلیف بنا لینے کی اہلیت رکھتے تھے - فرانسیسی لوگ انڈین باشندوں کے ساتھ بھائیوں جیسا سلوک کرتے تھے، چنانچہ فرانسیسی آبادکاروں اور انڈین قبیلوں میں شادی بیاہ بھی ہو جایا کرتے تھے - یہی وجہ ہوئی کہ انڈین قبیلے فرانسیسیوں

کے حامی اور حلیف بن گئے۔ اس کے برخلاف انگریز نو آباد کار نئی دُنیا کے بدلے ہوئے حالات کو آسانی سے اپنا نہ سکے۔

امریکی براعظم پر قابض ہونے کی کشمکش جو ایک صدی کی تین چوتھائی تک وقتاً فوقتاً مختلف یورپین قوموں کے درمیان جاری رہی ۱۶۸۹ء میں شروع ہوئی تھی جبکہ رومن کیتھولک فرانس اور پروٹسٹنٹ انگلستان کے درمیان لڑائی چھڑی جو "شاہ ولیم" کی جنگ کے نام سے مشہور ہے۔ اِس جنگ کے شعلے پھیل کر جلد ہی امریکہ تک پہنچ گئے اور انگریز آباد کار ایک ایسی جنگ کی لپیٹ میں آ گئے جس کے نتیجے پر اُن کی زندگی اور موت کا انحصار تھا۔

مغرب میں کوہ ایلیگھنی کے پہاڑی سلسلوں کے درمیان ایک درے سے نیویارک کی نو آبادی شروع ہوئی تھی جو گریٹ لیکس اور شمال میں کنیڈا کی سرحد تک پھیلی ہوئی تھی۔ فرانسیسیوں نے سوچا کہ اگر یہ نو آبادی انگریزوں سے چھین لی جائے تو امریکہ میں برطانوی مقبوضات کے دو ٹکڑے ہو کر رہ جائیں گے۔ اگر نیویارک سے فرانسیسی افواج بحر اوقیانوس کے کنارے کنارے شمال اور جنوب کی طرف فاتحانہ اقدام کریں تو نئی دُنیا میں انگلستان کے قبضہ و اقتدار کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو جائے گا۔

اِس منصوبے کے تحت کنیڈا کے فرانسیسی گورنر، کاؤنٹ فرانٹینک نے فرانسیسی فوجوں کو کنیڈا کی سرحد کے جنوب میں نیویارک اور اس کے پاس کی نیو انگلینڈ کی نو آبادیوں پر زبردست حملے کرنے کا حکم دیا۔ فرانسیسیوں اور اُنکے حلیف انڈین قبیلوں نے نیویارک میں شنیک ٹیڈی اور نیو ہیمپ میں ڈوور کے مقام پر سخت یلغاریں کیں اور نہایت چابکدستی سے متعدد خونریز یورشیں کر کے ان شہروں کو بالکل تہس نہس کر ڈالا۔

لیکن ۱۶۹۷ء میں شاہ ولیم کی جنگ ہار جیت کا فیصلہ ہوئے بغیر ختم ہوگئی۔ اس جنگ کے بعد ۱۷۰۱ء میں ہسپانوی تخت کی جانشینی کی لڑائی چھڑ گئی۔ یہ قضیہ یوں شروع ہوا کہ فرانس کے بادشاہ لوئی چہاردہم نے اسپین کے تخت پر ملکیت کا دعویٰ کیا اور اپنے پوتے کو تخت نشین کرادیا۔ اس اقدام سے اس کی غایت یہ تھی کہ رومن کیتھولک فرانس اور اسپین متحد ہوکر پروٹسٹنٹ انگلستان کو نیچا دکھانے میں کامیاب ہوجائیں گے۔

لیکن انگلستان اس جنگ کے لئے پہلے ہی کیل کانٹے سے دُرست ہوچکا تھا۔ اور یورپ کے کئی جنگی میدانوں میں فرانسیسیوں کو ڈیوک آف مار برد کے ہاتھوں سخت ہزیمتیں اُٹھانی پڑیں۔ لڑائی کی چنگاریاں امریکہ کی سرزمین تک پہنچیں۔ انڈین قبیلوں نے شمالی اور جنوبی کیرولینا اور نیو انگلینڈ کی نوآبادیوں پر کامیاب حملے کئے۔ لیکن ۱۷۱۳ء میں معاہدہ یوٹریچٹ کے ماتحت فرانس کو نیوفاؤنڈلینڈ اور دوسرے اہم علاقے فتح مند انگلستان کے حوالے کرنے پڑے۔

۴۸-۱۷۴۴ء کے درمیان شاہ جارج کی جنگ کے دوران بین الاقوامی لڑائی جھگڑوں کا اثر ایک بار پھر امریکہ پر پڑا اس کشت وخون میں نوآبادیاتی فوجوں نے بہت اہم کردار ادا کیا۔

گزشتہ لڑائیوں میں انگریزوں نے نوآبادیاتی افواج کی صرف کبھی کبھار بھرتی کی تھی۔ اِن فوجوں نے برطانوی بحری بیڑے کی مدد سے بعض چھوٹے چھوٹے معرکوں میں حصہ لیا تھا۔ آپس کا تعاون نہ ہونے کی وجہ سے یہ معرکے کچھ کامیاب بھی نہ ہوسکے تھے لیکن شاہ جارج کی جنگ میں مین کے کرنل ولیم پیپریل اور چار ہزار نوآبادیاتی سپاہ نے بڑی جرأت کے ساتھ لوئز بورگ کے مضبوط قلعہ پر قبضہ کرلیا۔ یہ قلعہ دریائے سینٹ لارنس کے دہانے کی حفاظت کے لئے جزیرہ

کیپ برٹن پر قائم کیا گیا تھا۔ یہ سپاہ نیو انگلینڈ کی قانون ساز مجلسوں کی منظوری سے بھرتی کی گئی تھی اور یہ معرکہ اس نے ایک برطانوی بحری دستے کی امداد سے سَر کیا تھا اس بحری دستے کی سپاہ سالار کموڈور وارن تھا۔ اس فرانسیسی قلعہ کی محاصرہ بندی میں امریکی افواج نے زبردست شجاعت اور عزم و استقلال کا ثبوت دے کر اپنا نام روشن کیا۔ اس کارگزاری پر نیو انگلینڈ کی آبادی کو بھی بڑا فخر محسوس ہوا۔

لیکن لڑائی ختم ہونے پر صلح کے معاہدے کے تحت لوئز بورگ فرانس کو واپس کر دیا گیا۔ یہ اقدام نو آبادیاتی باشندوں کے لئے سخت غم و غصہ کا سبب بنا۔ انگلستان نے نہایت خلوص کے ساتھ ازالے کے طور پر اس معرکے کے تمام اخراجات نو آبادیوں کو ادا کر دیئے۔ لیکن اس سے نو آبادکاروں کی اشک شوئی نہ ہوئی اور انگلستان سے اُن کی آزردگی بدستور قائم رہی۔

اب نئی دُنیا پر قابض ہونے کے لئے فرانس اور انگلستان کے درمیان قطعی اور آخری رزم و کارزار کا وقت آ پہونچا تھا۔

یہ زبردست لڑائی تاریخ میں ہفت سالہ جنگ یا "فرانسیسی اور ریڈ انڈین" جنگ کے نام سے موسوم ہوئی اور ۱۷۵۶ء اور ۱۷۶۳ء کے درمیان جاری رہی۔

نہ صرف شمالی امریکہ بلکہ تمام دُنیا اس زبردست جنگ کا اکھاڑہ بنا۔ اس جنگ کے معرکوں سے دراصل بحر کریبین اور ہندوستان جیسے دور دراز علاقوں پر قبضہ و تصرّف کے متعلق دونوں ملکوں کی سامراجی ہوس اور آرزوئیں وابستہ تھیں۔ دونوں حریف ممالک اب اس پر تلے ہوئے تھے کہ اِن نت نئے ملکوں کو زیر کر کے ان کی دولت پر قبضہ کریں، یہاں نو آبادیاں بنائیں اور اپنے مال کے نکاس کے لئے نئی منڈیاں قائم کریں۔

انگلستان اچھی طرح جانتا تھا کہ اس زبردست مقابلے میں اسکے

پورے وسائل پر سخت بار پڑے گا۔ لہٰذا ہر وہ اعانت جو برطانوی سلطنت کے مختلف حصّوں سے مل سکے گی۔ اس کی بدولت مقابلے میں فرانس سے اس کا پلہ بھاری رکھنے میں مفید ثابت ہو گی۔ چنانچہ ۱۷۵۴ء میں امریکی نوآبادیوں کو موقعہ دیا گیا کہ وہ متحد ہو کر اپنی پوری قوت یکجا اور مستحکم کر لیں۔ اس غرض سے نیو یارک میں ایلبنی کے مقام پر ایک عام مجلس منعقد کی گئی۔

اس مجلس میں امریکہ کے بعض سب سے ممتاز مدبرین شریک ہوئے۔ پنسلوینیا کی نمائندگی بنجمن فرینکلین نے کی، رہوڈ آئی لینڈ کی اسٹیفن ہاپکنس نے اِن ذہین اور بے لاگ مدبروں نے اپنی دانشمندانہ غور و فکر سے اُن خطروں کی مدافعت کے مؤثر طریقے دریافت کرنے کی کوشش کی جو نوآبادیوں کو فرانس اور انڈین قبیلوں کے آمادۂ جنگ ہونے سے لاحق ہو گئے تھے۔ استدلالی مباحثہ کے دوران امریکہ میں برطانیہ کے نوآبادیاتی نظام کے مستقبل کے پورے مسئلے پر بھی غور و خوض کیا گیا۔

فرینکلن نے الحاق و اتحاد کے متعلق ایک نہایت مدلّل اور دلچسپ منصوبہ پیش کیا۔ اس میں یہ تجویز بھی شامل تھی کہ نوآبادیاتی قانون ساز مجلسوں کی انتخاب کی ہوئی اڑتالیس ممبروں پر مشتمل ایک عام کونسل مقرر کی جائے۔ اس کونسل میں ہر نوآبادی کی نمائندگی کا دار و مدار اس نوآبادی کی آبادی قدرتی وسائل اور مادی دولت پر ہو۔ نوآبادیاتی افواج کی فراہمی اور اس کی اسلحہ بندی ٹیکس عائد کرنے اور اُن کی وصولی کے اختیارات اور تمام پبلک معاملات کی دیکھ بھال اس کونسل کے فرائض میں شامل ہو۔ اس کی سرکردگی ایک پریسیڈنٹ جنرل کے سپرد ہو جس کا تقرر شاہِ انگلستان کرے۔ پریسیڈنٹ جنرل کو قانون سازی پر احکام صادر کرنے اور کونسل کے مشورے سے فوجی کمانڈروں کی تعیناتی اور تقرر کا اختیار

حاصل ہو۔

قابلِ عمل ہونے کے باوجود فرینکلن کا یہ منصوبہ مسترد کر دیا گیا۔ نوآبادیوں کے گورنروں اور قانون ساز اسمبلیوں نے اِس بنا پر اس منصوبے کی مخالفت کی کہ اس کے تحت مقامی حکومت کے بہت کچھ اختیارات سلب ہو کر جنرل کونسل کے ہاتھوں میں مرکوز ہو جائینگے۔ برطانوی حکومت کو بھی اِس منصوبے سے یہ اندیشہ پیدا ہوا کہ نوآبادیوں کے معاملات میں خود نوآبادیوں کا زیادہ دخل ہو جائے گا جسکو زمانے کے حالات کے پیشِ نظر برطانوی حکومت مناسب ومحفوظ نہیں خیال کرتی تھی۔

اس وقت ناکام رہنے کے باوجود ایلبنی کے منصوبے کو امریکی تاریخ میں بڑی اہمیت حاصل ہے کیونکہ اسی منصوبے کی بدولت نوآبادکاروں کو اتحاد والحاق کے نظریے سے روشناسی حاصل ہوئی۔ اِس نظریے نے بعد میں عملی جامہ پہنکر کانٹینینٹل کانگریس کی شکل اختیار کی اور یہی ادارہ تھا جو آزادی کے ابتدائی دور میں امریکہ کی حکومت کا ذمہ دار رہا۔

منصوبے کے اس طور پر مسترد ہو جانے کے بعد ہر نوآبادی کو انفرادی طور پر یہ آزادی حاصل تھی کہ اس فرانسیسی انڈین جنگ میں خواہ وہ تندہی کے ساتھ انگلستان سے تعاون کرے۔ یا اس میں ڈھیل ڈالے۔ اوہیو کی وادی میں کوہ ایلیگھینی کے عین مغرب کی طرف انگریزوں اور فرانسیسیوں کے درمیان چھیڑ چھاڑ ہو چکی تھی۔

انگلستان اور فرانس دونوں کے لئے اِس علاقے کی ملکیت بڑی سالمیت حاصل کر چکی تھی۔ کیونکہ اس علاقے پر قابض ہو جانے کی صورت میں انگلستان یہ توقع کر سکتا تھا کہ اس کا نوآبادیاتی تصرف کوہ ایلیگھینی پار کر کے کبھی نہ کبھی پورے براعظم پر پھیل جائے گا۔ فرانس کا بھی یہ خیال تھا کہ اگر وہ اس علاقے پر

قابض ہو جائے تو انگریزی اقتدار صرف انگریزوں کے ساحلی مقبوضات تک محدود رہے گا۔ اور فرانس کو اس کا موقعہ مل جائے گا کہ وافر قوت حاصل کر لینے کے بعد وہ نئی دنیا میں انگلستان کے اقتدار کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر دے۔

دریائے اوہیو اور اس کے معاون دریاؤں کے کنارے فرانسیسی جب قلعہ بندیوں کا ایک سلسلہ قائم کرنے لگے تو ورجینیا کے گورنر ڈینوڈی نے اپنی رضاکار فوج کے ایک اکیس ۲۱ سالہ نوجوان میجر جارج واشنگٹن کو فرانسیسیوں کے پاس بھیجا اور تنبیہہ کی وہ اس علاقہ سے دور رہیں، کیونکہ یہ "واضح طور پر برطانوی تاج کی ملکیت ہے اور ہر کس وناکس کو اس ملکیت کا علم ہے" اس طور پر امریکی تاریخ میں جارج واشنگٹن کے نام کا پہلے پہل تذکرہ آتا ہے۔ جب فرانسیسیوں نے جارج واشنگٹن کی تنبیہہ کی پرواہ نہ کی تو برطانوی مقبوضات پر اقتدار برقرار رکھنے کے لئے اس نے فورٹ نیسیسیٹی قائم کیا اور اس کی حفاظت کے لئے ایک مسلح دستہ فراہم کیا۔ لیکن اس قلعے کی مدافعت کے لئے اس کی قوت ناکافی تھی۔ اور جب فرانسیسیوں نے ایک بڑی جمعیت کے ساتھ اس قلعہ پر حملہ کیا تو جارج واشنگٹن کو ہتھیار ڈالنے پڑے۔

اس شکست سے جھنجھلا کر ۱۷۵۵ء میں فوجی نقطۂ نظر سے اہم قلعہ ڈکویسن سے فرانسیسیوں کو نکال باہر کرنے کے لئے برطانیہ نے جنرل بریڈک کے زیر کمان اپنی دو بڑی کڑی رجمنٹیں بھیجیں۔ جنرل بریڈک نے واشنگٹن کے مشورے کو بالکل نظرانداز کر کے اور یورپین طرز جنگ کے مطابق اپنی فوجوں کو گھتی ہوئی قطاروں میں جا کر فرانسیسیوں پر حملہ کیا۔ مقابلہ کرنے والے فرانسیسی اور انڈین دستے پیڑوں کی آڑ میں محفوظ مقامات سے اس حملہ کا جواب دیتے رہے

اور برطانوی فوج کے سرخ پوش سپاہی ان کے قدر انداز نشانہ بازوں کی گولیو کا آسانی سے شکار بنتے رہے۔ واشنگٹن نے اپنی جانبازی سے شکست کا سیلاب روکنے کی جان توڑ کوشش کی لیکن اس کے باوجود بریڈک کو پسپائی نصیب ہوئی اور وہ خود اور اس کی فوج کے تقریباً ایک ہزار آدمی اس مقابلے میں کھیت رہے۔ اس لڑائی میں واشنگٹن کی وردی دشمن کی گولیوں سے چھلنی ہو کر رہ گئی تھی اور یکے بعد دیگرے اس کے دو گھوڑے اس کی رانوں تلے گولی سے ہلاک ہو گئے تھے۔

اس کے بعد بڑی حد تک انگریزوں اور نوآبادکاروں کے درمیان عدم تعاون کی وجہ سے دوسرے معرکوں میں بھی فرانسیسیوں کو کامرانی نصیب ہوئی۔ نوآبادیاتی قانون ساز مجلسوں میں بیشتر نے جنگ کے لئے کچھ نہ کچھ فوجیں ضرور فراہم کیں، لیکن اُن کے استعمال اور اُن کی قیادت کے معاملے میں اپنی رائے منوانے پر ضد کی۔ اِدھر انگریزوں کا یہ رویہ تھا کہ اُن کے جنرل نوآبادیاتی سپاہیوں کو اپنے سپاہیوں سے گھٹیا سمجھتے تھے اور اُن سے حقارت کا برتاؤ کرتے تھے۔

اس بدبختی کے دور میں انگلستان کو آخر کار ایک بیدار مغز لیڈر مل گیا۔ یہ ولیم پٹ تھا جو انگلستان کا ممتاز ترین وزیر جنگ ثابت ہوا۔ ۱۷۵۸ء میں وزیر جنگ کے عہدے پر فائز ہوتے ہی اس نے اپنی قابلیت، عزم، جوش اور حوصلے سے برطانوی اور نوآبادیاتی افواج میں ایک نئی روح پھونک دی۔ یہ سپاہ نہایت جوش و خروش سے شمال میں بڑھتی ہوئی گریٹ لیکس کے ساحل اور کنیڈا کی سرحد تک پہونچ گئی۔ اس اقدام میں متعدد فرانسیسی مقبوضات زیر ہوتے چلے گئے۔ قلعہ کوسن پر بھی ان افواج کا قبضہ ہو گیا۔ اور برطانوی لیڈر کے اعزاز میں اس کا نام بدل کر پٹس برگ رکھ دیا گیا۔

آخر کار کنیڈا یعنی خود نئے فرانس پر حملے کی نوبت آگئی ۔ ۱۷۵۹ء میں کیوبک کے مقام پر فیصلہ کن مقابلہ ہوا۔ جنرل ذولف نے فرانسیسی کمانڈر مارکوئس مونٹ کام کے مورچے پر صبح ہوتے ہوتے اچانک ایک زبردست اور کامیاب چھاپہ مارا۔ اِس شاندار فتح سے نئی دنیا میں فرانس کی کمر ٹوٹ کر رہ گئی اور آئندہ چار سال کے عرصے میں برطانیہ نے آہستہ آہستہ تمام فرانسیسی مقبوضات سمیٹ کر اپنے قبضہ میں کر لئے۔

دُنیا بھر میں برطانوی طاقت فرانسیسیوں کو زیر کرتی چلی گئی۔ اسپین نے جب فرانس کی اعانت میں قدم آگے بڑھائے تو برطانیہ نے ویسٹ انڈیز میں اسپین کے علاقوں کو چھین لیا اور کیوبا میں ہوانا اور فلیپینس منیلا پر بھی قبضہ کر لیا۔ اس کے علاوہ ہندوستان میں بھی انگریزوں کو فرانس کے مقابلے میں مکمل فتح یابی نصیب ہوئی۔

اقرار نامہ پیرس کی رو سے ۱۷۶۳ء میں فرانس کو پورا کنیڈا اور نیو آرلینز کے علاوہ دریائے مسی سیپی کے مشرق کا وسیع علاقہ انگلستان کے حوالے کرنا پڑا۔ نیو آرلینز اسپین کی ملکیت میں دے دیا گیا۔ اسپین کے حق میں فرانس کو دریائے مسی سیپی کے مغرب میں اس علاقے سے بھی دستبردار ہونا پڑا جس کا پہلے وہ دعویدار تھا۔ اقرار نامے کی رُو سے فرانس کو نیو فاؤنڈ لینڈ کے ساحل کے پاس اپنے ماہی گیر بیڑے کے لئے صرف دو چھوٹے چھوٹے غیر قلعہ بند جزیروں پر قابض رہنے کی اجازت دی گئی۔ یہ جزیرے آج بھی فرانس ہی کی ملکیت ہیں۔

ہفت سالہ جنگ نے نئی دُنیا میں فرانس کے اقتدار کا خاتمہ کر دیا۔ اب اسپین ہی یہاں انگلستان کا واحد حریف باقی رہ گیا تھا۔ لیکن اس وقت اِس پورے علاقے میں جواب ریاستہائے متحدہ پر مشتمل ہے کہیں بھی پوری طرح

اسپین کا اثر یا اقتدار نہیں تھا۔ اسپین دراصل میکسیکو اور جنوبی امریکہ میں اپنی سلطنت کو وسعت دینا چاہتا تھا۔

امریکہ کے نوآبادکاروں کے لئے فرانس کی شکست کئی طرح پر بڑی اہم ثابت ہوئی جنگ میں حصہ لینے کی وجہ سے مختلف نوآبادیوں کو فوجوں اور رسد کے اہتمام کی بدولت ایک مشترکہ مقصد کی خاطر آپس میں متحد ہونے کا بہت کچھ تجربہ ہوگیا۔ حالانکہ خودمختار تیرہ[۱۳] نوآبادیوں کا وفاق ابھی تک نہیں ہو پایا تھا۔ لیکن اس نصب العین کے حصول میں ایک اہم قدم ضرور اُٹھا لیا گیا تھا۔

اِس جنگ کا ایک اور فائدہ یہ ہوا کہ نوآبادیوں کو اپنی قوت کا احساس ہوگیا۔ اور اس طرح اس میں خوداعتمادی پیدا ہونے لگی۔ برطانوی فوجی اگرامریکی سپاہ کو بے ڈھنگا اور بے ہنگم سمجھ کر اُن کا مذاق اُڑاتے تھے پھر بھی اسکو کون جھٹلا سکتا تھا کہ نوآبادیاتی تربیت یافتہ رضاکاروں نے برطانوی سپاہیوں کے دوش بدوش بیسیوں معرکوں میں شجاعت دی تھی اور بہادری اور ہمت کے معاملے میں وہ کسی طرح برطانوی سپاہیوں سے کمتر نہیں ثابت ہوئے تھے۔ پھر جارج واشنگٹن اُن تمام لڑنے والوں سے کہیں بہتر تھا جو برطانوی حکومت کے بھیجے ہوئے اب تک امریکہ میں آئے تھے۔

اِس جنگ نے نوآبادکاروں پر کوہ ایلگھینی کے مغرب میں پورے برّاعظم کے دروازے کھول دئے۔ ہزاروں میل کا علاقہ اب اُن کے سامنے تھا جہاں اب وہ امریکہ کی آزادی اور اس کے ہر فرد کے لئے مساوی مواقع کے خوابوں کی تعبیر تلاش کر سکتے تھے۔

تیسرا باب

امریکی انقلاب

امریکی انقلاب کی وجوہات کے بارے میں اب تک بہت کچھ لکھا جا چکا ہے کہ کس طرح شاہ جارج سوم اور اس کی پارلیمنٹ نے اپنی نوآبادیوں کی ان کی آزادی کے حقوق سے محروم کر دیا تھا، حکومت میں کسی قسم کی بھی نمائندگی دیئے بغیر ان پر بھاری ٹیکس عائد کر دیئے گئے تھے، ان کے علاقوں میں فوجیں تعینات کر دی گئی تھیں اور اس طرح آخر کار ان کو بغاوت کرنے پر مجبور کر دیا گیا تھا۔

مندرجہ بالا واقعات اس انقلاب کے صرف ظاہری اسباب تھے۔ دراصل اسکے پس پردہ کچھ اور بنیادی وجوہات اس انقلاب کی بانی تھیں اور غالباً ان میں سے سب سے زیادہ اہم ان نظریات کا تصادم تھا جن کے تحت برطانوی سلطنت کی ماہیت اور برطانوی نوآبادیوں سے اس کے آئینی تعلق کی تشریح کی گئی تھی۔

امریکی باشندوں کی رائے میں پوری تیرہ نوآبادیاں برطانوی سلطنت کے دائرے میں رہتے ہوئے آزاد اور خود مختار علاقے تھے اور یہ ریاستی علاقے اپنے بادشاہ کے اتنے ہی وفادار تھے جس طرح موجودہ دور میں آسٹریلیا اور کناڈا ہیں۔ ان نوآبادریاستوں میں رہنے والے باشندے سب برطانوی تھے اور وہ سب انہیں مساوی حقوق کے حقدار تھے جو برطانوی باشندوں نے میگنا چارٹا کے وقت سے مسلسل جدوجہد کرکے حاصل کئے تھے۔ امریکی باشندے ان شاہی گورنروں کی موجودگی کو جوان کی اسمبلیوں کی صدارت کرنے کی خاطر تعینات کئے جاتے تھے صرف اسی وقت تک قبول کرنے کو تیار تھے جب تک وہ گورنر ان اسمبلیوں کی خواہشات کے

مطابق عمل پیرا ہوتے رہیں اور ان کی مرضی پر چلتے رہیں۔ عام طور سے ہوتا بھی یہی تھا کیونکہ ان گورنروں کو اپنی تنخواہوں کے سلسلے میں نوآبادیوں پر مکمل طور سے انحصار کرنا پڑتا تھا۔ انہیں قطعی طور پر یقین تھا کہ مقامی جھگڑوں میں مشغول بادشاہ کی طرف سے ان کو مدد ملنے کی کوئی اُمید نہیں ہے۔ چنانچہ ان کے اصول لچکدار ہوتے تھے اور وہ عام طور سے حالات کے مطابق اپنے کو تبدیل کر لیتے تھے۔

جیمز ٹاؤن کے دور حکومت کے ابتدائی ایام سے ہی نوآبادی ریاستوں کی حیثیت سے متعلق برطانوی حکومت کا نقطہ نظر تبدیل ہو گیا تھا۔ اب ان کو مکمل خود مختار حکومت قائم کرنیکا اختیار نہیں تھا اور ان کے عوام کے حقوق جزائر برطانیہ کے وفادار عوام کے حقوق کے مساوی نہیں رہے تھے۔ ان ریاستوں کی حیثیت ثانوی بن چکی تھی اور ان کا اوّلین مقصد اپنی منڈیوں میں برطانوی مصنوعات کی کھپت کرنا، برطانوی کارخانوں کے لئے خام مال فراہم کرنا اور اس طرح برطانوی حکومت کے مفادات کی نگہداشت کرنا رہ گیا تھا۔ پچھلے اکیسویں پچاس برس کے عرصہ میں جنگ اور فسادات کے لامتناہی سلسلوں میں گرفتار رہنے کے باعث برطانوی قوم کے لئے یہ امر سخت وقت طلب تھا کہ وہ ان ریاستوں پر سختی کے ساتھ حکومت کرے اور ان کی ساری دولت سمیٹ کر اپنے ملک میں لے آئے۔ لیکن اب ۱۷۶۳ء میں جبکہ فرانس اور اسپین اقتدار قائم کرنیکی جدوجہد میں شکست کھا کر پیچھے ہٹ گئے تھے، برطانیہ کی شاہی حکومت کے لئے یہ نادر موقع تھا کہ شاہی اختیارات سے کام لیکر وہ ان نوآبادی ریاستوں پر اپنی گرفت مضبوط کریں اور اپنے اختیار کا سکّہ چلائیں۔

جہاز رانی کے قوانین کو عملی جامہ پہنانے کے لئے بھی یہی بہترین وقت تھا جس کے ذریعہ امریکہ کے تجارتی مفادات کو مادر وطن کے وسیع مفادات کے حق میں قربان کر کے اسکے تابع کرنا تھا۔ ریاستوں پر مزید نئے ٹیکس عائد کر کے اس برطانوی خزانے کو پُر کرنیکا بھی یہی مناسب موقع تھا جو مسلسل جنگوں کے دباؤ کے باعث بالکل خالی ہو چکا تھا۔

برطانیہ اور امریکہ کی اس جدوجہد میں کون حق پر تھا اور کون زیادتی پر؟ اس امر کا جواب نہیں دیا جا سکتا۔ اہلِ امریکہ کی رائے میں برطانوی سلطنت وفادار، آزاد اور خود مختار نوآبادریاستوں کے وفاق پر مشتمل ہونا چاہئے تھی۔ اس کے برعکس برطانیہ ایک مضبوط مرکزی حکومت کے نظریہ پر یقین رکھتا تھا۔ دونوں گروہ اپنے اپنے ذاتی مفادات کے تحت عمل کر رہے تھے اور مختلف اندازِ فکر کے باعث پیدا ہونے والے نتائج کے بارے میں دونوں کو ایک دوسرے کی طرف سے غلط فہمی تھی۔ اس قسم کے حالات میں جیسا کہ عموماً ہوتا ہے دونوں گروہوں کے جلد باز اور انتہا پسند افراد نے ان متضاد نظریوں کے ٹکراؤ کے ردِّ عمل کے طور پر جو فضا پیدا کر دی اس کا لازمی نتیجہ ایک آخری اور فیصلہ کن جنگ کی شکل میں جلد ہی سامنے آگیا۔

جنگِ آزادی میں امریکہ کی فتح کے بعد سے برطانوی حکومت نے اُنہیں نظریات کو اپنایا جو اس سے قبل خود امریکی پیش کر رہے تھے۔ آزاد ریاستوں کی برطانوی دولت مشترکہ ان بیشتر اصولوں پر مبنی تھی جنھیں بنجمن فرینکلن اُسوقت برطانوی حکومت سے منظور کروانے کی کوشش میں ناکام رہا تھا جب ۱۷۶۶ء میں اپنے غیر مطمئن نوآباد ریاستوں کے نمائندے کی حیثیت سے لندن کا دورہ کیا تھا۔

اِس حقیقت کا اندازہ 'شکر' اور 'راب' کے قانون سے ہوتا ہے کہ برطانوی حکومت اپنی پوری سلطنت کو آزاد اور خود مختار چھوٹی چھوٹی ریاستوں کے وفاق کے بجائے کس حد تک تاجِ برطانیہ کے تابع سمجھتی تھی۔ اس قانون کے ذریعہ امریکی تجارت پر پابندیاں عائد کر دی گئی تھیں۔ اُس زمانے میں خاص طور سے نیو انگلینڈ ایک کامیاب تجارتی دور سے گزر رہا تھا۔ وہ فرانسیسی جزائر غرب الہند سے راب درآمد کرتا، اس سے شراب بناتا اور پھر اس شراب کو برآمد کرتا اور اس طرح کافی زرِ مبادلہ کماتا۔ اس تجارت میں نیو انگلینڈ نے ان برطانوی جزائر کو ایک سرے سے نظر انداز کر دیا تھا جو اس کی شراب کی اتنی

زیادہ قیمت نہیں دے سکتے تھے۔ جزائر غرب الہند کے برطانوی کاشتکاروں کی اس شکایت پر کہ ان کی تجارت کو شدید نقصان پہونچ رہا ہے۔ برطانوی پارلیمنٹ نے نیو انگلینڈ کو اس بات پر مجبور کیا کہ وہ فرانسیسی جزائر کے بجائے برطانوی جزائر سے تجارت کریں اور اسطرح اپنی قوم کے مفادات کی حفاظت کریں۔ چنانچہ مطلوبہ نتائج حاصل کرنے کے لئے فرانسیسی جزائر سے امریکہ درآمد ہونے والی اشیاء پر زبردست محصول عائد کر دیا گیا۔

مغربی علاقوں کو اپنی قلمرو میں شامل کرتے ہی برطانیہ کو ایک اور نئے مسئلہ سے دوچار ہونا پڑا جس کے باعث وہ امریکہ پر اپنی گرفت مزید سخت کرنے پر مجبور ہو گیا اور اس طرح اُس نے موجودہ تلخیوں اور مزاحمت میں اور اضافہ کر دیا۔ نئے مفتوحہ علاقوں کے باشندے شکست خوردہ فرانسیسی اور انکے حلیف انڈین پر مشتمل تھے جن کے دلوں میں اپنے نئے آقاؤں کیلئے کوئی جگہ نہیں تھی۔ فرانسیسیوں کے اکسانے پر کہ جلد ہی انکو اپنے علاقوں سے نکال باہر کر دیا جائیگا۔ انڈین باشندوں نے اپنے قابل لیڈر چیف پانٹیاک کی قیادت میں برطانیہ کے خلاف مسلح بغاوت کر دی اور متعدد برطانوی قلعوں پر قبضہ کر لیا۔

ظاہر ہے کہ ان حالات میں مشرقی علاقوں کی طرح مغربی علاقے میں حکومت خود اختیاری کے اصولوں پر عمل نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اس کے برعکس وہاں کثیر تعداد میں مسلح فوج، اور ایلیگھینیز اور اس کے آگے کے علاقوں کے مخالف عوام کو قابو میں رکھنے کیلئے سخت قوانین کی ضرورت تھی۔

چنانچہ شاہ جارج سوم اور اس کے وزراء نے مغربی علاقوں کا انتظام براہ راست اپنے ہاتھ میں لے لیا اور تارکان وطن کو اس علاقے میں کالونیاں بنانے کی ممانعت کر دی۔ وہ آبادکار جو پہلے ہی ایلیگھینیز کو پار کر کے مغربی علاقوں میں بس گئے تھے ان کو مشرقی علاقے میں واپس آنیکا حکم دیدیا گیا۔ بادشاہ نے یہ بھی اعلان کر دیا کہ مقامی انڈین باشندے آئندہ سے مغربی علاقے کی زمینیں براہ راست شاہی حکومت کے ہاتھ فروخت کرینگے۔ ساتھ ہی

حکومت نے قیمتی سمور کی تجارت پر کنٹرول کرنے کے لئے اپنے نمائندے مقرر کر دئے۔ چنانچہ مایوس امریکیوں کی طرف سے جنھیں اِن اقدامات سے کافی نقصان پہونچا، احتجاجوں کا سلسلہ شروع ہو گیا اور انھوں نے حکومت پر کھلے الفاظ میں نکتہ چینی کی۔

اگر غیر جانبداری سے غور کیا جائے تو محسوس ہوگا کہ بادشاہ کے ان اقدامات کے پس منظر میں ان کا کافی جواز موجود تھا اور وہ ایک حد تک ضروری بھی تھے۔ اگر وہ تارکان وطن کو غیر منظم اور بے ترتیب طریقے سے مغربی علاقوں میں آباد ہونے اور وہاں کی قیمتی زمین اور باشندوں سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی اجازت دیدیتا تو سوائے بدنظمی اور افراتفری کے اور کچھ حاصل نہ ہوتا۔ دوسری طرف اسکی مخالفت میں یہ دلیل دی جاسکتی ہے کہ امریکی باشندوں کو ایک سرے سے مکمل طور پر نظر انداز کر کے شاہ جارج اور اس کے وزراء نے ضرورت سے زیادہ خود مختارانہ ذہنیت کا ثبوت دیا۔ فرانسیسیوں کو شکست دینے میں امریکی نوجوں نے کافی مدد کی تھی۔ چنانچہ اُنکا خیال تھا کہ ان فتوحات کے ثمرے میں انکا بھی حق ہونا چاہیے۔

اِن اقدامات کے باعث اب تمام مال و دولت برطانوی بادشاہ کی ملکیت ہوگئی اور امریکی ریاستوں کو اس سے محروم کر دیا گیا۔ اس پر مزید ستم یہ کہ نئی دُنیا سے حاصل کئے ہوئے مال و دولت کی حفاظت کی خاطر کئی ہزار افراد کی ایک فوج کو تعینات کیا گیا۔ جس کے اخراجات کا ایک حصہ ان ریاستوں کو برداشت کرنا پڑتا تھا۔ نوآبادریاستوں کی مصیبتوں کا یہیں خاتمہ نہیں ہوا۔ کوارٹرنگ ایکٹ' کی دفعات کے تحت برطانیہ نے ان آبادکاروں کو حکم دیا کہ وہ فوج کے لئے رہائش اور خوراک کے حصول میں پوری مدد دیں۔

نوآبادریاستوں کی انتظامیہ کو منضبط کرنیکی خاطر برطانوی حکومت کے ہر اقدام کی امریکی عوام نے جس شدت سے مخالفت کی اور ہنگامے کھڑے کئے وہ بادشاہ اور پارلیمنٹ کے لئے ایک انتباہ کی حیثیت رکھتے تھے اور ان کے پیشِ نظر بادشاہ کو نہایت محتاط ہو کر آئندہ قدم اٹھانا چاہیئے تھا۔ اس کے برعکس امریکی عوام آزاد اور خود مختار قوم کی حیثیت سے مساوی

سلوک پر شدت سے اصرار کر رہے تھے اور اس مسئلے پر وہ اتنے حساس ہو گئے تھے کہ حکومت برطانیہ کا معمولی سے معمولی اقدام کا بھی احتجاجی نعروں اور غم و غصّہ کے اظہار سے استقبال کیا جاتا تھا ان کے لئے سوئی کی نوک کی تکلیف بھی تلوار کے گھاؤ کے مانند تھی۔

۱۷۶۳ء میں برطانوی وزیر اعظم جارج گرین ویل' کی امریکہ کے بارے میں نہایت محدود واقفیت تھی اور جو بھی تھوڑا بہت اس نے سُنا تھا اس کی بنا پر وہ امریکہ کو ناپسند کرتا تھا۔ جہاز رانی کے قوانین پر سختی سے عمل کرنے کی خاطر اُسنے امریکہ میں کسٹم افسروں اور بحری گشتی دستوں کو تعینات کیا۔ اسی پر بس نہ کرتے ہوئے اسنے اخباروں' کتابچوں اور قانونی دستاویزات کے لئے ٹکٹ ٹیکس تجویز کیا۔ اس ٹیکس کا مقصد امریکہ میں تعینات برطانوی افواج کے اخراجات کیلئے رقم حاصل کرنا تھا۔

جس وقت پالیمنٹ میں ٹکٹ ایکٹ' منظور ہوا اسوقت کسی بھی فرد کو اس بات کا اندازہ نہیں تھا کہ اس قانون کے خلاف کتنا شدید اور ہنگامہ خیز ردِّ عمل ہوگا۔ مثال کے طور پر بنجمن فرینکلن نے اپنے دو دوستوں کو مشورہ دیا کہ وہ ٹکٹ فروخت کرنے کی ملازمت کے لئے فوراً درخواست دیدیں کیونکہ اس اقدام سے اسے کسی بھی خطرے کی توقع نہیں تھی۔

نوآبادریاستوں میں مُلک کے ہر حصّے میں اس قانون کی فوری طور پر شدید مزاحمت شروع ہوگئی۔ ورجینیا کے پیٹرک ہنری نے ایوان برجیسز میں واضح طور پر پُرجوش اعلان کیا کہ صرف ورجینیا کی مجلس قانون ساز ہی کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ اہلِ ورجینیا پر ٹیکس عائد کرے۔ چنانچہ گرما گرم بحث کے بعد ہنری ایوان سے ایک قرارداد منظور کرانے میں کامیاب ہوگیا۔ جس میں اس بات کا واضح طور پر اظہار کیا گیا تھا کہ "قومی حکومت سے یہ اختیار چھین کر کسی بیرونی طاقت کے حوالے کرنے کی ایسی کوئی بھی کوشش نہ صرف غیر قانونی' غیر آئینی اور نامنصفانہ ہے بلکہ یہ ایک ایسے رجحان کی آئینہ دار ہے جس سے

برطانوی اور امریکی دونوں آزادیاں تباہ ہو جائیں گی۔"

میسے چوسیٹز میں بھی ٹکٹ ایکٹ کے خلاف شورش شروع ہو گئی تھی جہاں جیمز اوٹس اور سموئیل آرمز کی تقریریں جلتی پر تیل کا کام کر رہی تھیں۔ آرمز ایک شورش پسند عوامی مقرر تھا اور برطانوی تجارتی طریقۂ کار کی شدید مذمت کر کے پہلے ہی کافی نام پیدا کر چکا تھا۔ اپنی ولولہ انگیز تقریروں میں اس نے برطانوی حکومت پر سخت حملے کئے اور یہاں تک کہہ دیا کہ قانونی نمائندگی کے بغیر ٹیکس عائد کرنے کا صریحی مطلب یہ ہے کہ عوام کو محض غلاموں کی حیثیت دیدی گئی ہے۔

نیوانگلینڈ اور پھر اس کے بعد نیویارک اور پنسلوانیا میں فسادات شروع ہو گئے۔ عوامی دباؤ سے مجبور ہو کر ٹکٹ فروخت کرنیوالوں نے اپنے عہدے چھوڑ دیئے 'بنز آف لبرٹی' اور اسی طرح کے متعدد انتہا پسند گروہ پیدا ہو گئے جن کا بنیادی مقصد ملک کے گوشہ گوشہ میں شورش کو مزید ہوا دینا تھا۔ "ٹکٹ ایکٹ کانگریس" کے نام سے ایک کانفرنس منعقد کی گئی جس میں نو ریاستوں نے شمولیت کی اس کانفرنس میں ورجینیا سے ملتی جلتی ایک احتجاجی قرارداد پاس کی گئی جس میں اس بات کو پھر دہرایا گیا کہ صرف ان کی مجلس قانون ساز ہی ان ریاستوں پر ٹیکس عائد کر سکتی ہیں۔

نوآباد ریاستوں کا یہ شور و غوغا عام برطانوی باشندوں کی فہم سے بالا تھا۔ اور انکی نظروں میں اس کی حقیقت بکواس سے زیادہ نہ تھی۔ ان کے خیال میں برطانوی سلطنت کے نظم و نسق کا اختیار صرف پارلیمنٹ کو تھا اور وہی سلطنت کے تمام افراد کے مفادات کی نگراں تھی۔ اگرچہ برطانیہ کے بہت سے علاقوں کے نمائندے پارلیمنٹ میں موجود تھے لیکن یہ حقیقت کہ تجارت پیشہ، کاشتکار اور دوسرے پیشہ ور، غرضیکہ ملک کے ہر بااثر طبقے کے نمائندے دارالعوام میں ان کے مفادات کی نگرانی کے لئے موجود تھے اس بات کی کافی ضمانت تھی کہ ہر شہری کے جمہوری حقوق کی خاطر خواہ حفاظت کی جا رہی ہے۔

تمام بالغ شہریوں کو ووٹ دینے کے حق کا تصور ابھی ارتقائی منزلوں سے آگے نہیں بڑھا تھا اور اس نظام کو پختگی حاصل کرنے کے لئے ابھی متعدد نزاعی بھٹیوں سے گزرنا تھا جن کا سلسلہ اٹھارھویں صدی سے لیکر بیسویں صدی تک چلا گیا تھا۔ اس نظام کی تکمیل کی طرف پہلا قدم امریکی باشندوں کا یہ اصرار تھا کہ حکومت کو کسی بھی علاقے پر اس وقت تک ٹیکس عائد کرنیکا حق نہیں ہے جبتک حکومت میں اس علاقے کے منتخب شدہ نمائندے شامل نہ ہوں۔ امریکہ اور برطانیہ کے سیاسی نظریوں میں یہ تضاد دونوں ممالک کے اختلافات کا بنیادی مرکز تھا اور جسے آخر کار آگے چل کر میدانِ جنگ میں ہی طے ہونا تھا۔

صرف ایک سال تک نافذ رہنے کے بعد ٹکٹ ایکٹ' منسوخ کر دیا گیا۔ اس ایکٹ کی منسوخی سے امریکی عوام میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور وہ اپنی اس فتح پر شادیانے بجانے لگے۔ مگر جلد ہی دوسرے نئے نئے قوانین نافذ کر دیے گئے جو امریکیوں کی نظروں میں اتنے ہی بیہودہ اور قابلِ نفرت تھے۔ ٹاؤن شینڈ ایکٹ کے ذریعہ شیشے، پینٹ، سیسہ، کاغذ اور چائے کی ریاستوں میں درآمد پر نئے ٹیکس عائد کئے گئے۔ یہی نہیں بلکہ اس ایکٹ کے تحت اس طرح ہونے والی آمدنی کو شاہی گورنروں کو تنخواہیں دینے کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔ چنانچہ اس ایکٹ کے نفاذ کے بعد ریاستوں کے ایوانوں کو ان شاہی ملازموں پر کوئی اختیار نہیں رہا اور اسطرح برطانوی پارلیمنٹ نے اپنے ان ارادوں کا واضح طور پر اظہار کر دیا کہ وہ ریاستی معاملات کو زیادہ سے زیادہ اپنے اختیار میں رکھنا چاہتے تھے۔

ایک مرتبہ پھر سارے امریکہ میں احتجاجوں اور چیخ و پکار کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ سیموئل آدمز نے ساری ریاستوں کو ایک تحریر روانہ کی جس میں ان سے کہا گیا تھا کہ وہ 'ٹاؤن شینڈ ایکٹ' اور 'جہاز رانی ایکٹ' کے خلاف ابتدائی کارروائی فوراً شروع کر دیں جو امریکی تجارت کو سخت نقصان پہونچا رہے تھے۔ برطانوی مصنوعات کو بائیکاٹ کرنیکی تحریک زور پکڑتی گئی اور جلد ہی مؤثر طور پر ساری ریاستوں میں پھیل گئی چنانچہ اب برطانیہ کے طیش میں آنے کی باری تھی۔

میسے چوسٹیز کی مجلس آئین ساز توڑ دی گئی اور بوسٹن میں برطانوی فوج کے دو رجمنٹ تعینات کر دئے گئے۔

مارچ ۱۷۷۰ء میں جس دن برطانیہ نے ایک مرتبہ پھر نرم روی اختیار کرتے ہوئے چائے کی درآمد پر معمولی سے ٹیکس کے علاوہ، دوسرے تمام ٹیکس منسوخ کر دئے، اسی دن برطانوی فوجیوں اور امریکی شہریوں میں ایک زبردست جھڑپ ہوئی جسے محب وطن 'بوسٹن کا قتل عام' سے تشبیہ دیتے ہیں۔ فساد کی ابتدا اس وقت ہوئی جب چند نوجوانوں کے ایک گروہ نے ایک برطانوی پہرہ دار پر برف کے گولے کھینچ مارے جس نے فوراً ہی دوسرے فوجیوں کو بلالیا۔ جلد ہی دست بدست جھڑپ شروع ہو گئی جس میں برف کے گولوں کا آزادانہ استعمال ہوا اور پھر مکّوں کا۔ گھبرائے ہوئے فوجیوں نے گولی چلادی۔ اس جھڑپ کے نتیجے میں پانچ شہری ہلاک ہو گئے اور سیموآل رمز کے مطالبے پر برطانیہ کو شہر سے اپنی فوجیں واپس بلانا پڑیں۔

امریکی انقلاب سے دس برس پیشتر کی مدّت میں برطانیہ کے روّیہ میں باری باری جس سختی اور نرمی کا اظہار ہوتا رہا اس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ وہاں کے پالیسی بنانے والے سیاستداں امریکی ریاستوں سے متعلق کسی ایک لائحہ عمل پر کبھی بھی متفق نہ ہو سکے۔ 'ولیم پٹ' اور 'لارڈ نارتھ' جیسے لیڈران مصالحت پسندانہ رویہ اختیار کرنے کے حامی تھے اور انتہا پسند وزراء 'گرین ویل' اور 'ٹاؤن شینڈ' کے دباؤ کے تحت امریکی ریاستوں پر ٹیکس عائد کئے گئے تھے۔ اُنھیں یہ مصالحت پسند لیڈر منسوخ کرنے یا مناسب ترمیم کے ذریعہ نرم کرنے کے لئے مستقل کوشاں رہتے تھے۔ برطانوی تجارتی طبقے میں جس کی نمائندگی "وہگ" نامی سیاسی جماعت کر رہی تھی انہیں امریکی ریاستوں کے لئے ہمدردی کا جذبہ موجود تھا اور وہ امریکہ کے حمایتی تھے۔ یہ تاجر ایک خوش حال اور دوست نواز امریکہ سے تجارت کرنا چاہتے تھے نہ کہ ایک باغی اور ناراض قوم کے ساتھ جسنے انکی مصنوعات کا مکمل بائیکاٹ کر رکھا تھا۔

دوسری جانب امریکہ میں بھی ایک بڑے طبقہ کے جذبات برطانیہ کی موافقت میں تھے۔

خاص طور سے دولتمند طبقہ۔ انتہا پسندوں کے اشاروں پر کئے گئے فسادات اور برطانوی مصنوعات کے بائیکاٹ کو وہ ناپسندیدہ نظروں سے دیکھتے تھے کیونکہ یہ امنی تجارت کے حق میں بہت مضر تھی۔

انقلاب سے قبل امریکیوں کی اکثریت برطانیہ کے لئے متبدل جذبات کی آئینہ دار تھی۔ جب بھی کوئی نئے ٹیکس کے قوانین نافذ ہوتے تو وہ سخت اشتعال میں آجاتے اور جیسے ہی یہ قوانین منسوخ کئے جاتے وہ ایک مرتبہ پھر اطمینان کی سانس لیتے اور ان کے دل تشکر کے جذبات سے معمور ہو جاتے۔ عام نوآبادکار عملی طور پر برطانیہ سے الگ ہوکر خودمختار ہونے کے خواہشمند نہیں تھے وہ صرف اتنا چاہتے تھے کہ ان کو ان کے کھیتوں اور دوکانوں میں کسی مداخلت کے بغیر تنہا چھوڑ دیا جائے تاکہ وہ سکون کے ساتھ اپنی روزی کما سکیں۔ عام طور سے دیکھا گیا ہے کہ انتہا پسند افراد تاریخ کا رخ موڑنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ اپنے اور صلح پسند افراد کے نظریات میں زبردست بنیادی فرق محسوس کرکے یہ افراد اختلافات کی خلیج کو اور وسیع کرنیکی ہمہ تن کوشش کرتے ہیں اور حالات کو ایک ایسے مقام پر لے آتے ہیں جہاں پہونچکر صرف تشدد ہی کسی مسئلہ کا واحد حل رہ جاتا ہے۔

۱۷۷۳ء میں بوسٹن کی ٹی پارٹی کے مشہور سانحہ کا ان واقعات میں شمار ہوتا ہے جنھیں انتہا پسند امریکیوں نے نہایت کامیابی کے ساتھ اپنے مفاد کیلئے استعمال کیا۔ چائے کی ضروریات ایسٹ انڈیا کمپنی کی برآمد سے پوری کی جاتی تھیں اس کمپنی کو چند مالی مشکلات درپیش تھیں چنانچہ پارلیمنٹ نے اس کو اپنے تحفظ میں لے لیا۔ شاہ جارج اور اس کے پٹھووں نے کمپنی کی فاضل چائے کی ایک بڑی مقدار کو امریکہ میں تخفیف شدہ قیمت پر فروخت کرنیکا فیصلہ کیا۔ اگرچہ اس چائے کی درآمد پر تین پنیس فی پونڈ کے حساب سے درآمدی محصول ادا کرنا پڑتا تھا اس کے باوجود اسکی قیمت ان تمام چائے کی قیمتوں سے کم تھی جو ابتک دوسری بیرونی منڈیوں سے درآمد کی جارہی تھی۔

سرکار برطانیہ کے اس اقدام پر محب وطن امریکیوں کی نظریں فوراً مرکوز ہو گئیں۔ یہ صحیح تھا کہ قیمتوں میں کمی ہوگئی تھی مگر سوال قیمتوں کا نہیں بنیادی اصول کا تھا وہ محصول ادا کرنے کیلئے قطعی تیار نہیں تھے۔

"اجارہ داریت اور پارلیمنٹ ٹیکس لگانا بند کرو" کے نعرے لگاتے ہوئے انہوں نے آئی ہوئی چائے کو وصول کرنے سے انکار کر دیا۔ بوسٹن میں متعدد عوامی جلسوں کے بعد شہریوں کا ایک گروہ انڈین باشندوں کے بھیس میں جہازوں پر چڑھ گیا اور ساری چائے اٹھا کر سمندر میں پھینک دی۔

ان اشتعال انگیز کارروائیوں کے باعث شاہ جارج کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ اسکو نوآبادبستیوں سے کبھی بھی ہمدردی نہیں تھی۔ چنانچہ اب اس نے میسے چوسیٹز اور خصوصاً تشدد آمیز کارروائیوں کے مرکز بوسٹن کو سزا دینے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ ۱۷۷۴ء میں پارلیمنٹ کے آئندہ اجلاس میں بادشاہ کے مطالبات منظور کرتے ہوئے "ناقابلِ برداشت ایکٹ کے نام سے ایک قانون پاس کیا گیا جس کی رو سے بوسٹن میں بحری تجارت پر اسوقت تک کے لئے پابندی لگا دی گئی جبتک ضائع کی ہوئی چائے کی قیمت ادا نہ کر دی جائے۔ اس کے علاوہ گورنر کی اجازت کے بغیر شہری اجتماعات بھی ممنوع قرار دیدے گئے۔ میسے چوسیٹز ایک برطانوی فوجی چھاؤنی بنکر رہ گیا جس کا سربراہ جنرل گیج تھا۔

تیزی سے رونما ہونے والے ان ناگہانی واقعات نے دوسری ہمسایہ ریاستوں کو شدید صدمہ پہونچایا۔ انہوں نے میسے چوسیٹز کی حمایت کا اعلان کر دیا اور نہ صرف ہمدردی کے پیغامات روانہ کئے بلکہ خوراک اور دیگر ضروری اشیاء فراہم کر کے عملی طور پر میسے چوسیٹز کی مدد کی۔ اشتعال انگیز تحریکوں میں روز بروز اضافہ ہوتا رہا۔ چنانچہ ریاست ورجینیا کے ایوان برجیسیز نے یہ تجویز پیش کی کہ فلاڈلفیا میں تمام ریاستوں کے نمائندوں کی ایک کانفرنس منعقد کی جائے۔ یہ کانفرنس، جو اپنی نوعیت کا پہلا براعظمی اجتماع تھا، ستمبر ۱۷۷۴ء میں منعقد ہوئی۔ ریاستوں کی جن اہم شخصیات نے اس میں شمولیت کی ان میں میسے چوسیٹز کے جان اور سیموئیل آ. مز، ورجینیا کے جارج واشنگٹن اور پیٹرک ہنری، اور ساؤتھ کیرولینا کے کرسٹوفر گاڈسڈن اور جان ریٹلیج کے نام قابلِ ذکر ہیں۔

اس اجتماع کی کارروائیوں کے دوران اعتدال پسندی اور احتیاط سے کام لیا گیا۔ اجتماع کا مقصد یہ تھا کہ "ریاستوں کے موجودہ حالات کے متعلق مشورہ کیا جائے کہ انکے مناسب حقوق اور آزادی کو حاصل کرنے اور انہیں محفوظ رکھنے کے لئے کون سے مناسب اور دانشمندانہ اقدامات کئے جائیں اور ریاستوں اور برطانیہ کے درمیان اتحاد و اتفاق دوبارہ کس طرح بحال کیا جائے جسکی ہر معقول شخص کو تمنا تھی"۔ حقوق سے متعلق ایک محضر نامہ تیار کیا اور حکومت برطانیہ کو پیش کیا گیا۔ اس محضر میں ریاستی نوآبادکاروں نے اس بات پر سخت احتجاج کیا کہ پالیمنٹ انکی آزادیوں کو ناجائز طور پر غصب کر کے انکے اختیارات کو محدود کر رہی ہے۔ ساتھ ہی انہوں نے اس بات کا بھی اعلان کر دیا کہ ہر شہر اور ہر ضلع میں امن کمیٹیوں کے ذریعہ برطانوی مصنوعات کا مکمّل طور پر بائیکاٹ کیا جائیگا۔ امن کمیٹیاں اس بائیکاٹ کی خلاف ورزی کرنے والوں کی شکایت کانگریس کو پہونچائیں گی اور اسطرح کانگریس کو یہ معلوم ہو جائیگا کہ کون ریاست امریکی مفادات کی دوست ہے اور کون دشمن۔ یہ ایک نہایت کامیاب طریقہ تھا جسکے ذریعہ ان ریاستوں کو بھی جو امریکی مفادات کی حفاظت میں کوئی دلچسپی نہیں رکھتی تھیں، دھمکا کر قابو میں کر لیا گیا۔ آخر میں یہ بھی طے کیا گیا کہ اگر ساری شکایات دُور نہ ہوئیں تو مئی ۱۷۷۵ء میں ایک اور اجتماع بلایا جائیگا۔

ریاستوں کی ان شکایات کا سدِ باب نہیں ہوا۔ ریاست میسے چوسٹیز عداوت کے باعث جنگ پر آمادہ تھی اور اس کی رضاکار فوج نے جو منٹ مین کہلاتی تھی اور ایک منٹ کے نوٹس پر لڑنے کے لئے تیار تھی، کانکارڈ کے مقام پر بے شمار جنگی سامان جمع کر لیا تھا۔ ۱۹ اپریل ۱۷۷۵ء کو جنرل گیج نے برطانوی فوج کا ایک دستہ بوسٹن سے روانہ کیا تاکہ رضاکاروں کے سامانِ حرب کے ذخیرہ پر قبضہ کر کے جان ہین کاک اور سموئیل آرمز جیسے باغیوں کو گرفتار کر لیا جائے۔

برطانوی فوج کے پہونچنے سے قبل ہی پال ریور اور ولیم ڈاویز جیسے محبانِ وطن نے راتوں رات گھوڑوں پر سفر کر کے رضاکاروں کے فوجی دستے منٹ مین کو صورتِ حال سے آگاہ

کر دیا۔ منٹ مین ایک چھوٹے سے دستے کے ساتھ برطانوی فوج کا راستہ روکنے کے لئے جمع ہو گئے۔ برطانوی فوج نے ان کو منتشر ہونیکا حکم دیا جسے انہوں نے ماننے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ گولیاں چلنا شروع ہو گئیں "گولیوں کی آواز ساری دنیا میں سنی گئی" امریکی انقلاب کا آغاز ہو گیا تھا۔ اس جھڑپ میں آٹھ امریکی کام آئے۔

برطانوی فوج معمولی سی مزاحمت کا مقابلہ کرتی ہوئی کانکرڈ تک پہونچ گئی مگر کانکرڈ سے بوسٹن واپس ہوتے ہوئے اس فوج کو زبردست جانی نقصان اٹھانا پڑا۔ یہ نقصان اس سے کہیں زیادہ تھا جو منٹ مین نے پہلے مقابلے میں اٹھایا تھا۔ سیب کے درختوں اور پتھریلی دیواروں کی پُشت پر چھپے ہوئے جنگجو کسانوں نے گزرتے ہوئے برطانوی سپاہیوں کو اپنی گولیوں کا نشانہ بنالیا اور ان کو زبردست جانی نقصان پہونچایا۔ آخر کار مجبور ہو کر برطانوی فوج پیچھے ہٹتے ہوئے شہر کے محفوظ مقامات میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئی اس کے ساتھ ہی اسنے اپنے آپ کو سولہ ہزار کی ریاستی رضا کار فوج کے نرغے میں گھرا ہوا پایا۔

فوجوں کی پہلی جھڑپ کی خبر آگ کی طرح دوسری ریاستوں تک پہونچ گئی اور ملے جلے تاثرات کے ساتھ اسکا استقبال کیا گیا۔ کچھ لوگوں کو اس بات سے خوشی ہوئی کہ آخر کار جنگ شروع ہو گئی اور کچھ نے "منٹ مین" کی اس جلد بازی کی مذمت کی۔ عوام کی اکثریت کو ابتک یہ امید تھی کہ ان تنازعات کا پُرامن سمجھوتہ اب بھی ممکن ہے۔

دس مئی کو فلاڈلفیا میں دوسری براعظمی کانگریس کا اجتماع غیر یقینی حالات کے درمیان ہوا۔ برطانیہ کے خلاف اعلان جنگ کرنے کے ساتھ ہی ساتھ کانگریس کے نمائندوں نے شاہ جارج سے امن بحال کرنے کی اپیل بھی کی۔ تاہم حفاظت خود اختیاری کے طور پر انہوں نے جنگی تیاریاں کرنے اور فوج تیار کرنیکا منصوبہ منظور کر لیا۔ اور جارج واشنگٹن کو اس فوج کا سپہ سالار مقرر کیا۔ ورجینیا کے باشندے کو فوج کا سپہ سالار مقرر کرنا جبکہ جنگ میسے چوسٹس میں لڑی جارہی تھی، اس حقیقت کا واضح اظہار تھا کہ ریاستوں میں اپنے مفادات کی

حفاظت کی خاطر ایک دوسرے کے ساتھ اتحاد اور تعاون کا جذبہ بڑھتا جا رہا تھا۔

ادھر دوسری طرف برطانوی حکام نے ریاستوں کی امن کی اپیلوں کو یکسر نظرانداز کر دیا۔ اور جبر و تشدد و قوت کے ذریعہ باغیوں کی سرکوبی کرنیکا فیصلہ کیا۔ اپنی باقاعدہ فوج کو مزید کمک پہونچانے کی خاطر شاہ جارج نے 'ہیس' این ہالٹ' اور برنس وِک' کے شہزادوں سے بلیس ہزار جرمن فوج کرایہ پر حاصل کی۔

اس عرصے میں ملک کے مختلف حصوں میں امریکی فوج حرکت میں آگئی تھی۔ بوسٹن میں انہوں نے 'بنکر ہل' پر قبضہ کر لیا جو شہر کے عین سامنے واقع تھا اور برطانوی فوج کے زبردست متواتر حملوں کے باوجود وہ اس پر اسوقت تک قابض رہے جبتک انکا سامان جنگ ختم نہ ہو گیا۔ اسی سال کے آخر میں کناڈا پر حملے کی غرض سے ایک امریکی فوجی مہم روانہ کی گئی مگر مانٹریل فتح کر لینے کے بعد اس فوج کو شکست ہو گئی۔ اس ناکامی کا مداوا برطانوی افواج کی ان شکستوں سے ہو گیا جو ان کو نارفاک' ورجینیا' چارلسٹن' ساوتھ کیرولینا میں حاصل ہوئیں۔

امریکی نوآبادکار آزادی حاصل کرنے کے مطلق خواہش مند نہ تھے اس کے برعکس حالات نے ان کو ایسا کرنے پر مجبور کر دیا۔ ۱۷۷۵ء کی جنگوں کے دوران ان کا مقصد صرف یہ تھا کہ برطانوی شہریوں کی حیثیت سے وہ اپنے حقوق کی حفاظت کریں نہ کہ امریکنوں کی حیثیت سے۔ یہاں تک کہ جنرل واشنگٹن نے بوسٹن میں فوج کی سپہ سالاری کا عہدہ قبول کرتے ہوئے یہ اعلان کیا تھا کہ اس کے لئے مکمل آزادی کا تصور ہی نہایت نفرت انگیز ہے۔

امریکی انقلاب نے کسی بھی مرحلے پر مکمل جنگ کی شکل اختیار نہیں کی جس میں اس بات کی ضرورت محسوس کی جاتی کہ ہر بالغ اور صحتمند فرد کو ہتھیار بند کر کے میدانِ جنگ میں جھونک دیا جائے۔ تیس لاکھ کی آبادی میں سے کسی ایک موقع پر بھی واشنگٹن کے زیر کمان پچیس ہزار سے زائد فوج نہیں رہی۔ اور بعض ناسازگار حالات میں تو یہ تعداد گھٹ کر تین ہزار تک

پہونچ گئی - امریکی کاشتکار فوج میں شمولیت کرتے اور پھر علیحدگی اختیار کر لیتے۔ فوج میں شمولیت اس وقت کرتے جب غنیم کی طرف سے اُن کے مکانوں اور آراضی کو نقصان پہونچنے کا احتمال ہوتا اور خطرہ دور ہوتے ہی فوج سے دستبردار ہو جاتے۔

اس کے برعکس بہت سے امریکیوں نے اہلِ برطانیہ کے ساتھ اپنی قسمتیں وابستہ کر رکھی تھیں اور اس طرح انقلاب کو خانہ جنگی کی حیثیت بھی دیدی تھی۔ ٹوری فوج کیلئے رنگروٹوں کی بیشتر تعداد اعلیٰ طبقے نے مہیّا کی۔ یہ طبقہ ملک میں جمہوری طرزِ حکومت اور عوام الناس کے برسرِ اقتدار آجانے سے اتنا زیادہ خائف تھا کہ وہ برطانوی حکومت کے زیرِ سایہ ہی رہنا پسند کرتا تھا چاہے شاہ جارج اور اس کے تندمزاج وزراء انکے ساتھ کوئی بھی سلوک کیوں نہ کریں۔

۱۷۷۵ء سے ۱۷۸۱ء کے درمیانی عرصے میں امریکی جنگ آزادی کو جاری رکھنے کی کوششیں سام آدمز اور پیٹرک ہنری جیسے صاحب تخیل اور دور اندیش محبان وطن کی مستقل مزاج پالیسیوں کی مرہون منت ہیں جنکی دُور بین نظروں میں ایسے آزاد امریکہ کا واضح تخیل موجود تھا جسکے عوام خود اپنی منزلیں متعین کریں گے۔ یہ اشخاص حقیقی طور پر تخیل پسند تھے اور منزل مقصود کے حصول کی راہ کی دشواریوں کا ان کو کوئی اندازہ نہیں تھا۔ اس کے باوجود ایک عزمِ صمیم سے اپنی تعیّن کی ہوئی راہ پر گامزن تھے ان محبانِ وطن اور آزادی کے متوالوں نے منظّم طور پر سارے مُلک میں انقلابی کمیٹیوں کا جال بچھا رکھا تھا۔ ان لوگوں نے مجالس قانون ساز کو فوجی اقدامات کرنے پر اکسایا، وفاداری کے جذبات رکھنے والے افراد کو سختی سے کچل دیا اور بے عمل اور پس و پیش کرنے والے عوام کو اپنی آزادی کی جنگ لڑنے پر مجبور کر دیا۔

تھامس پین نامی ایک برطانوی باشندے کو سب سے عظیم انقلابی رہنماؤں میں امتیازی حیثیت حاصل تھی۔ یہ شخص ۱۷۷۴ء میں فلاڈلفیا میں آکر آباد ہوا تھا اور ایک مختصر عرصہ میں برطانیہ سے مکمّل آزادی کے مطالبہ کے شدید حامی کی حیثیت سے مشہور ہو گیا تھا۔

پین ایک فصیح البیان ادیب تھا۔ جسے مطلق العنانی سے شدید نفرت تھی۔ اس کی یہ نفرت اپنی انتہا کو پہونچی ہوئی تھی۔ اپنے ایک کتابچہ میں جو 'عقل سلیم' کے نام سے جنوری ۱۷۷۶ء میں شائع ہوا تھا، پین نے امریکی عوام کو اس تضاد کی طرف متوجہ کیا جو ان کے طرزِ عمل میں صاف طور پر نمایاں تھا۔ ایک طرف تو وہ لوگ شاہی فوج کے خلاف جنگ میں مصروف تھے اور دوسری طرف وہ مصالحت کی بار بار اپیلیں کررہے تھے۔ "برطانیہ یورپ کے لئے اور امریکہ امریکیوں کیلئے" پین نے اعلان کرتے ہوئے کہا "اب آخری تعلق بھی ختم ہوچکا ہے"۔

کتابچہ 'عقل سلیم' کی غیر معمولی طور پر زبردست فروخت ہوئی اور اُسنے لوگوں کو عملی اقدامات کرنے پر شدت سے ابھارا۔ جیسے جیسے عوامی جذبات میں شدت آتی گئی اور جنگ شدید ہوتی گئی ویسے ویسے مصالحت کے امکانات کم ہوتے گئے علیحدگی سے متعلق کانگریس کے رویّہ میں سختی آتی گئی اور وہ نئے عزم سے مزید ٹھوس اقدامات کا جائزہ لینے لگی۔ جون میں کانگریس نے ایک کمیٹی کی تشکیل کا اعلان کیا جس کے ارکان میں بنجمن فرینکلن، تھامس جیفرسن اور جان آرمز بھی شامل تھے۔ اس کمیٹی کے قیام کا مقصد محض آزادی کا مسودہ تیار کرنا تھا۔

سب سے پہلا مسودہ جیفرسن نے تیار کیا جس میں کمیٹی کے دیگر ارکان نے مناسب تبدیلیاں کیں۔ کانگریس نے اس مسودہ پر مزید نظر ثانی کی اور اس میں چند ترمیمیں کرکے آخر کار ۴ جولائی ۱۷۷۶ء کو اتفاق رائے سے منظور کرلیا۔ یہی تاریخ امریکی آزادی کی تاریخ پیدائش ہے۔

اعلان آزادی کے ذریعہ امریکیوں نے نہایت واضح اور غیر مبہم الفاظ میں اقوام عالم کو ان وجوہات سے آگاہ کیا جسکے تحت نوآباد ریاستیں اپنے مادر وطن سے علیحدگی اختیار کررہی تھیں۔ ساتھ ہی ان سیاسی عقائد کی توضیح بھی کی گئی جن پر امریکی عمل پیرا تھے۔ "ہم ان صداقتوں کو کسی ثبوت کا محتاج نہیں سمجھتے کہ تمام انسان ایک دوسرے کے برابر ہیں۔ خالق مطلق نے تمام انسانوں کو چند ناقابلِ منتقل حقوق عطا کئے ہیں۔ اور یہ ان بنیادی حقوق میں زندہ رہنے کا حق،

آزادی کا حق اور خوشیاں تلاش کرنیکا حق بھی شامل ہے۔" آگے چلکر اس علان میں مزید بتایا گیا کہ حکومتیں اس لئے قایم کی جاتی ہیں تاکہ انسان اپنے ان حقوق کو حاصل کرسکے اور حکومتوں کو تفویض کردہ اختیارات ان کے عوام کی رضا کے مرہون منت ہیں۔ جب کوئی حکومت اپنے اختیارات کو ناجائز طور سے استعمال کرنے لگے تو عوام کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ کسی ایسی حکومت کے حق میں جو انکے مفادات کی زیادہ بہتر طور پر نگرانی کرسکے وہ موجودہ حکومت کو تبدیل یا اس میں ردو بدل کردیں۔

اعلان آزادی نے ان جمہوری عقائد کو ایک نئی زندگی عطا کردی جو ازمنہ وسطیٰ سے یورپی ممالک میں ٹھٹھر کر رہ گئے تھے اور ابھرنے کیلئے بیتاب تھے۔ اس بات کا دعویٰ کرکے کہ حکومتوں کو عوام کا خادم ہونا چاہئے۔ آقا نہیں، اعلان آزادی نے ان مطلق العنانی عقائد کو جسکی صدائیں آج بھی فضائے عالم میں گونج رہی ہیں، ایک کاری ضرب لگائی۔ یہ استبدادیت اسوقت تک دوبارہ نہیں ابھر سکے گی جبتک انسانیت آزادی کی قدر کرتی ہے اور اسکی حفاظت پر کمربستہ ہے۔

برطانیہ سے اپنے تعلقات مکمل طور پر ختم کرکے اور ریاستہائے متحدہ امریکہ کے قیام کا اعلان کرکے اس نئی قوم کو اپنی بقا کیلئے ایک زبردست اور مایوس کن جدوجہد کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ جدوجہد اتنی سنگین تھی کہ جارج واشنگٹن کی فراست، شجاعت اور بے نظیر رہنمائی بھی اس بحران کو قابو میں کرنے کیلئے ناکافی معلوم ہورہی تھی۔

واشنگٹن، جنرل ہوئے اور اسکی گیارہ ہزار فوج کو شکست دیکر بوسٹن سے نکال باہر کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ لیکن جب ہوئے، ایک مرتبہ پھر اپنی فوجی قوت کے ساتھ واشنگٹن سے ٹکر لینے اور نیو یارک جیسے فوجی اہمیت کے شہر پر قابض ہونے کی خاطر قومی فوج سے ٹکرایا تو اس مرتبہ جنگ کا پانسہ پلٹ گیا۔ زبردست کمک کے باعث برطانوی اور جرمن فوجوں نے امریکی افواج کو بار بار شکست دیکر انکی قوت توڑ دی اور "نیو جرسی" کے راستے انکو مزید جنوب کی طرف پسپا

ہونے پر مجبور کر دیا۔

برّاعظمی کانگریس میدانِ جنگ میں لڑنے والی اپنی فوجوں کو خاطر خواہ امداد دینے سے قاصر رہی۔ تیرہ نئی ریاستوں میں یک جہتی اور اتحاد کا جذبہ ابتک مفقود تھا اور انکے نمائندے نئے ٹیکس عائد کرتے ہوئے ڈرتے تھے۔ انہیں خوف تھا کہ عوام ان کے خلاف بھی انہیں جارحانہ عزائم کا مظاہرہ کریں گے جس طرح انہوں نے انگریزوں کے خلاف احتجاج بلند کیا تھا چنانچہ نتیجہ یہ ہوا کہ خوراک اور ہتھیاروں کے ذخیروں میں کمی آتی گئی جسکے باعث لوگوں کی ہمتیں پست ہوتی گئیں اور فوج سے بھاگنے والوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا۔

واشنگٹن کو پسپا ہو کر دریائے ڈیلاویر کے اُس پار پنسلوانیا میں پناہ لینے پر مجبور ہونا پڑا۔ حالات مایوس کُن شکل اختیار کر رہے تھے اور ہر آنیوالا لمحہ تاریک مستقبل کا پیغام دے رہا تھا۔ اس کے باوجود واشنگٹن نے ہمت نہ ہاری اور ۱۷۷۶ء کی کرسمس رات میں جوابی حملے کی خاطر اپنی منتشر افواج کو دوبارہ منظم کر کے اُسنے اپنی جنگی اہلیت کا بے مثال ثبوت دیا۔ منجمد ہوتے ہوئے دریائے ڈیلاویر کو چپو سے چلنے والی کشتیوں میں دوبارہ پار کر کے جنرل واشنگٹن اور اُسکا فوجی دستہ ٹرینٹن کے مقام پر ہیسین سے حاصل کئے ہوئے کرایہ کے فوجیوں پر اچانک ٹوٹ پڑا جو شراب کے نشے میں بدمست ہو رہے تھے۔ جشنِ کرسمس میں مشغول فوجیوں کے لئے یہ حملہ قطعی خلاف توقع تھا چنانچہ خوف و دہشت کے باعث ان کی تنظیم میں افراتفری پیدا ہو گئی اور اُن کے سپاہیوں میں بھگدڑ مچ گئی۔ اس کاری ضرب کے فوراً ہی بعد پرنسٹن کے مقام پر ایک اور فتح ہوئی اور اس طرح امریکیوں نے کم سے کم عارضی طور پر نیوجرسی کو دوبارہ اپنے قبضہ میں لے لیا۔

۱۷۷۷ء گھمسان اور فیصلہ کن جنگوں کا سال ثابت ہوا۔ جنرل ہووے کی افواج ایک جست میں سمندر کے راستے نیو یارک سے فلاڈلفیا پہونچ گئیں اور امریکی دارالخلافہ کو فتح کر لیا۔ واشنگٹن اور اس کے ساتھیوں کو پسپا ہو کر شہر سے باہر ویلی فورج' میں پناہ لینی پڑی اور اشیائے

ضرورت اور مناسب پناہ گاہوں کی عدم موجودگی کے باعث منجمد کر دینے والی سخت سردی میں انکو زبردست تکالیف کا سامنا کرنا پڑا۔ اگر ہووے کی افواج اپنے جارحانہ حملوں کا سلسلہ جاری رکھتیں تو ممکن تھا کہ برطانیہ اپنے حریف کو کچل کر ہمیشہ کے لئے خاموش کر دیتا۔ مگر ہووے میں چستی و چالاکی کی کمی تھی۔ اس کے علاوہ اس بات پر یقین کرنیکی کافی وجوہات ہیں کہ سیاسی طور پر اسکی ہمدردیاں امریکیوں کے ساتھ تھیں۔

اگرچہ واشنگٹن وسطی ریاستوں میں پے در پے شکستوں سے دوچار تھا مگر اس کے باوجود اس جنگ کی سب سے اہم اور فیصلہ کن لڑائی وہاں سے سینکڑوں میل دور شمال میں نیویارک کے مقام سارا ٹوگا پر لڑی گئی۔ نااہل کمانڈروں اور تین ہزار میل لمبے رسد کے راستے کے باعث برطانوی افواج کو ناسازگار حالات کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ چنانچہ نہایت نازک اور فیصلہ کن مرحلے پر برطانوی فوج ہمت ہار بیٹھی جسکے نتیجے میں پوری فوج کا صفایا ہو گیا۔

برطانیہ نے جنگ کا جو عظیم منصوبہ بنایا تھا اس کے تحت نیویارک میں ساری فوجی مزاحمت کو کچل دینا تھا اور اس طرح پورے امریکہ کو اسی طرح دو حصوں میں منقسم کر دینا تھا جسکی کوشش اس صدی کے اوائل میں فرانس نے کی تھی۔ اس منصوبے کے تحت نیویارک پر تین اطراف سے چڑھائی کرنا تھی اور تینوں فوجوں کو نیویارک کے شمال میں ڈیڑھ سو میل کے فاصلے پر دریائے ہڈسن کی وادی میں البانی کے مقام پر ملنا تھا۔ جنرل برگوئن کو کناڈا کی طرف سے پیش قدمی کرنا تھی، جنرل ہووے کو نیویارک شہر سے شمال کی طرف اپنی افواج روانہ کرنا تھیں اور جنرل سینٹ لیجر کو لیک اونٹیریو سے ریاست کو پار کر کے مشرق کی طرف سے حملہ کرنا تھا۔

یہ جنگی منصوبہ بُری طرح ناکام ہوا۔ سینٹ لیجر کی پیش قدمی کو اورستان' کے مغربی جنگلوں میں روک دیا گیا اور ہووے کی افواج منصوبے کے تحت پہونچی ہی نہیں۔ سارا ٹوگا' کے مقام پر برگوئن کی چھ ہزار فوج کو بیس ہزار امریکی کسانوں اور رضا کار افواج نے نرغے میں لے لیا اور اکتوبر ۱۷۷۷ء میں انہیں زبردست شکست دیکر ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر دیا۔

ساراٹوگا میں برطانوی افواج کے زبردست جانی نقصان سے برطانیہ کو اتنا صدمہ نہیں پہونچا جتنا اس بات سے کہ ان شکستوں کے باعث اس کے وقار کو شدید ٹھیس پہونچی۔ اب اس کے پرانے دشمن فرانس اور اسپین امریکہ کی امداد کی اپیلوں پر خاطر خواہ توجہ دینے لگے تھے۔

بیرونی ممالک سے سفارتی سطح پر تعلقات قائم کرنا امریکیوں کے لئے ایک نیا تجربہ تھا۔ ابتک امریکیوں کے امور خارجہ کی ذمہ داری برطانیہ نے اپنے سر لے رکھی تھی۔ اسکے باوجود اس نئی ابھرتی ہوئی قوم نے بنجمن فرینکلن جیسا مدبر پیش کیا جو چالاک، مستعد، صاحب فراست اور بذلہ سنج تھا اور جس میں ہر مناسب موقع سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کی صلاحیت بدرجہ اتم موجود تھی۔

کچھ عرصے سے یورپ کے ممالک پوشیدہ طور پر امریکہ کی مختصر سی مالی امداد کر رہے تھے۔ اس کے علاوہ یورپ کے بہت سے فوجی افسروں نے امریکی فوج کو اپنی خدمات پیش کر دی تھیں اور ان کو مناسب ٹریننگ اور تنظیم کی تربیت دے رہے جس کی انہیں سخت ضرورت تھی۔ ان فوجی افسروں میں فرانس کے مارکوئیس دی لافیٹ، جرمنی کے بیرن وان اسٹیوبین اور بیرن وان کالب اور پولینڈ کے کاونٹ پولاسکی کے نام قابل ذکر ہیں ابتک یورپ کی حکومتیں امریکہ کو کثیر مقدار میں کھل کر فوجی امداد دینے سے ہچکچا رہی تھیں کیونکہ انہیں خدشہ تھا کہ اس طرح وہ برطانیہ کے ساتھ ایک اور جنگ میں ملوث ہو جائیں گی جس میں انکی شکست یقینی ہے۔

ساراٹوگا کے معرکے کے بعد بنجمن فرینکلن فرانس کے بادشاہ کو اس بات کا یقین دلانے میں کامیاب ہو گیا کہ فرانس اور امریکہ کی مشترک افواج برطانیہ کو یقینی طور پر شکست دے سکتی ہیں۔ اس گفت و شنید کی بھنک ملتے ہی برطانیہ نے اس بات کی کوشش کی کہ وہ اپنی سابق نوآبادریاستوں سے کسی بھی شرائط پر صلح کرلے بشرطیکہ وہ برطانوی سلطنت

میں شمولیت پر رضامند رہیں۔ یہی پیشکش دو برس قبل بڑی خوشی سے منظور کرلی گئی ہوتی لیکن اب اسے مسترد کر دیا گیا۔ فروری ۱۷۷۸ء میں فرانس اور امریکہ کے مابین ایک معاہدے پر دستخط ہوئے جس میں دونوں قوموں نے اس بات کا عہد کیا کہ وہ اس وقت تک جنگ جاری رکھیں گی جبتک کوئی ایک صلح کرنے کے لئے آمادہ نہ ہو۔ آگے چلکر اسپین اور ہالینڈ نے امریکہ کی اس جدوجہد آزادی میں بحری افواج سے مدد کی انہیں امید تھی کہ اس طرح وہ ان مقبوضہ علاقوں کا کچھ حصّہ دوبارہ حاصل کرلیں گے جو برطانیہ نے ان سے چھین لئے تھے۔

جلد ہی امریکہ کو فرانس سے قرضوں کی شکل میں مالی امداد، عسکری سامان اور فوجی سپاہی مہیا کئے جانے لگے۔ مگر جو چیز امریکہ کی سب سے زیادہ معاون ثابت ہوئی وہ فرانسیسی بحری بیڑہ تھا جو برطانیہ کے بعد غالباً سب سے زیادہ طاقتور تھا۔ اس خوف سے کہ فرانسیسی افواج فلاڈلفیا کا محاصرہ نہ کرلیں، برطانیہ نے دارالخلافہ سے اپنی فوجیں ہٹا لیں۔ اس کے ساتھ ہی فرانسیسیوں نے اپنی بندرگاہیں کھولدیں اور بیشمار جنگی جہاز امریکیوں کے حوالے کردئے جنھوں نے رودبار انگلستان میں جرأت و بے مثال شجاعت کے نمایاں کارنامے انجام دئے۔ کیپٹن جان پال جونز نے تو واقعی انگلستان کے ساحل پر حملہ کر دیا۔ اس کے فوجی دستے برطانیہ کے ساحل شہر وہائٹ ہیون میں جہاں اُسنے اپنی زندگی کے متعدد سال گزارے تھے، درانہ وار گھستے چلے گئے اور سارے شہر میں تباہی مچادی۔ ایک بحری لڑائی کے دوران اپنے جہاز بون ہوم رچرڈ سے کمان کرتے ہوئے جونز نے برطانوی جہاز 'ایچ۔ ایم۔ ایس سیرا پیس' پر شاندار فتح حاصل کی۔ یہ بحری جھڑپ یارک شائر کے ساحل سے اتنے قریب پیش آئی کہ ساحل پر کھڑے ہوئے سینکڑوں تماشائیوں نے یہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

ایک امریکی جو اپنے آپ کو جری اور ہیرو ثابت کرنے میں ناکام رہا۔ جنرل بینیڈکٹ آرنالڈ

تھا۔ وہ اپنے عہدے میں ترقی حاصل نہ کرسکنے کے باعث آزردہ اور مایوس ہوگیا تھا۔ آرنالڈ دریائے ہڈسن کے کنارے ویسٹ پوائنٹ پر واقع جنگی اہمیت کے ایک قلعہ کی دفاعی افواج کی کمان کررہا تھا (جہاں آجکل امریکی ملٹری اکیڈیمی واقع ہے) اسنے برطانیہ سے ملکر ایک سازش کی جس کے تحت برطانوی افواج کے حملے کے وقت وہ چشم پوشی سے کام لیکر انہیں قلعہ پر قبضہ دلادیتا۔ مگر اسکے تحریری سازشی منصوبوں کا بروقت علم ہوگیا۔ آرنالڈ فرار ہوکر برطانوی افواج سے مل گیا۔ جہاں اسکو بریگیڈیر جنرل کے مرتبہ پر فائز کردیا گیا اور اس طرح ورجینیا کی مہم میں اس نے اپنے سابق ہموطنوں کے خلاف معرکہ آرائی کی۔

۱۷۷۸ء کے ختم ہوتے ہوتے جنگ کا مرکز شمالی علاقوں سے دُور ہوتا گیا۔ واشنگٹن کی افواج نیویارک کے قرب و جوار میں پھیلی رہیں۔ اور شہر پر قابض برطانوی افواج سے مسلسل برسرپیکار رہیں جس سے انکا مقصد دشمن کو مُلک کے اندرونی حصّوں کی طرف پیش قدمی کرنے سے روکنا تھا۔ مگر رفتہ رفتہ اس محاذ پر جنگی سرگرمیاں سرد پڑگئیں اور پھر ایک خاص حد پر پہونچ کر تقریباً رُک گئیں۔ اس طرح جنوبی اور مغربی علاقہ سب کی توجہ کا مرکز بن گیا۔ اِن محاذوں پر جنگی سرگرمیوں میں نمایاں طور پر اضافہ ہوا۔

جب برطانیہ نے مغربی علاقے امریکی نوآبادکاروں کے لئے بند کردئے تو اس حکم پر مکمّل طور پر عمل نہیں کیا گیا۔ پنسلوانیا سے لیکر کیرولینیاز تک محنت کش اور مہم پسند امریکیوں کے گروہ آہستہ آہستہ ایلیگھینیز، بلورج اور سموکی پہاڑیاں جو اجتماعی طور پر اپالاچیان کا سلسلہ کہلاتی تھیں، پار کرکے آگے بڑھتے رہے اور اس طرح حاصل کی ہوئی ملکی دولت کی ضبطی کا خطرہ مول لیتے رہے۔ سب سے مشہور انڈین جنگ باز ڈینیل بون، ۱۷۶۹ء میں کنٹکی پہونچا اور اس کے چند برس ہی "ٹینے سی" کی نوآبادی قائم ہوئی۔

امریکی سرحدی باشندے زبردست محبِّ وطن تھے اور انقلاب کے شروع ہوتے ہی انہوں نے اپنے مشرقی ہموطنوں کو اپنی خدمات پیش کردیں۔ جلد ہی اس حقیقت کا احساس ہوگیا کہ

برطانیہ کے سرحدی مورچوں پر حملے کر کے یہ باشندے اپنے مُلک کی مدد کرنے کے سلسلے میں نہایت اہم کردار ادا کر سکتے ہیں اور اس طرح آخر کار جنگ آزادی میں فتح حاصل کرنے کے بعد امریکہ یہ دعویٰ کرنے کا اہل ہو گیا کہ مغربی علاقہ اس کی ملکیت ہے۔

چنانچہ ورجینیا کے ایک نوجوان جان راجرس کلارک کو، جو کنٹیکی کی نو آباد ریاست میں آ کر بس گیا تھا، دو سو رضا کاروں کی کمان دیدی گئی جس کا مقصد دریائے مسی سیپی کے شمالی اور مغربی حصّوں میں بہم روانہ کر کے ان کو اپنے زیر اقتدار لانا تھا۔ ان علاقوں کے آگے وسیع و عریض خطے پھیلے ہوئے تھے جن پر اسپین کا دعویٰ تھا۔ ایک ایسی فوج میں جسے نیو انگلینڈ، نیو یارک اور پنسلوانیا جتنے بڑے بڑے علاقوں کو فتح کرنا تھا، صرف دو سو رضا کاروں کی شمولیت نہایت معمولی نظر آتی ہے۔ مگر اُس موقع پر صرف اسی کا انتظام ممکن تھا اسکے باوجود یہ فوج اپنے مقاصد میں کامیابی حاصل کرنیکے لئے کافی ثابت ہوئی۔

کلارک جسے بعض اوقات مغرب کا واشنگٹن بھی کہا جاتا ہے، ریاست ایلے نائس میں آباد فرانسیسی اور انڈین باشندوں کو اس بات پر آمادہ کرنے میں کامیاب ہو گیا کہ وہ اپنی وفاداری برطانیہ سے منتقل کر کے امریکہ کے ساتھ ہو جائیں۔ اِس طرح ان علاقوں کی طرف سے مطمئن ہو کر اس نے پیش قدمی کرتے ہوئے دریائے مسی سیپی اور وابش پر واقع برطانوی قلعوں پر حملہ کر دیا اور ان کو مسخر کر لیا۔ اب ان علاقوں پر سے انگریزوں کی اجارہ داری ختم ہو گئی اور ان کی قوت منتشر ہو گئی چنانچہ کلارک برطانوی علاقے کو روندتا ہوا مستقل آگے بڑھتا رہا۔ یہاں تک کہ وہ تقریباً نصف برِ اعظم اپنے زیر اثر لے آیا۔

اِس عرصے میں جنوب میں انقلاب کے آخری اور فیصلہ کُن معرکے کے لئے زمین ہموار ہو رہی تھی۔ یہ محسوس کر کے کہ کیرولینیاز اور جارجیا میں تاج برطانیہ کے وفاداروں کی ایک بڑی تعداد موجود ہے، برطانیہ نے جنرل کلنٹن اور جنرل کارن ولیس کے زیر کمان ایک فوجی مہم روانہ کی جس کا مقصد اِن ریاستوں کو امریکی جدوجہد آزادی میں شمولیت سے باز رکھنا تھا۔ تقریباً دو ہزار امریکی

ٹوری برطانیہ کی حمایت میں یونین جیک کے پرچم تلے جمع ہو گئے اور سوانا اور چارلسٹن کی بڑی بڑی بندرگاہوں پر قبضہ کر لیا گیا۔

اندرونی علاقوں کی طرف پیش قدمی کرتے ہوئے برطانوی افواج کو اوّل اوّل شمالی علاقوں کے مقابلے میں اس علاقے میں زیادہ کامیابیاں حاصل ہوئیں۔ کامڈین کے مقام پر ان افواج کو ساراٹوگا کے ہیرو امریکی جنرل گیٹس کے مقابلے میں زبردست فتح حاصل ہوئی۔ گیٹس کی بہادری اور کارناموں پر اس وقت زبردست نکتہ چینی کی گئی جب اسے شکست کے بعد جھڑپ کے خاتمہ کے باوجود کامڈن کے میدان جنگ سے ایک سو اسی میل دور گھوڑے کی پشت پر تھا بھاگتے ہوئے دیکھا گیا۔

آخر کار فرانسس میرین جیسے قابل اور بہادر لیڈروں کی سرکردگی میں امریکی گوریلے دستوں کی شاطرانہ چالوں نے برطانوی افواج کی قوت کو نچوڑنا شروع کر دیا اور کنگز ماؤنٹین کے مقام پر جیالے نڈر اور چست و چالاک سرحدی رضاکاروں کے ایک دستہ نے کارن ولیس کی باقاعدہ فوج کو زبردست شکست دیکر ان کو سخت نقصان پہونچایا اور ان کا زور توڑ دیا اس کے فوراً ہی بعد واشنگٹن نے اپنے ایک بہترین کمانڈر نتھینیل گرین کو کیرولیناز روانہ کیا جس نے برطانوی افواج کو مزید سخت جانی نقصان پہونچایا۔ ۱۷۸۱ء میں برطانوی افواج کو شمال کی طرف پسپا ہونے پر مجبور ہونا پڑا۔

جنگِ انقلاب کا آخری معرکہ سمندری موجوں کے جزیرہ نما پر واقع ورجینیا کے مقام یارک شائر پر پیش آیا۔ یہ مقام جیمز ٹاؤن سے صرف چند میل کے فاصلے پر واقع تھا جہاں انگریزوں کی اوّل ترین امریکی نوآبادیاں قائم ہوئی تھیں۔ جنرل کارن ولیس اور بینے ڈکٹ پسپا ہو کر اپنی سات ہزار افواج کے ہمراہ اس مقام پر ٹھہر کر ان افواج کا انتظار کر رہے تھے جو ان کی مدد کے لئے نیویارک سے بذریعہ سمندر آنیوالی تھیں۔

اس موقعہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے فرانسیسیوں اور امریکیوں کی تین فوجیں کارن ولیس پر

آخری کاری ضرب لگانے کی خاطر نہایت سرعت اور مکمل ہم آہنگی ساتھ حرکت میں آگئیں۔ اوّلاً تین ہزار پانچ سو سپاہیوں پر مشتمل امریکی فوج نوجوان لے فیٹ کی کمان میں پہلے ہی ورجنیا میں موجود تھی۔ لے فیٹ کی واشنگٹن سے وفاداری اور امریکی کاز سے زبردست ہمدردی کے باعث وہ امریکی عوام کا ہمیشہ کیلئے محبوب بن گیا تھا۔ دوم واشنگٹن کے زیر کمان پانچ ہزار امریکی سپاہیوں پر مشتمل فوج موجود تھی۔ چنانچہ چار سو میل کا خشکی کا راستہ طے کر کے وہ لے فیٹ کی مدد کے لئے فوراً روانہ ہوگیا۔ اور سویم ایڈمرل دی گراز ی' کے زیر کمان فرانس کا زبردست بحری بیڑہ کارن ویلیس کے لئے کمک لانے والے برطانوی بحری دستوں کو للکارتے اور انکی قوت کو منتشر کرتے ہوئے یارک ٹاؤن کی بندرگاہ پر پہونچ گیا تھا۔

ایک طرف تو واشنگٹن اور لافیٹ جزیرہ نما کے جنوب کی طرف پیش قدمی کرتے رہے تاکہ برطانوی افواج کے بھاگنے کا واحد خشکی کا راستہ بند کردیا جائے اور دوسری طرف 'دی گراز ی' نے بحری راستوں کی ناکہ بندی کردی۔ اسکے علاوہ انہوں نے تین ہزار مزید فرانسیسی فوج خشکی پر اتار دی تاکہ کارن ویلیس کی افواج کا زیادہ بہتر طور پر محاصرہ کیا جاسکے۔ کارن ویلیس کے لئے حالات نے مایوس کُن شکل اختیار کرلی تھی۔ افواج کی تعداد میں بھی غنیم کو اسپر زبردست فوقیت حاصل تھی۔ کوئی اور صورت نہ دیکھکر ویلیس نے نہایت بہادری سے غنیم پر متواتر حملوں کا سلسلہ شروع کردیا مگر وہ بے نتیجہ ثابت ہوئے۔ آخر کار مجبور ہو کر ۱۹ اکتوبر ۱۷۸۱ء کو اُسنے ہتھیار ڈالدئے۔

خدایا یہ کیا ہوگیا! "برطانوی وزیر اعظم لارڈ نارتھ یارک ٹاؤن کے معرکہ کا انجام سنکر چیخ پڑا۔ برطانیہ کے وقار پر یہ ایک کاری ضرب تھی۔ برطانوی عوام نے جو اس مسلسل خانہ جنگی سے تنگ آچکے تھے، امن کی بات چیت کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ ہر شخص نے جنگ کے خاتمہ پر اطمینان ظاہر کیا سوائے شاہ جارج کے جو امریکی علاقوں کے اس طرح ہاتھ سے نکل جانے پر غصہ سے پاگل ہو رہا تھا۔ برطانیہ میں نئی وزارت برسر اقتدار آئی جس نے پیرس میں بنجمن فرینکلن کو

اس بات کی اطلاع دی کہ برطانیہ صلح کی بات چیت کرنے پر رضامند ہے۔

متضاد مفادات رکھنے کے باعث آخری اور فیصلہ کن سمجھوتے کی راہ میں جو پیچیدگیاں اور رکاوٹیں پیدا ہو گئی تھیں انکو دُور کرنیکے لئے فرینکلن، جان آدمز اور جان جے جیسے مدبران کو اپنی پوری فنی صلاحیتیں بروئے کار لانے کی ضرورت پیش آئی۔ فرانسیسی امریکی معاہدے کے تحت کوئی بھی ایک ملک برطانیہ سے اسوقت تک سمجھوتہ کرنیکا مجاز نہ تھا جبتک دوسرا ملک بھی آمادہ نہ ہو۔ چنانچہ ایک طرف تو برطانیہ اور امریکہ ایک دوسرے سے امریکی شرائط پر صلح کی بات چیت کرنے پر آمادہ تھے اور دوسری طرف فرانس اور اس کا اتحادی اسپین گہرے سمندروں اور خشکی پر برطانیہ سے برسرپیکار تھے اور اس بات کی جان توڑ کوشش میں مصروف تھے کہ کسی طرح سے جبرالٹر پر قبضہ کرلیں۔

۱۷۸۲ء میں یہ حقیقت صاف طور پر واضح ہو گئی فرانسیسی حکومت کو امریکی مفادات کے تحفظ کی اتنی فکر نہیں ہے جتنی اسے اپنی اور اسپین کی ہے۔ فرانسیسی وزیر درجے نیز نے یہ تجویز پیش کی کہ نئی امریکی جمہوریہ کی سرحدیں ایک مرتبہ پھر صاف ایپالا چینز' تک محدود کردی جائیں اور ان مغربی علاقوں کا کنٹرول جسے کلارک نے امریکہ کے لئے فتح کیا تھا' بیرونی طاقتوں اور خاص طور سے اسپین کے سپرد کر دیا جائے۔

سیاسی حکمت عملیاں متضاد مفادات کو یکجا کردیتی ہیں۔ برطانیہ اور امریکہ دونوں یہ نہیں چاہتے تھے کہ تاریخ کے پرانے کھنڈروں پر امریکہ میں ایک مرتبہ پھر فرانسیسی اسپینی حکومت کی سلطنت کا سنگِ بنیاد رکھا جائے۔ اس زود حس اور پیچیدہ ماحول میں برطانوی اور امریکی سفارتی نمائندوں نے خفیہ طور پر ایک سمجھوتہ کرلیا جس میں اس بات پر اتفاق رائے ہو گیا کہ نئی جمہوریہ کی سرحدوں کا سلسلہ اندازاً بحر وقیانوس کے ساحل سے دریائے مسیسیپی تک اور گریٹ لیکس، سے فلوریڈا تک ہوگا۔

اس خفیہ معاہدے کی اطلاع پاکر ورجے نیز کو سخت اشتعال آیا۔ لیکن بنجمن فرینکلن

کے تدبر اور برطانوی بحریہ کی مسلسل فتوحات کی خبروں کے باعث آخرکار اسے دبنے اور سمجھوتے کی توثیق کرنے پر مجبور ہونا پڑا۔ اس طرح ۳ ستمبر ۱۷۸۳ء کو پیرس کے سمجھوتے پر دستخط ہو گئے جس میں جنگ کے خاتمہ کا اعلان کر دیا گیا۔

امریکہ کیلئے یہ سمجھوتہ نہایت فائدے مند تھا۔ برطانیہ اور فرانس کے متضاد مفادات کے درمیان پھنس جانے کے باوجود اس نے ایک دوسرے کی مخالفت کو ہوا دیکر زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھایا اور اس طریق عمل سے اس نے حسبِ خواہش ساری رعائتیں حاصل کر لیں۔ ان تمام علاقوں کو حاصل کر لینے کے علاوہ جو اس نے طلب کئے تھے، امریکہ کو دریائے مسیسپی میں جہازرانی کے حقوق اور کناڈا کے سواحل پر مچھلیاں پکڑنے کے اختیارات بھی حاصل ہو گئے۔

اس کے معاوضے میں امریکی کانگریس اس بات پر رضامند ہو گئی کہ وہ برطانیہ کی اس تشویش کو دور کرنے کی ہر ممکن کوشش کرے گی جو اسے ان وفادار امریکیوں کے بارے میں تھی جنہوں نے دوران جنگ برطانیہ کی امداد کی تھی۔ ان وفادار افراد نے امریکی اقتدار کے تحت سخت تکالیف برداشت کی تھیں۔ اُن کی زمینیں، گھر بار اور دولت سب چھن گیا تھا۔ برطانوی حکومت کی خواہش تھی کہ جہاں تک ممکن ہو سکے ان وفادار شہریوں کو ان کی ضبط شدہ املاک اور حقوق زیادہ سے زیادہ واپس مل جائیں اور کانگریس نے اس بات کا وعدہ کیا کہ وہ سب ریاستوں سے سفارش کریگی کہ ایسے اقدامات فوراً کئے جائیں۔ اس کے باوجود عملی طور پر ان سفارشات سے بے گھر اور پریشان وفادار طبقے کو کوئی خاص فائدہ نہیں پہونچا۔

حقیقت تو یہ ہے کہ جنگ انقلاب میں فتح حاصل کر لینے کے باوجود ریاست ہائے متحدہ میں نفاق بدستور موجود تھا۔ جنگ کے خاتمہ پر ایک معاہدے کے تحت جسے آرٹیکلز آف کانفڈریشن کہتے ہیں، یہ ریاستیں ایک دوسرے سے جزوی طور پر منسلک ہو گئی تھیں مگر اس کے باوجود لازمی طور پر یہ ریاستیں حکومت خود اختیاری کے نمونہ پر قائم تھیں اور اپنے اپنے مفادات کے تحت عمل پیرا ہوتی تھیں۔ کانگریس جو ان سب کی نمائندہ تھی، مالی طور پر دیوالیہ

ہو چکی تھی اور یہ صورت حال کئی برس سے چلی آ رہی تھی۔ ملک کی افواج کی تنخواہیں بند تھیں اور ان میں بددلی پھیل رہی تھی۔ فوج میں یقیناً بغاوت پھیل جاتی اگر اس کا ہیرو جنرل واشنگٹن سپاہیوں سے سبکدوش ہو کر خاموشی سے اپنے اپنے وطن واپس جانے کی جذباتی اپیل نہ کرتا۔

فتح اور آزادی حاصل ہو چکی تھی۔ مگر ساتھ ہی داخلی انتشار اور بدانتظامی بھی ورثہ میں ملی۔ اب یہ خود امریکیوں کے ہاتھ میں تھا کہ وہ ان حالات پر قابو حاصل کریں اور متحد ہو کر ایک دوسرے کے شانہ بشانہ اپنی مشترکہ منزل کی طرف نئے عزم سے گامزن ہوں۔

چوتھا باب

جمہوریہ کا قیام

امریکی انقلاب میں نوآبادکاروں کی کامیابی کے تقریباً دو سو برس بعد یہ سوال کرنا معقول معلوم ہوتا ہے کہ آخر اُسوقت کے محبّ وطن شہریوں نے فوری طور پر ایک مضبوط وفاقی حکومت کے قیام کی تجویز کی حمایت کیوں نہیں کی مُلک میں امن وامان قائم کرتی، مستحکم سکّے رائج کرتی اور صحتمند صنعت وحرفت اور تجارت کو فروغ دیتی۔ اس سوال کا جواب اِس حقیقت میں مخفی ہے کہ اُسوقت تک تمام ریاستیں خود کو آزاد ملک کی حیثیت سے تصوّر کرتی تھیں۔ یہ ریاستیں ایک دوسرے کے ساتھ مِلکر ناقابلِ تقسیم واحد قوم بن جانے کے تصوّر کو اُسی شک وشبہ کی نظر سے دیکھتی تھیں جس طرح موجودہ دور میں یورپی ممالک ایک دوسرے کے ساتھ ملکر اٹوٹ وفاقی یونین بنانے میں پس وپیش کر رہے ہیں۔

برطانیہ کے ساتھ جنگ کے دباؤ کے باعث امریکی نوآبادیوں نے غنیم کے خلاف ایک قسم کا متحدہ محاذ بنانے میں کامیابی حاصل کر لی تھی۔ برِاعظمی کانگریس نے جوان سب کی نمائندگی کر رہی تھی، جدوجہدِ آزادی کو جاری رکھنے کیلئے مالی امداد طلب کی اور وہ اسے ملتی رہی۔ اس کے علاوہ اس نے دوسری اقوام کے ساتھ معاہدے بھی کئے۔ تاہم تحریری

طور پر کوئی ایسا قانون یا آئین موجود نہیں تھا جسکے تحت کانگریس کو یہ اختیار حاصل ہوتا کہ وہ ملک کے تمام عوام کے نام پر کوئی اقدام کر سکے۔

آرٹیکلز آف کانفڈریشن، کے ذریعہ وفاقی حکومت کے قیام کی غرض وغایت اور مقاصد سے متعلق چند دفعات منظور کر کے اس بنیادی خامی کو دور کرنیکی کوشش کی گئی۔ اِن دفعات کی تجویز ۱۷۷۷ء میں پیش کی گئی تھی مگر کانگریس نے مارچ ۱۷۸۱ء سے قبل اس کی توثیق نہیں کی۔ "میری لینڈ" کی قابلیت اور دُور اندیشی اِس تاخیر کی ایک بنیادی وجہ ہے۔ یہ محسوس کر کے کہ متعدد ریاستیں مغربی علاقوں کے مختلف حصّوں پر اس بنا پر اپنی ملکیت کے دعوے کر رہی ہیں کہ ان کو وہاں تحقیق کرنے اور آراضی کو ترقی دیکر کام میں لانے کی رعائتیں حاصل ہیں جبکہ بہت سی دوسری ریاستیں اس قسم کے دعوؤں کی مجاز نہیں ہیں میری لینڈ نے آرٹیکلز پر اسوقت تک دستخط کرنے سے انکار کر دیا جبتک ایلے گھینیز اور مسی سپی کے درمیاں واقع تمام علاقے کو قومی ملکیت قرار دیکر ریاست ہائے متحدہ کے حوالے نہ کر دیا جائے۔ اسکا مطلب یہ تھا کہ تمام نئے علاقے چند ریاستوں کے قبضہ میں چلے جانے کے بجائے قومی حکومت کے زیر انتظام آجائیں اور اس طرح یہ علاقے آباد کاروں کے ہاتھ فروخت کر کے کانگریس اپنی آمدنی میں اضافہ کر سکے جسکی شدت سے ضرورت تھی۔ اس شرط پر اصرار کر کے میری لینڈ نے نازک دور سے گزرنے والے ملک کے قومی اختیارات کو مستحکم کرنے میں زبردست خدمت انجام دی۔

آرٹیکلز آف کنفڈریشن بذات خود نہایت کمزور اور بھونڈے تھے۔ بلا لحاظ آبادی اور رقبہ ہر ریاست کو کانگریس میں ایک ووٹ حاصل تھا اور کسی بھی قانون کی منظوری کے لئے تیرہ میں سے نو ووٹ کی اکثریت درکار تھی۔ آرٹیکلز میں ترمیم کرنے کیلئے پورے تیرہ ووٹ حاصل کرنا ضروری تھا۔

کانگریس کو جنگ یا صلح کا اعلان کرنیکا اختیار حاصل تھا۔ وہ رقوم قرض لے سکتی تھی،

سفارتی نمائندوں کا تقرر کر سکتی تھی، بیرونی ممالک کے سفیروں کی منظوری دے سکتی تھی اور امور خارجہ اور انڈین باشندوں کے معاملات کو انجام دینے کی مجاز تھی۔ ان ذمہ داریوں کا دائرہ بہت وسیع تھا اور ان اقدامات سے پورے ملک کے عوام کے مفادات وابستہ تھے۔ لیکن ملک میں انتظامیہ کا کوئی ایسا شعبہ موجود نہ تھا جو کانگریس کے ذریعہ منظور کئے گئے قوانین کو عملی جامہ پہناتا۔

جب امریکی شہریوں کی انفرادی زندگی میں باقاعدگی پیدا کرنیکا سوال آیا تو اس مرحلہ پر کانگریس نے ریاستوں کے آگے اپنے آپ کو بالکل بے دست و پا محسوس کیا۔ وہ کسی بھی شہری کو ٹیکس ادا کرنے پر مجبور نہیں کر سکتی تھی اور نہ ہی ٹیکس ادا کرنے والے افراد کے خلاف قانونی چارہ جوئی کر سکتی تھی۔ کانگریس کو یہ اختیار بھی نہ تھا کہ کسی تندرست اور صحتمند فرد کو فوجی ضروریات کے لئے طلب کر سکے خواہ اسکی کتنی بھی ضرورت کیوں نہ ہو۔ آرٹیکلز کے تحت تمام ریاستیں آزاد اور خود مختار حکومتیں تسلیم کر لی گئی تھیں اور انکی مجالس قانون ساز کو یہ فیصلہ کرنے کا اختیار دیدیا گیا تھا کہ وہ قومی فلاح وبہبود کے لئے کس حد تک تعاون کرنیکو تیار ہیں۔

ان لوگوں کیلئے جو ملکی نظام کو ایک مضبوط قومی مرکز کی شکل میں ڈھالنا چاہتے تھے صورت حال دن بدن ابتر ہوتی گئی۔ ریاستیں ٹنوں کے حساب سے بیکار کاغذی نوٹ جاری کر رہی تھیں اور شدید تجارتی مقابلوں میں ایک دوسرے کی مصنوعات پر محصول عائد کر رہی تھیں۔ کانگریس کی حیثیت محض ایک تماشائی کی تھی اور وہ ریاستوں کو ان اقدامات سے باز رکھنے سے مجبور تھی۔ صاحب حیثیت لوگ ان حالات کا سب سے زیادہ شکار ہو رہے تھے۔ سرکاری تمسکات خریدنے والوں کے دیکھتے ہی دیکھتے ان کی ہنڈیوں کی قیمت ایک ڈالر سے گھٹ کر دس سینٹ رہ گئی۔ بڑے بڑے صنعتکار اپنا کاروبار بند کرنے پر مجبور ہو گئے۔ کیونکہ بیرونی مقابلوں سے انکی مصنوعات کے تحفظ کے لئے درآمد ہونیوالی اشیاء پر قومی پیمانے پر محصول نہیں عائد کئے گئے اور سرحدوں پر آباد مالکان آراضی کاروبار کرنے کے لائق نہیں رہے کیونکہ ملک کی فوج اسقدر کمزور تھی کہ وہ سرحدی علاقوں کو انڈین باشندوں کے دست برد سے محفوظ نہیں رکھ سکتی تھی۔

ان ناسازگار حالات میں بھی ایک ٹھوس کارنمایاں انجام دیا گیا۔ مغربی علاقے قومی تحویل میں لے لینے کے بعد کانگریس نے دریائے اوہیو اور گریٹ لیکس کے درمیانی علاقے کو ایک یونٹ میں تبدیل کر کے اسے شمال مغربی علاقہ قرار دیدیا اور اسے ایک گورنر اور تین ججوں کے زیرِ انتظام کر دیا۔ اس علاقے کے آباد کاروں کو سیاسی اور مذہبی آزادی کی پیش کش کی گئی، عوامی تعلیم مفت کر دی گئی اور غلامی کا مکمل طور پر خاتمہ کر دیا گیا۔ آبادی بڑھ جانے کے بعد اس علاقے کو آزاد ریاست کی حیثیت دیدی گئی اور اس کا درجہ یونین میں شامل دوسری ریاستوں کے مساوی کر دیا گیا۔ اس طرح مستقبل کی توسیع کے لئے ایک نمونہ قائم کر دیا گیا۔ اس اقدام نے حکومت کے اس عزم کو بھی مکمل طور پر واضح کر دیا کہ وہ ہر علاقے کے شہری کو ایک امریکی کی حیثیت سے سارے حقوق دینے کو تیار ہے۔

اس عرصہ میں میسے چوسیٹز میں ایک سنگین واقعہ پیش آیا جس نے قومی حکومت کی ازسرِ نو تشکیل کے بڑھتے ہوئے مطالبے کو اور قوی کر دیا۔ جنگ انقلاب کے ایک سابق کپتان ڈینیل شیز کے زیرِ قیادت قرضوں میں جکڑے ہوئے شہریوں کے ایک گروہ نے حکومت کی اقتصادی پالیسی کے خلاف احتجاج بلند کرتے ہوئے بغاوت کر دی اور اسپرنگ فیلڈ میں واقع حکومت کے اسلحہ خانے پر حملہ کر دیا۔

حکومت کی فوج نے آخر کار شیز کی اس بغاوت کو کچل دیا مگر ملک میں بڑھتی ہوئی اس لاقانونیت اور تشدد دانہ کارروائیوں نے سارے ملک کو خوفزدہ کر دیا۔

کچھ عرصہ قبل سے ہی بارسوخ افراد جن میں جارج واشنگٹن بھی شامل تھا، کمزور مرکزی حکومت کے خطرات سے عوام کو آگاہ کر رہے تھے۔ ریاستوں کے گورنروں کے نام ایک گشتی خط میں واشنگٹن نے لکھا "کہیں نہ کہیں ایک اعلیٰ اقتدار کا قیام عمل میں آنا چاہئے جو کنفیڈریٹ جمہوریہ سے متعلق عام امور کو منضبط کرنے کا اختیار رکھتا ہو۔ اس اقدام کے بغیر یونین کا قیام مستقل اور دیرپا نہیں ہو سکتا۔" جنرل کی یہ پیشینگوئی

اس وقت صحیح ثابت ہوگئی جب کانگریس نے نہایت تاسّف کے ساتھ قومی امور کو سرانجام دینے میں خود اپنی ناکامی کا اعتراف کرلیا۔ اس کے اجلاسوں میں شرکت کرنے والے نمائندوں کی تعداد اتنی کم ہوگئی کہ کورم پورا کرنے کے لئے ممبروں کی مقرّرہ تعداد بھی نہ رہی۔ چنانچہ ایک مختصر عرصہ کے لئے ریاستہائے متحدہ کی کوئی حکومت نہ رہی۔

میری لینڈ اور ورجینیا کے درمیان دریائے پوٹومیک کی تجارت پر ملکیت کے تنازعے نے اس بات کا موقعہ فراہم کردیا کہ ریاستوں کے مابین اشتراک کے مسئلہ پر گفتگو کی جائے۔ اس موقعہ سے مضبوط مرکزی حکومت کے قیام کے حامیوں نے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ دونوں ریاستوں کے کمشنروں کو غیر رسمی گفتگو کے لئے واشنگٹن کی قیام گاہ پر مدعو کیا گیا جو دریائے پوٹومیک کے ساحل پر ماؤنٹ ورنان میں واقع تھا۔ جلد ہی یہ حقیقت نمایاں ہوگئی کہ دوسری ریاستوں کے مفادات بھی اس سے وابستہ ہیں۔ آخر کار یہ طے کیا گیا کہ مشترک تجارتی مسائل کا جائزہ لینے کی خاطر اگلے سال اناپولیس کی ایک میٹنگ میں شرکت کیلئے تمام ریاستوں کو اپنے نمائندے بھیجنے کی دعوت دی جائے بین الریاستی تجارت کو کنٹرول کرنے والے کسی ادارے کی غیر موجودگی آرٹیکلز آف کنفڈریشن کی ایک بڑی خامی تھی۔

سنہ ۱۷۸۶ء میں منعقد ہونے والی اناپولیس کی میٹنگ میں صرف پانچ ریاستوں نے شرکت کی۔ وفود کی تعداد کی اس کمی کو ان کی اہلیت اور مصمم ارادے نے پورا کردیا۔ بنیادی تحریک پیش کرنے والا نیویارک کا ایلیگزینڈر ہیملٹن تھا جسکی جائے پیدائش ویسٹ انڈیز تھی جنگِ انقلاب کی تمام مدت میں اس نے واشنگٹن کے زیرِ قیادت نہایت شاندار خدمات انجام دی تھیں اور جنرل کا گہرا دوست تھا۔ ہیملٹن ایک مضبوط حکومت میں نہایت شدت سے یقین رکھتا تھا اور اس بات کا احساس کرکے کہ اس کے کانفرنس کے ساتھی تجارتی معاملات کے علاوہ دوسرے موضوع پر بھی بات چیت کرنے پر آمادہ ہیں بلکہ خود آرٹیکلز آف کنفڈریشن پر نظرثانی

کے لئے تیار ہیں، ہیملٹن نے تجویز پیش کی کہ حکومت کی ساخت کا نئے سرے سے جائزہ لینے کی خاطر ۱۷۸۷ء میں فلاڈلفیا میں ایک اور اجتماع بلایا جائے۔ کانگرس نے ہیملٹن کی یہ تجویز منظور کر لی اور ایک مرتبہ پھر تیرہ ریاستوں کو فلاڈلفیا اجتماع کیلئے دعوت نامے روانہ کئے گئے۔

اس دعوت نامے کا زیادہ پُر جوش خیر مقدم کیا گیا اور رہوڈ آئی لینڈ کے علاوہ تمام ریاستوں نے اپنے نمائندے بھیجے۔ یہ اجتماع سر برآوردہ قدامت پسند افراد پر مشتمل تھا جس میں پیشہ ور، تاجر اور مزارع شامل تھے۔ انقلاب کے سرآوردہ اور بانی لیڈروں کی اس اجتماع سے غیر حاضری نمایاں طور پر محسوس کی جا رہی تھی جو کسی بھی مرکزی قیادت کو شک و شبہ کی نظر سے دیکھتے تھے۔ میسے چوسٹیز کے وفد میں جان ہان کاک اور سموئیل آدمز کو شامل نہیں کیا گیا تھا اور پیٹرک ہنری کو اگرچہ ورجینیا سے منتخب کر لیا گیا تھا مگر اُسنے یہ کہکر وفد میں شرکت کرنے سے انکار کر دیا کہ " دال میں کچھ کالا ہے"۔

یہ اجتماع اسی کمرے میں منعقد ہوا جہاں اب سے گیارہ برس قبل کانگرس نے محفر آزادی کی منظوری دی تھی۔ اس آئینی اجتماع نے جارج واشنگٹن کو کرسئ صدارت کے لئے منتخب کر لیا اور بنجمن فرینکلن، ایلیگزینڈر ہیملٹن، جیمز میڈیسن، جان ڈکنس اور گورنر مارس جیسے مفکرین کے خیالات سے آگاہی حاصل کرنے کی خاطر جلسے کی کارروائی کا آغاز کیا۔ کارروائی کے آغاز سے ہی بیشتر مقررین کے خیالات واضح ہو گئے تھے۔ ان کے یہاں آنے کا مقصد صرف ناقص اور ناکارہ آرٹیکلز میں ترمیم کرنا ہی نہیں تھا بلکہ وہ اُسے یکسر رد کر کے ایک نئی طرز حکومت کی بنا ڈالنے کے خواہش مند تھے۔ ان ارکان سے مخاطب ہوتے ہوئے جو اکثریت کے خیالات کے مخالف تھے اور نہایت محتاط قدم اٹھانے کے حامی تھے واشنگٹن نے اعلان کیا " اس کے امکانات موجود ہیں کہ ہمارے تجویز کئے ہوئے منصوبے نامنظور کر دئے جائیں۔ غالباً ایک اور خطرناک تصادم سے دوچار ہونا پڑے۔

اگر صرف لوگوں کو خوش کرنے کے لئے ہم ایسی تجویز پیش کریں جو خود ہم کو ناپسند ہیں تو آگے چلکر ہم کس طرح اپنے اقدامات کو درست قرار دے سکیں گے۔ آئیے ہم ایک ایسا معیار قائم کریں۔ جو عاقل اور مخلص افراد کے لئے مشعل راہ کا کام دے۔ کامیابی خدا کے ہاتھ میں ہے۔" واشنگٹن کے ان الفاظ سے متاثر ہو کر وفود نے ایک مستحکم یونین قائم کرنے کیلئے اپنی اپنی تجاویز پیش کیں۔

دو اہم منصوبے پیش کئے گئے۔ ایک ورجینیا نے پیش کیا جو بڑی بڑی ریاستوں کی نمائندگی کر رہی تھی اور دوسرا نیوجرسی نے جو چھوٹی ریاستوں کی نمائندہ تھی۔ ورجینیا نے صحیح معنوں میں ایک قومی طرزِ حکومت کا منصوبہ پیش کیا جو تین حصوں پر مشتمل تھا۔ انتظامیہ، عدلیہ اور قانون ساز ادارہ۔ قانون ساز ادارہ دو ایوانوں کے ایک کانگریس پر مشتمل تھا جسکے ایوان بالا یا سینیٹ میں ہر ریاست کی نمائندگی اس کے رقبہ اور دولت کے تناسب سے ہونا تھی۔ ایوان زیریں یا ایوانِ نمائندگان کے ممبروں کا انتخاب ہر ریاست کے عوام کو کرنا تھا۔

ورجینیا کے اِس منصوبے کا سب سے اہم اور قابلِ ذکر پہلو یہ تھا کہ اس میں ریاستی مجالس قانون ساز پر کاری ضرب لگائی گئی تھی۔ اب ریاستوں کیلئے یہ ممکن نہیں رہا تھا کہ وہ صرف اپنے مفاد کی خاطر اقدامات کریں اور ایسے مرکزی قوانین کو رد کر دیں جسے وہ ناپسند کرتی ہوں۔ اس منصوبے کے تحت ہر ریاست کے باشندوں کو امریکی کانگریس میں براہِ راست نمائندگی حاصل تھی اور وہ اس کانگریس کے تابع تھے۔ مثال کے طور پر اگر ریاست کانکٹی کٹ محصول کے کسی قانون کی مخالف ہے مگر کانگریس کی اکثریت اس کی حامی ہے اور اسے منظور کر لیتی ہے تو ایسی صورت میں کانکٹی کٹ کو اپنی ساتھی ریاستوں کی خواہش کے آگے سرِ تسلیم خم کرنا پڑے گا اور اسے اس قانون کو ماننا پڑے گا۔

نیوجرسی کا منصوبہ اس سے زیادہ محتاط اقدامات کا حامل تھا۔ عوام کی براہ راست نمائندگی کے نظام کے تحت جیسا کہ ورجینیا نے تجویز کیا تھا، چھوٹی ریاستوں کو اپنی انفرادی حیثیت ختم ہو جانیکا خطرہ تھا۔ انہیں ڈر تھا کہ ایک ایک کر کے ہر مسئلہ پر وفاقی حکومت

ان کے مفادات کو کچل کر رکھدے گی کیونکہ بڑی بڑی ریاستیں اپنے وسیع رقبہ اور تعداد کی زیادتی کے باعث من مانے قوانین منظور کرالیں گی اور اس طرح اپنے مطلب کے لئے چھوٹی ریاستوں کے مفادات قربان کر دیں گی۔ اس خطرے کے پیش نظر نیو جرسی نے صرف ایک ایوان پر مشتمل کانگریس کے قیام کی تجویز پیش کی جس میں ہر ریاست کو یکساں نمائندگی حاصل ہو جیسا کہ آرٹیکلز آف کنفیڈریشن کے تحت حاصل تھا مگر اس کانگریس کو وسیع اختیار حاصل تھے جن کے ذریعہ وہ ٹیکس اور تجارتی پابندیاں عائد کر کے ریاستوں کی من مانی کارروائیاں روک سکتی تھی اور انہیں اپنے زیر اختیار لا سکتی تھی۔ اسکے باوجود نیو جرسی منصوبہ میں ریاستی حکومتوں کی خود مختاری برقرار رکھنے پر کافی زور دیا گیا تھا۔ اور ان میں رہنے والے عوام کے بجائے خود ریاستوں کو قومی حکومت کی پالیسیوں کی تشکیل کا اختیار دیا گیا تھا۔

اگرچہ ورجینیا اور نیو جرسی کے منصوبے معانی اور وسعت کے اعتبار سے ایک دوسرے سے بالکل مختلف تھے اس کے باوجود فلاڈلفیا اجتماع کے مندوبین کئی ہفتوں کے بحث و مباحثہ، مصالحتوں اور ترمیموں کے بعد اتفاق رائے سے ایک تجویز منظور کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اس تجویز کے تحت کانگریس دو ایوانوں پر مشتمل ہونا تھی جیسا کہ ورجینیا نے تجویز کیا تھا لیکن ایوان بالا میں تمام ریاستوں کو یکساں نمائندگی حاصل تھی جس کے لئے ہر ریاست اپنی آبادی کے تناسب سے کانگریسی نمائیدوں کی تعداد کا تعین کرے گی۔ ان نمائیدوں کا انتخاب ورجینیا منصوبے کی سفارشات کے مطابق براہ راست عوامی ووٹوں سے ہونا تھا۔

یہ سب سے بڑا تنازعہ تھا جس سے ان وفود کو دو چار ہونا پڑا اور اس کو آسانی سے حل نہیں کیا جا سکا۔ مثال کے طور پر جنوب نے یہ مطالبہ کیا کہ اگرچہ اسکی ریاست کے نیگرو غلاموں کی کثیر آبادی کو ووٹ دینے کا حق نہیں تھا اس کے باوجود ان کو ریاست کی آبادی میں شمار کیا جائے تاکہ انکی ریاستوں کو کانگریس میں زیادہ نمائندگی کا حق حاصل ہو۔ آخر میں

یہ طے پایا کہ ریاستوں کے غلاموں کی تین چوتھائی آبادی کو آزاد شہریوں کے ساتھ شمار کیا جائے۔

غیر مبہم اور واضح الفاظ میں مُلک کے نئے آئین نے ریاستوں سے انکے خود مختارانہ اختیارات چھین لیئے اور اُنہیں مُلک کے تمام عوام کو تفویض کر دیے جنہیں وہ کچھ صورتوں میں قومی حکومت کے ذریعہ اور کچھ میں ریاستی حکومتوں کے توسط سے استعمال میں لا سکتے تھے۔ وفاقی قانون کو مُلک کا سب سے بڑا قانون قرار دیدیا گیا اور ہر ریاست کے جج اسکے پابند بنا دئے گئے چاہے مُلک کے آئین یا ریاستی قوانین میں کوئی دفعہ اس کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ اسکے بعد سے ریاستوں پر سمجھوتے اور معاہدے کرنے، جنگ کرنے، سکے رائج کرنے اور ایک دوسرے کی مصنوعات پر محصول عائد کرنے کی پابندی لگا دی گئی۔ ریاستی حکومتوں سے اختیارات کی اس منتقلی کے معاوضہ میں آئین میں اس بات کا اعلان کر دیا گیا کہ "ریاست ہائے متحدہ، یونین میں شامل تمام ریاستوں میں جمہوری طرز کی حکومت کے قیام کی ضمانت دیتی ہے اور ہر ریاست کو بیرونی حملوں سے محفوظ رکھنے کی ذمہ داری لیتی ہے۔"

اِن تمام تبدیلیوں کے باوجود ریاستیں وفاقی حکومت کی محض دست نگر ہو کر نہیں رہ گئی تھیں۔ اوّل تو انہیں کانگریس میں نمائندگی حاصل تھی اور وہاں کسی قانون کی موافقت یا مخالفت میں اپنا اثر استعمال کر سکتی تھیں، دوئم اپنے حدود کے اندر عوامی فلاح و بہبود سے متعلق بیشتر امور پر انہیں مکمل اختیار حاصل تھا اور یہی وہ مسئلہ تھا جس پر تمام ریاستیں نہایت حساس تھیں۔ چنانچہ ریاستی مجالس قانون ساز اب بھی بدستور اپنے عوام کی جان و مال کی محافظ تھیں، تجارت اور اسٹیٹ بینک کے امور کو کنٹرول کرتی اور انہیں منضبط کرتی تھیں، شادی اور طلاق کے قوانین بناتیں اور اس پر عمل پیرا ہوتیں، عوام کے لئے تعلیم کا بندوبست کرتیں، نہریں، سڑکیں اور شاہراہیں تعمیر کرتیں اور مقامی سطح پر اس قسم کے سینکڑوں دوسرے امور انجام دیتی تھیں۔

وفاقی آئین کے تحت قومی حکومت تین صیغوں پر مشتمل تھی، مقننہ، انتظامیہ اور عدلیہ تینوں صیغوں کو کسی نہ کسی صورت میں ایک دوسرے پر اختیار حاصل تھا اور اس طرح اس بات

کا تحفظ کیا گیا تھا کہ کوئی صیغہ ضرورت سے زیادہ با اختیار یا خود مختار نہ ہو جائے۔ بنیادی حقوق کے تحفظ کے لئے کافی غور و خوض سے اختراع کیا ہوا یہ نظام "روک تھام اور توازن" کا نظام کہلایا۔

مُلک کی مجلس قانون ساز یعنی کانگریس کو قومی فلاح و بہبود اور امور خارجہ سے متعلق متعدّد قوانین جاری کرنے کے اختیارات دیئے گئے۔ اس کے سب سے زیادہ اہم مخصوص فرائض ٹیکس وصول کرنا، قرضہ جات کا انتظام کرنا، بین الریاستی اور بیرونی تجارت کو متوازن اور کنٹرول کرنا، سکّے کا یکساں نظام رائج کرنا، مسلح افواج تیار کرنا اور انہیں قائم رکھنا، ریاست ہائے متحدہ کے علاقوں کا انتظام کرنا اور نئی ریاستوں کو یونین میں شامل کرنا تھے۔ کانگریس ریاست ہائے متحدہ کی عام فلاح و بہبود کیلئے وقتاً فوقتاً رقوم مخصوص کر سکتی تھی اور اس کو جو مخصوص اختیارات حاصل تھے ان پر عمل پیرا ہونے کیلئے تمام ضروری اور مناسب قوانین بنا سکتی تھی۔ ان اختیارات کے باعث کانگریس صحیح معنوں میں ایک طاقتور مرکزی قوت بن گئی تھی۔ آمدنی میں اضافے کی خاطر نئے قوانین کی منظوری کا اختیار صرف ایوان نمائندگان کو حاصل تھا اور اس طرح عوامی اخراجات کو کنٹرول کرنیکے اختیارات ایوان زیریں کو مل گئے تھے۔

انفرادی آزادی کی حفاظت کی ضمانت کیلئے ریاستی حکومتوں کی مانند کانگریس پر بھی چند اختیارات استعمال کرنے پر پابندی عائد کر دی گئی تھی۔ کانگریس اس بات کی مجاز نہیں تھی کہ وہ کسی فرد کے خلاف رِٹ دائر کرنے کے حق کو معطّل کر دے جس کے تحت کسی مشتبہ شخص کو زیرِ حراست رکھنے کیلئے پولیس کو عدالت کی منظوری حاصل کرنا ضروری ہے۔ صرف بغاوت اور بیرونی حملے کی صورت میں عوام کی سلامتی کے لئے کانگریس اِس اختیار کو استعمال کر سکتی تھی کوئی ایسا قانون منظور نہیں کیا جا سکتا تھا جسکے تحت بغیر مقدمے کے سزا دی جا سکے یا کسی ایسے جرم کی سزا دی جا سکے جو اس کے خلاف قانون قرار دئے جانے سے قبل سرزد ہوا ہو۔ کانگریس کو یہ اختیار بھی نہیں حاصل تھا کہ وہ تجارتی اور مالی معاملات میں کسی ایک ریاست کی بندرگاہ کو دوسرے

ریاست کی بندرگاہ پر فوقیت دے۔ اُسے امراء کو خطابات عطا کرنے کی اجازت بھی نہیں تھی۔

کانگریسی نمائندوں کی تنخواہوں کی ادائیگی مرکزی حکومت کی ذمہ داری تھی نہ کہ ان کی ریاستوں کی۔ یہ اقدام وفاقی حکومت کو مستحکم کرنے کی ایک اور کوشش تھی۔ سنیٹروں کا انتخاب چھ سال کی میعاد کیلئے ہونا تھا اور ایوان نمائندگان کے ممبروں کا انتخاب دو سال کیلئے۔ سینٹ میں ہر دوسرے سال ایک تہائی نئے ممبروں کا انتخاب ہونا تھا۔ اس طرح دو تہائی پرانے ممبروں کی موجودگی سینٹ کے لئے بڑی حد تک استحکام کا باعث ہوتی تھی۔

کانگریس کے منظور کئے ہوئے قوانین حکومت کے صیغہ انتظامیہ کے ذریعہ عمل لائے جاتے تھے۔ کانگریس کے تجویز کئے ہوئے ٹیکس وصول کرنا، کانگریس کی قائم کی ہوئی فوج کا انتظام کرنا اور منظور کئے ہوئے سکّوں کو جاری کرنا صیغہ انتظامیہ کے فرائض میں داخل تھا مختصر یہ کہ کانگریس کے جاری کئے ہوئے تمام قوانین پر عمل پیرا ہونے کیلئے ضرور اقدامات کرنا صیغۂ انتظامیہ کے ذمے تھا۔ صیغۂ انتظامیہ کا سربراہ ریاست ہائے متحدہ کا صدر تھا اور اس بات کی تمام تر ذمہ داری اس پر عائد ہوتی تھی کہ آیا نافذ کئے ہوئے قوانین پر صحیح طریقے سے عمل ہو رہا ہے یا نہیں۔ اس کی صدارت کی میعاد چار برس تھی۔ انتظامی امور میں اس کی معاونت کیلئے ایک نائب صدر تھا جسے سینٹ کے اجلاس کی صدارت کرنے کا اختیار حاصل تھا۔ اس کے علاوہ کانگریس کی منظوری سے ایسے منتظم عہدہ داروں کی تقرری بھی کی جا سکتی تھی جنہیں وہ ضروری سمجھتی ہو۔ اس قانونی دفعہ کے تحت صدارتی کابینہ کی تشکیل عمل میں آئی جس میں وزیر داخلہ، وزیر خارجہ، وزیر خزانہ، وزیر جنگ اور دوسرے صیغوں کے سربراہ شامل تھے۔ یہ افسران انتظامیہ کے افسر بالا کی معاونت کرتے اور اسی سے احکام حاصل کرتے تھے۔

تاہم کانگریس کے سامنے صدر کی حیثیت محض ایک آلۂ کار کی نہ تھی۔ آئین کے تحت یہ ضروری تھا کہ جو بھی بل پاس ہو اسے قانون بننے سے قبل صدر کی منظوری اور دستخط کیلئے پیش کیا جائے اور اگر صدر کو اس بل سے اتفاق نہ ہو تو وہ اسے نامنظور کر کے دوبارہ نظر ثانی کیلئے واپس کر سکتا تھا۔

اگر کانگریس اس بل کو دوبارہ دو تہائی اکثریت سے پاس کردے تو اس صورت میں یہ بل صدر کے دستخط کے بغیر ہی قانون بن جائیگا۔ صدر کا یہ حق تنسیخ ایک قوی آلہ تھا اور توازن اور روک تھام کے نظام کا ایک حصہ تھا جس کے ذریعہ حکومت کے تینوں صیغوں میں اختیارات کی مساوی تقسیم اور توازن کو برقرار رکھا جاتا تھا۔

ریاست ہائے متحدہ کا صدر بری اور بحری افواج کا کمانڈر انچیف بھی تھا۔ اور سینٹ کی دو تہائی اکثریت کی منظوری سے وہ بیرونی ممالک سے معاہدے بھی کر سکتا تھا۔ اسی طرح سینٹ کی منظوری سے وہ سفیروں، سپریم کورٹ کے ججوں اور دوسرے وفاقی افسروں کی تقرری کر سکتا تھا۔ اگر ضرورت محسوس ہو تو وہ کانگریس کا خاص اجلاس طلب کر سکتا تھا اور یونین کی ریاستوں سے متعلق اپنے سالانہ پیغام میں وہ کانگریس کے سامنے مختلف اقدامات کیلئے تجاویز پیش کر سکتا تھا۔ اس کے برخلاف (یہاں توازن اور روک تھام کا نظام پھر عمل پیرا ہوتا ہے) کانگریس صدر سے رشوت خوری، غدّاری یا کسی دوسرے سنگین الزام کے تحت جواب طلب کر سکتی تھی اور اسے صدارت کے عہدے سے ہٹا سکتی تھی۔

آئین کی تشکیل کرنے والے اس امر سے بخوبی واقف تھے کہ صدر کے اختیارات اور فرائض تفویض کر کے وہ جس شخصیت کی تشکیل کر رہے ہیں اس کی حیثیت محض حکومت کے آئینی سربراہ سے کہیں زیادہ ہو گی۔ صدر کو عوام کے خاص نمائندے کی حیثیت سے اپنے آپکو پیش کرنا تھا اور اپنی قیادت کے ذریعہ اُنمیں اتحاد پیدا کرنا تھا۔

انتظامیہ کے سربراہ کے انتخاب کیلئے ایک خاص نظام قائم کیا گیا تھا۔ ہر ریاست کو اپنے مروجہ قوانین کے ذریعہ رائے دہندگان کی ایک جماعت کا انتخاب کرنا ہوتا تھا جسکی تعداد کانگریس کے دونوں ایوانوں میں اس ریاست کے کُل نمائندوں کی تعداد کے برابر تھی۔ رائے دہندوں کی یہ جماعتیں پھر خفیہ قرعہ اندازی کے ذریعہ صدر کا انتخاب کرتی تھیں اور اگر

کسی امیدوار کو واضح اکثریت حاصل ہو جائے تو وہ صدر منتخب ہو جاتا تھا۔ دوسرے نمبر پر ووٹ حاصل کرنے والا نائب صدر ہو جاتا تھا۔ اگر کسی بھی امیدوار کو واضح اکثریت حاصل نہ ہو یا دو امیدواروں کو مساوی ووٹ حاصل ہوں تو اس صورت میں ایوان نمائندگان صدر کا انتخاب کرتا تھا جس میں ہر ریاست کو ایک ووٹ حاصل تھا۔

آئین کی تشکیل کرنیوالوں نے الیکٹرول کالج یعنی رائے دہندگان کا نظام اِس منصوبے کے تحت قائم کیا تھا کہ صدر کا انتخاب کانگریس یا مقننہ کے ذریعہ عمل میں نہ آئے اور اِسطرح وہ ان کے اثر سے بالا تر رہے۔ اس کے برعکس وہ ایک ایسی علیحدہ اور خود مختار جماعت کے ذریعہ منتخب کیا جائے جو مختلف ریاستوں کے سب سے زیادہ بااثر افراد پر مبنی ہو۔ شروع میں اِس بات کی امید کی جاتی تھی کہ رائے دہندگان خود اپنی آزاد رائے سے صدارتی امیدواروں کا انتخاب کریں گے۔ لیکن تقریباً ابتدا سے ہی وہ سیاستدانوں اور پارٹی لیڈروں کی مرضی کے تابع ہو گئے جو اپنی پسند کے صدارتی امیدواروں کے ناموں کی فہرست ان کو پیش کر دیتے تھے۔ آخر میں ہر ریاست میں کامیاب پارٹی کے رائے دہندگان خود بخود اپنی پارٹی کے امیدواروں کو ووٹ دینے لگے جنھیں الیکشن شروع ہونے سے بہت قبل ہی نامزد کر دیا جاتا تھا۔ سیاسی جماعتیں امیدواروں کو نامزد کرتیں، ہر ریاست کے رائے دہندگان پولنگ اسٹیشن پر ووٹ کے ذریعہ نامزد اُمیدواروں میں سے اپنی پسند کے امیدوار منتخب کر لیتے اور اسکے چند ماہ بعد کامیاب امیدوار ایک اجتماع کر کے الیکشن کے نتائج کی توثیق کر دیتے۔

حکومت کا تیسرا مقننہ یا قانونی محکمہ تھا جو سپریم کورٹ اور دوسری کم اختیارات والی ایسی عدالتوں پر مشتمل تھا جسے کانگریس نامزد کرے۔ قومی اور بین الریاستی نوعیت کے تنازعات کے فیصلے سپریم کورٹ کرتا تھا اور اس کے فیصلے آخری اور ناقابل تنسیخ ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ پھر اس موقع پر توازن اور روک تھام کے نظام کو عمل میں لایا گیا چیف جسٹس اور دوسرے آٹھ معاون ججوں پر مشتمل سپریم کورٹ کے ممبروں کی تقرری صدر سینٹ کی

منظوری سے کرتا تھا اور ان کی اور دوسری نچلی عدالتوں کے ججوں کی جواب طلبی کی جا سکتی تھی۔

وفاقی عدالتیں ریاستوں کے طول و عرض میں پھیلی ہوئی تھیں اور ہر شہری کو قومی حکومت کے زیر سایہ اس کے حقوق اور ذمہ داریوں کا احساس دلانے میں مثالی کردار ادا کر رہی تھیں۔ اگر کوئی شخص وفاقی قوانین کی خلاف ورزی کرتا تو اس کے خلاف وفاقی عدالت میں قانونی چارہ جوئی کی جاتی اور جرم ثابت ہو جانیکی صورت میں اسے وفاقی جیل میں قید کی سزا دی جا سکتی تھی۔ اس کے برخلاف اگر وہ شہری اپنے خلاف کئے گئے فیصلے پر نظر ثانی کرانے کے حق میں مناسب دلیلیں پیش کر دے تو اسے اپنے مقدمے کو سپریم کورٹ تک میں پیش کرنیکا اختیار حاصل تھا۔ اس بات کی بھی گنجائش رکھی گئی تھی کہ کسی وفاقی قانون کے تحت ملزم قرار دئے جانے والا شخص آئین کے تحت خود اس قانون کی جائز حیثیت کو چیلنج کر سکتا ہے اگر وہ اس بنیاد پر مقدمہ جیت جاتا ہے تو وہ وفاقی قانون جس کے تحت اس کو ملزم گردانا گیا تھا، غیر آئینی قرار دیدیا جاتا اور اسے ملک کے دستور سے خارج کر دیا جاتا ملزم گردانا گیا تھا، غیر آئینی قرار دیدیا جاتا ہے اور اسے ملک کے دستور سے خارج کر دیا جاتا ہے۔ اس سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ حکومت ان عوام کے بنیادی حقوق کا کسقدر احترام کرتی ہے جنکے لئے وہ عالم وجود میں آئی ہے۔ ایک فرد قانونی کارروائیوں کے حدود میں رہتے ہوئے ایسے قانون کو نہ صرف چیلنج کر سکتا ہے جسے ریاست ہائے متحدہ کی کانگریس نے بنایا ہو اور صدر نے منظور کیا ہو بلکہ سپریم کورٹ سے درخواست کر سکتا ہے کہ اسے غیر آئینی قرار دیدیا جائے۔

قومی اور بین الاقوامی امور سے متعلق تمام تنازعات میں وفاقی عدالتوں کے نظام کو وسیع اختیارات حاصل تھے۔ ریاست ہائے متحدہ اور بیرونی ممالک کے درمیان کئے گئے معاہدوں اور سفیروں اور وزراء سے متعلق تمام تنازعات میں اسے فیصلے دینے کا اختیار حاصل تھا۔ کسی دو یا زائد ریاستوں کے مابین، کسی ایک ریاست کے شہریوں اور دوسری ریاست کے درمیان یا کسی دو ریاستوں کے درمیان پیدا ہونے والے نزاعی مسائل میں اسے ثالثی کے فرائض انجام دینے کا اختیار بھی حاصل تھا۔ وفاقی عدالتوں کے ان وسیع اختیارات

کے باوجود ریاستی اور مقامی عدالتوں کو دوسرے مختلف مسائل میں قانونی کارروائیاں کرنے کے وسیع مواقع موجود تھے اور ملک کے تمام علاقوں میں عام شہریوں سے متعلق بیشتر مقدموں کے وہی تصفیے کرتی تھیں۔

آئین کی آخری دفعات میں اس بات کی گنجائش رکھی گئی تھی کہ "بدلتے ہوئے حالات اور وقت کے تقاضوں کے تحت جب بھی ضرورت محسوس ہو دستور میں مناسب ترمیم اور اضافے کئے جاسکتے تھے۔ دونوں ایوانوں میں دو تہائی اکثریت سے کانگرس کسی ترمیم کی سفارش کر سکتی تھی۔ اس کے علاوہ اگر ریاستوں کی مقننہ کی دو تہائی اکثریت درخواست کرے تو مناسب سفارشات پیش کرنے کے لئے ایک کنونشن طلب کیا جاسکتا تھا۔ دونوں صورتوں میں ریاستی مقننہ کی تین چوتھائی تعداد کے اتفاق رائے سے کوئی ترمیم نافذ کی جاسکتی تھی اور اسے دستور میں شامل کیا جاسکتا تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ہی یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ دستور میں بہت کم ترمیموں کی ضرورت ہے اس لئے ملک کا دستور نہایت لچکدار بنایا گیا تھا اور کانگرس اور عدالتیں نہایت وسیع انداز میں اسکی دفعات کی تشریح کر سکتی تھیں۔

قوم کو داخلی و خارجی انتشار سے محفوظ رکھنے اور انکے مفادات کی پشت پناہی کی غرض سے ایک قابل عمل دستور پیش کرنیکی کوششیں تمام موسم گرما جاری رہیں۔ آخر کار ایک نہایت مضبوط متوازن اور قابلِ عمل قوانین وضوابط کا ڈھانچہ مربوط کر کے جس کے ذریعہ ریاست ہائے متحدہ کی حکومت کا قیام عمل میں لایا جاسکتا تھا، آئینی اجتماع کے وفود نے ۱۷ ستمبر ۱۷۸۷ء کو اپنی سرگرمیوں کے اختتام کا اعلان کر دیا۔ نہایت سنجیدہ پُروقار اور سنسنی خیز ماحول میں ممبروں نے دستاویز پر دستخط ثبت کر دئے۔ ان میں سے بیشتر ممبروں کے ذہن ایک غیر یقینی کیفیت سے دوچار تھے۔ ان کے ذہن میں بار بار یہ سوالات ابھر رہے تھے کہ ریاستوں سے انکے خود مختارانہ اختیارات سلب کر کے کہیں انہوں نے اپنے حدود سے تجاوز تو نہیں کیا ہے؟ کیا امریکی عوام انکی

پیش کردہ تجاویز کو خوشی سے قبول کر لیں گے؟ جس وقت وفود ایک دوسرے سے رخصت ہو رہے تھے، تو امریکہ کے ایک پرانے سیاستدان، عالمی سائنس داں اور فلسفی بنجمن فرینکلن نے سورج کی اس شبیہہ کو بنظرِ غور دیکھا جو جارج واشنگٹن کی کرسی کی پشت پر بنی ہوئی تھی اور یہ الفاظ کہے "اس اجلاس کی کارروائیوں کے دوران میں نے اس کے ماحصل کے نشیب و فراز کے متعلق امید و بیم کی کشمکش میں صدر کی پشت پر بنے ہوئے سورج کو بار بار دیکھا اس بات کا فیصلہ کئے بغیر کہ آیا یہ ابھرتا ہوا سورج ہے یا ڈھلتا ہوا۔ لیکن اب آخر کار میں وثوق سے یہ کہتے ہوئے خوشی محسوس کر رہا ہوں کہ یہ اُبھرتا ہوا سورج ہے، ڈھلتا ہوا نہیں۔"

وفود نے ایک زبردست کارنامہ سرانجام دیا تھا۔ کم سے کم الفاظ میں نہایت واضح طور پر انہوں نے ایسے اصول متعیّن کئے جو جمہوری حکومت کے قیام اور اس کے چلانے کے لئے شمع ہدایت کا کام دے سکیں۔ وہ اصول جو آج کے بدلے ہوئے زمانے میں بھی اتنے ہی کارآمد اور اہم خیال کئے جاتے ہیں جتنا اس وقت جب وہ متعیّن کئے گئے تھے۔ اگرچہ اس دیرپا آئینی دستاویز کی تیاری بہت سے افراد کی دماغی کاوشوں کا نتیجہ ہے مگر پھر بھی ورجینیا کے جیمز میڈیسن کو بابائے آئین کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے اور اس سلسلے میں اس کی بیش بہا خدمت کو بہت زیادہ سراہا جاتا ہے۔

فرضِ منصبی کی تکمیل کے بعد اس آئینی مسودہ کو کانگریس کے سامنے پیش کیا گیا۔ کانگریس نے یہ مسودہ ریاستوں کے سپرد کر دیا تاکہ ایک خاص کنونشن طلب کر کے وہ انفرادی طور پر اس کی توثیق کر دیں۔ آئین کو نافذ کرنے کے لئے نو ۹ ریاستوں کی منظوری کی ضرورت تھی اور اس طرح آئین کو منظور کرانے کے لئے ریاستوں کی رضامندی حاصل کرنے کا مرحلہ ابھی باقی تھا۔

اب مشکوک اور عجلت پسند ریاستوں پر اس آئین کے نفاذ کی زبردست جدوجہد کا آغاز ہو گیا۔ وفود نے آئین میں یہ دفعہ شامل کر کے نہایت دور اندیشی کا ثبوت دیا تھا

جس کے تحت آئینی مسودے کی توثیق ریاستوں کے کنونشن کو کرنا تھی نہ کہ ریاستی مقننہ کو جو ہرگز اس امر پر آمادہ نہ ہوتی۔ آئین سے ہمدردی رکھنے والے جو وفاقی کہلاتے تھے اس سلسلے میں اپنا اثر ورسوخ استعمال کر سکتے تھے۔ پنسلوانیا میں یہی صورت پیش آئی جہاں آئین سے موافقت رکھنے والے افراد نے فوری طور پر ایک کنونشن طلب کیا، ایک قرارداد کے ذریعہ آئینی مسودہ کو منظور کر لیا اور اس سے قبل کہ مخالف جماعتیں منظم ہو کر اپنا اجلاس طلب کرتیں، انہوں نے آئینی مسودہ کی توثیق کا اعلان کر دیا۔ وفاقی جماعت کے اس جوڑ توڑ اور سازشی کارروائی کے باعث پنسلوانیا میں فسادات پھیل گئے اور عام تشدد کی کاروائیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

میسے چوسیٹز میں وفاقیوں کے مخالفین کی تعدادات سے کہیں زیادہ تھی مگر یہاں پر بھی سیاسی حکمت عملی اور جوڑ توڑ سے کام لیا گیا۔ میسے چوسیٹز کنونشن کا صدر جان ہینکاک تھا۔ وفاقیوں نے اس مبہم وعدہ پر اس کو آئین کا حامی بنا لیا تھا کہ اسے نئی جمہوریہ کا نائب صدر منتخب کر لیا جائیگا۔ آخر کار نہایت معمولی اکثریت سے میسے چوسیٹز نے آئین کی توثیق کو منظور کر لیا مگر اس شرط کے ساتھ کہ اس میں بہت سی ترمیمیں کی جائینگی۔

آئین کے حامیوں نے اس بات کا پوری طرح اندازہ کر لیا تھا کہ صرف سیاسی ہتھکنڈے آئین کی منظوری حاصل کرنے کیلئے کافی نہیں ہیں۔ سیاسی تقریروں، بحث مباحثوں اور عوامی اخبارات کے ذریعہ ان لوگوں کی تنقیدوں اور نکتہ چینیوں کا جواب دینا بھی ضروری تھا جو آئین کی توثیق کی مخالفت میں جدوجہد کر رہے تھے۔ آئین کے نکتہ چینوں نے اس کی مخالفت میں یہ دلیل پیش کی کہ مجوزہ آئین مطلق العنان حکومت قائم کرنے کی ایک سازش ہے جس میں دولتمند طبقہ غریب عوام کے سروں پر اپنے کو مسلّط کرے گا۔ انہوں نے مزید تشریح کرتے ہوئے کہا کہ حکومت نہایت بے رحمی سے سیدھے سادھے عوام پر بھاری ٹیکس عائد کر دے گی، عوام کو مجبور کرے گی کہ وہ اپنے قرضوں کی ادائیگی ان مستحکم مروجہ سکوں میں کریں جو ان کے پاس نہیں ہیں۔ اور ان کو فوج میں جبراً بھرتی کر کے ایسی

جنگوں کی آگ میں جھونک دیگی جو وہ لڑنا نہیں چاہتے۔ نکتہ چینیوں نے مزید وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ آئین کا سب سے زیادہ تاریک پہلو یہ ہے کہ اس میں حقوق سے متعلق کسی ایسی دفعہ کی کوئی گنجائش نہیں رکھی گئی ہے جس کے تحت عوام کو بولنے کی آزادی، مذہبی آزادی اور اخبارات کی آزادی جیسے بنیادی حقوق کی ضمانت دی گئی ہو۔

فیڈرلسٹ پیپرز نامی ایک کتابچہ کے مضامین میں جو الیگزینڈر ہیملٹن، جیمز میڈلیسن اور جان جے جیسے ممتاز صحافیوں کے زور قلم کا نتیجہ تھے اور جسکی بے انتہا تشہیر و اشاعت ہوئی تھی، آئین کے مفید پہلوؤں پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی۔ ان مضامین میں فیڈرلسٹ مصنفین نے نہایت فراخدلی سے ان خطرات کا اقرار کر لیا جو بہت زیادہ بااختیار مرکزی حکومت میں پوشیدہ تھے۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے یہ بات بھی واضح طور سمجھائی کہ آرٹیکلز آف کنفیڈریشن نے پوری قوم کو کس طرح افراتفری میں مبتلا کر دیا تھا۔ نیز یہ کہ اب نظم وضبط اور قانون کے جمہوری نظام کو اپنا کر ہم کیا فائدہ اٹھا سکتے ہیں اور ملک کو ترقی کے راستے پر گامزن کر سکتے ہیں۔ انہوں نے مثال دیتے ہوئے سمجھایا کہ نئی حکومت میں ظلم و تشدد سے خوفزدہ ہونے کی ضرورت باقی نہ رہے گی جس طرح کہ ریاستی حکومتوں میں ہوتا تھا، جہاں خود غرض اور بااثر طبقہ نہایت آسانی سے مقننہ پر اقتدار حاصل کر لیتا تھا اور حکومت کو اپنی مرضی کے مطابق چلاتا تھا۔ 'فیڈرلسٹ پیپرز' کے ان معقول اور قرین عقل استدلال نے امریکی عوام پر نہایت گہرا اثر ڈالا اور بہت سے ایسے افراد کو وفاقیوں کے حق میں کر لیا جو ابتک آئینی مسودہ کو شک وشبہ کی نظر سے دیکھ رہے تھے۔

اس عرصہ میں ڈیلاویر، نیوجرسی اور جارجیا نے متفق الرائے ہو کر آئین کی فوراً ہی توثیق کر دی تھی اور باقی ریاستیں ۱۷۸۸ء کے اوائل میں اسکی حامی ہو گئیں۔ چنانچہ جب جون میں نیوہیمپ شائر نے آئین کی توثیق کی تو اس کے نفاذ کے لئے نو۹ ضروری ووٹوں کی تعداد پوری ہو گئی لیکن دو بڑی ریاستیں ورجینیا اور نیویارک ابھی تک اس نزاعی مسئلے

میں الجھی ہوئی تھیں اور کسی فیصلے پر نہ پہونچی تھیں جبکہ نئی حکومت کو ان کی حمایت کی اشد ضرورت تھی۔

ورجینیا میں پیٹرک ہنری آئین کے خلاف ہونے والی تحریک کی قیادت کر رہا تھا اُسنے اعلان کیا کہ آئین کا تمہیدی بیان ہی جارحانہ ہے کیونکہ اس میں ریاستوں کے تذکرے کے بجائے ریاستی عوام کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس تحریک کو توڑنے کیلئے جارج واشنگٹن اور جیمز میڈلسن کے تمام اثر ورسوخ کو استعمال کیا گیا۔ آخر کار ریاست کے مشرقی حصّے کے دولتمند مزارعین اور مغربی حصّے کے سرحدی باشندوں کے اشتراک کے ذریعہ نہایت محدود اکثریت سے آئین کی توثیق کرانے میں کامیابی حاصل کر لی گئی۔ مزارعین قدرتی طور پر مضبوط حکومت اور مستحکم سکّے کے حامی تھے جو خود ان کے مفاد میں تھا اور سرحدی باشندے خودبخود وفاقی تھے کیونکہ ان کو سرحدوں پر اپنے لئے زبردست تحفّظ کی ضرورت تھی اور بین الریاستی تجارت کی ترقی انکے بہتر مستقبل کی ضامن تھی

نیو یارک میں بھی دونوں پارٹیوں میں زبردست مقابلہ تھا اور یہ صرف ایلیگزینڈر ہیملٹن کی انتھک کوششوں کا نتیجہ تھا کہ آخری فتح وفاقیوں کو حاصل ہوئی۔ اس کشمکش میں ایک لمحہ ایسا بھی آیا تھا جبکہ نیو یارک شہر نے ریاست سے علیحدہ ہونے اور خود اپنے طور پر یونین میں شامل ہونے دھمکی دی۔ اس کے باوجود بھی کیسپی کنونشن کی آخری رائے شماری میں ستائیس کے مقابلے میں تیس ووٹوں کی اکثریت سے توثیق سے قرار منظور ہو گئی۔

اب تیرہ میں سے گیارہ ریاستیں وفاقی حکومت کے پرچم تلے آگئی تھیں اور ایک وفاقی حکومت کا نہ صرف انتخاب ہو چکا تھا بلکہ اس نے اختیارات بھی سنبھال لئے تھے۔ ان حالات کے تقاضوں سے مجبور ہو کر باقی دونوں ریاستوں رہوڈ آئی لینڈ اور نارتھ کیرولینا کو بھی وفاقیوں کی شرائط پر یونین میں شامل ہونا پڑا۔ فلاڈلفیا میں منعقد ہونے والے آئینی کنونشن میں رہوڈ آئی لینڈ نے کوئی حصّہ نہیں لیا تھا اور نہ ہی بعد میں اُس نے آئین کی توثیق کی خاطر کوئی کنونشن طلب کیا۔ لیکن جب اس کی ہمسایہ ریاستوں نے یہ دھمکی دی کہ وہ اس کو بیرونی ملک تصوّر کریں گی اور اسکی

مصنوعات پر محصول عائد کر دینگی تو رہوڈ آئی لینڈ کو اقتصادی دباؤ کے تحت ہتھیار ڈالدینا پڑے اور اس طرح یونین مکمل ہو گئی۔ یونین میں شامل ابتدائی تیرہ ریاستوں کے نام یہ ہیں۔ کنکٹی کٹ، ڈیلاویر، جارجیا، میری لینڈ، میسے چوسیٹز، نیو ہیمپ شائر، نیو جرسی، نیویارک، نارتھ کیرولینا، پنسلوانیا، رہوڈ آئی لینڈ، ساؤتھ کیرولینا اور ورجینیا۔

آپس میں تعاون کرنے اور یونین بنانے کے سلسلے میں ریاستوں نے چاہے کتنا بھی ناگواری کا اظہار کیا ہو مگر یہ حقیقت ہے کہ آئین کی آخری اور فیصلہ کن توثیق کے موقع پر پوری قوم میں خوشیوں کی لہر دوڑ گئی اور انہوں نے مختلف طریقوں سے اپنی پسندیدگی اور اطمینان کا مظاہرہ کیا۔ میسے چوسیٹز سے لیکر ساؤتھ کیرولینا تک دعوتیں، عوامی جلسے پریڈیں اور دوسری تقریبات منعقد کی گئیں اور ملک کے ہر اخبار نے اس عظیم واقعہ کو سراہا اور نظم و نثر میں اس کی ثنا خوانی کی۔ آرٹیکلز آف کنفیڈریشن کی قدیم اور عمر رسیدہ کانگرس نے جو ابھی تک اپنی زندگی کی آخری سانسیں لے رہی تھی، ایک آخری ہچکی لی اور مطمئن ہو کر موت کی آغوش میں جا سوئی اور حکومت کا اقتدار نئے نظام کے حوالے کر گئی۔

وفاقیوں کے لئے یہ اساسی اور مکمل فتح تھی۔ یہ درست ہے کہ ہیملٹن اور چند دوسرے افراد اس سے بھی زیادہ مضبوط اور با اختیار حکومت کے طالب تھے جس میں صدر اور سنیٹروں کی تقرری ساری عمر کے لئے ہو اور ریاستوں سے ان کے سارے اختیارات سلب کر لئے جائیں مگر اس کے باوجود آئین جس آخری شکل میں نافذ کیا گیا اس سے پوری طرح مطمئن تھے۔ اسکے علاوہ وفاقیوں کو بھی بل آف رائیٹس، کے مسئلہ پر اپنے نقطۂ نظر سے ہٹنا پڑا اور انہیں یہ وعدہ کرنا پڑا کہ مناسب ترمیموں کے ذریعہ وہ اسے آئین میں شامل کر لیں گے۔ یہ ترمیم آئینی دستاویز کے اصل مضمون اور بنیادی اصولوں سے متصادم نہیں ہوئی تھی اس لئے ہیملٹن اور اس کے ہم خیالوں نے وفاقیوں کے مخالفین

اسکے مطالبہ پر کوئی اعتراض نہیں کیا اور اُسے منظور کر لیا۔

فوراً ہی ریاستوں نے صدر کو منتخب کرنے والے رائے دہندوں کا انتخاب کر لیا اور انتظامیہ کے سربراہ کے لئے رائے شماری شروع ہو گئی۔ نتیجہ سے متعلق کسی شخص کے بھی دل میں کوئی شک وشبہ نہیں تھا۔ رائے دہندوں کی نظرِ انتخاب نے متفقہ طور پر قومی ہیرو اور بابائے قوم جارج واشنگٹن کو عہدہ صدارت کے لئے موزوں قرار دیا جسکی شخصیت وجاہت، وقار اور عاجزی وانکساری جیسے ممتاز اوصاف کا مجموعہ تھی۔ واشنگٹن صدارت کا طالب نہیں تھا اور وہ صدارت کے مقابلے میں ورجینیا میں مزارع کی حیثیت سے زندگی بسر کرنے کو ترجیح دیتا تھا۔ میسے چوسیٹز کے جان آدمز کو نائب صدر کے عہدے کیلئے منتخب کیا گیا اور شروع کے چند برسوں کے لئے نیویارک شہر کو دارالخلافہ قرار دیدیا گیا۔

ماؤنٹ ورنان میں واقع اپنے خوشنما جائے رہائش سے رخصت ہو کر واشنگٹن نے شمال کا سفر اختیار کیا اور وہ راہ میں جس شہر سے بھی گزرا زبردست نعرہ ہائے تحسین اور پریڈوں سے اس کا استقبال کیا گیا۔ لوگوں نے فرطِ عقیدت سے اس کے قدموں میں پھولوں کے ڈھیر لگا دئے اور قدم قدم پر توپوں نے سلامیاں دیں۔ محبت اور عقیدت کے اس اظہار کا شکریہ ادا کرنے کے لئے جب وہ ان سے مخاطب ہوا تو فرطِ جذبات سے ان لوگوں کے دل بھر آئے اور پلکیں آنسوؤں سے بھیگ گئیں جنہوں نے چند سال قبل اس کی قیادت میں ملک کی آزادی کے لئے اس کے دوش بدوش جنگیں لڑی تھیں۔ نیویارک میں اس کا زبردست اور شایانِ شان استقبال کیا گیا اور ریاست ہائے متحدہ کے پہلے صدر کی حیثیت سے اس نے ۳۰ اپریل ۱۷۸۹ء کو وال اسٹریٹ پر واقع فیڈرل ہال میں حلف وفاداری اٹھایا اور کرسئ صدارت پر مسند نشیں ہوا۔

پانچواں باب

واشنگٹن سے پولک تک

یہ حقیقت ہے کہ اپنی صدارت کے دوران جارج واشنگٹن کو اپنے تمام ہم وطن ساتھیوں کی غیر مشروط تمائید حاصل رہی، کافی اطمینان بخش تھی۔ لیکن امریکی سیاسی نظام کے تحت انتظامیہ کے ایسے سربراہوں کی تعداد بہت تھوڑی ہے جنھیں عوام میں زبردست مقبولیت حاصل ہوئی ہو۔ عموماً عوام کی ایک قلیل تعداد انتظامیہ میں خامیاں نکالنے میں کامیاب ہو جاتی ہے۔ عام طور سے دیکھا گیا ہے کہ صدر عوام میں جس قدر بھی ہر دلعزیز ہو، رائے دہندوں کی چوتھائی سے نصف تعداد خود بخود اسکی مخالف ہو جاتی ہے۔

واشنگٹن نے غیر جانب دار رہنے کی حتی الامکان کوشش کی مگر اسکے عمل سے ظاہر ہو گیا کہ وہ وفاقیت کا حامی ہے۔ چنانچہ واشنگٹن کے مخالفین نے اسکے خلاف "آمر اور ظالم" کے نعرے لگانا شروع کر دئے۔ وفاقیت کی مخالف جماعت جس نے آئین کی منظوری کی مخالفت کی تھی، جلد ہی واضح طور پر حزبِ اختلاف کی شکل میں سامنے آگئی اور اپنے آپ کو ری پبلکن پارٹی کے نام سے منسوب کیا۔ حیرت کی بات تو یہ ہے کہ موجودہ ریپبلکن پارٹی کا اُس جماعت سے کوئی تعلق نہیں۔ بلکہ موجودہ ڈیماکریٹس اس جماعت کے وارث ہیں۔ اس کے برعکس موجودہ ریپبلکن بڑی حد تک وفاقی جماعت کے پیرو ہیں۔

"آئین کی تشریح کس طرح کی جائے۔؟" یہ تھا وہ سیاسی مسئلہ جس پر وفاقی اور ریپبلکن دونوں جماعتیں برسرِ پیکار تھیں۔ وفاقی جماعت کا خیال تھا کہ آئین کی دفعات کی تشریح میں زیادہ بندش سے کام نہ لیا جائے تاکہ قومی حکومت کو قانون کے نفاذ اور اس پر عمل درآمد کے لیئے زیادہ سے زیادہ اختیار حاصل ہو۔ اس کے برعکس ریپبلکن اس بات پر یقین رکھتے تھے کہ آئین کی دفعات کی سختی سے پابندی کی جانا چاہئیے اور حکومت کو صرف اُن اختیارات کو کام میں لانے کی اجازت ہونا چاہئیے جو اس کو مخصوص طور پر تفولیض کیئے گئے ہوں۔

اپنی پہلی کابینہ میں، جو چار محکموں کے سربراہوں پر مشتمل تھی، جارج واشنگٹن نے حزبِ اختلاف کے دو ممتاز رہنماؤں کی تقرری کا اعلان کیا جنھیں اس کے ماتحت کام کرنا تھا۔ وفاقی جماعت کے رُکن، الیگزینڈر ہیملٹن، کو وزیرِ خزانہ مقرر کیا گیا۔ محضرِ آزادی کے مصنف اور آئینی اجتماع کے دوران فرانس کے سفیر تھامس جیفرسن کو وزارتِ امورِ خارجہ ملی۔ جیفرسن وفاقیت کا مخالف، ایک دولتمند اور مہذب ہونے کے علاوہ اپنے خیالات اور طرزِ عمل میں مکمل طور پر جمہوریت پسند تھا۔

انتظامیہ کے دائرہ عمل کی وُسعت کے ساتھ ساتھ اس کے ہر پہلو پر ہیملٹن اور جیفرسن کی مخالفت بڑھتی رہی۔ اگرچہ دونوں کے خیالات میں بڑی حد تک یکسانیت تھی، مگر اس کے باوجود بیشتر بنیادی مسائل پر اُن دونوں میں زبردست اختلافِ رائے تھا۔ ہیملٹن ایک ایسی طاقتور وفاقی حکومت پسند کرتا تھا جس کی باگ ڈور امراء کے ایک مخصوص طبقہ کے ہاتھ میں ہو اور وہی عوام اور ان کی ملکیت کے مفاد کی دیکھ بھال کرے۔ اسکے برعکس جیفرسن محدود اختیارات کی مرکزی حکومت کا حامی تھا۔ ایسی حکومت جس میں مُلک کے سادہ لوح اور معتمد عوام، مقامی اور ریاستی حکومتوں کے ذریعہ اپنے خیالات کا اظہار کر سکیں۔

نئی حکومت کو جو مسائل درپیش تھے ان میں سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ قومی آمدنی

میں اضافہ اور قرضوں کی ادائیگی کے لئے کیا تدابیر اختیار کی جائیں ۔ انقلابی جنگ کے اخراجات کے سلسلے میں پچھلی حکومت نے بیرونی ممالک کے علاوہ امریکی شہریوں سے بھی قرضے لے رکھے تھے یہاں تک کہ ریاستی حکومتیں بھی قرضوں کے بوجھ تلے دبی ہوئی تھیں ۔ صرف دو سال کی محدود مدت میں تیس ۳۰ سالہ ہیملٹن نے حکومت کے سارے خسارے کو پورا کر دیا۔ اس مقصد کے لئے اس نے جن طریقوں کو اپنایا، وفاقیوں نے انہیں بہت سراہا مگر مخالف ریپبلکن پارٹی نے ان کی کافی مذمت کی ۔ تمام بیرونی قرضہ جات ادا کر دئے گئے ۔ یہ عمل اگرچہ عوام میں ناپسندیدہ نظروں سے نہیں دیکھا گیا مگر جس وقت قومی ہنڈیوں پر کل رقم کی ادائیگی کی گئی تو ہر طرف سے صدائے احتجاج بلند ہونے لگی ۔ دراصل یہ ہنڈیاں محب الوطن عوام نے حکومت سے خریدی تھیں ۔ مگر دیکھتے ہی دیکھتے انکی حیثیت ردّی کاغذ سے زیادہ نہ رہی ۔ چنانچہ بہت سے لوگوں نے ان ہنڈیوں کو نہایت ارزاں قیمتوں پر سٹہ بازوں کے ہاتھ فروخت کر کے جو بھی ہو سکا وصول لیا۔ نتیجہ کے طور پر جب حکومت نے ان ہنڈیوں پر تحریر کردہ ضمانت کے مطابق اُن لوگوں کو پوری رقومات ادا کر دیں جن کے قبضہ میں وہ ہنڈیاں تھیں، تو سٹہ بازوں کی بن آئی ۔ اور عوام کے نام پر، جو ان ہنڈیوں کے اصل خریدار تھے، ان سٹہ بازوں نے کثیر منافع حاصل کئے ۔ اس طریق عمل کی موافقت میں ہیملٹن نے یہ جواز پیش کیا کہ شہریوں کے انفرادی فائدے اور نقصان کی نسبت اس کے نزدیک اس بات کی زیادہ اہمیت ہے کہ حکومت کی کھوئی ساکھ کو دوبارہ حاصل کیا جائے ۔ اگرچہ یہ ایک سخت کارروائی تھی، مگر اس سے مقصد حاصل ہو گیا۔ اس دن کے بعد سے سرکاری ہنڈیوں کی ساکھ بہت بڑھ گئی اور اب عوام سے نئے قرضہ جات حاصل کرنا آسان ہو گیا۔

ہیملٹن مجلس کو اس بات پر آمادہ کرنے میں کامیاب ہو گیا کہ حکومت ریاستی قرضوں کی ذمہ داری بھی اپنے سر لے لے اور اُن کی ادائیگی کرے ۔ ہیملٹن کے اس اقدام نے قومی حکومت کو اور بھی مستحکم کر دیا۔ ریاستی حکومتوں کی ذمہ داری قبول کرنے کی پالیسی پر عمل کرتے ہوئے

ہیملٹن نے ریاستوں کو اس بات پر مجبور کیا کہ ان کے ذمّہ واجب الادا رقوم کی ادائیگی میں ہر ریاست برابر کا حصّہ لے۔ ریاست ورجینیا کا قرضہ بہت تھوڑا تھا۔ چنانچہ اسکی حکومت نے اس بات پر احتجاج کیا کہ اسکے خزانہ سے ریاست میسے چوسیٹز کے ذمّہ واجب الادا قرضہ کی ادائیگی کی جائے جو نسبتاً کہیں زیادہ تھا۔" ہیملٹن کی اس یقین دہانی پر کہ وفاقی حکومت کا مستقبل دارالحکومت جنوب میں دریائے 'پوٹومک' کے ساحل پر آباد کیا جائے گا۔" ریاست ورجینیا اور اپنا اعتراض واپس لینے پر بالآخر رضامند ہوگئی۔ ریاستی حکومتوں کی ذمّہ داری قبول کر کے قومی حکومت نے نہ صرف امریکی عوام بلکہ ساری دُنیا پر یہ واضح کر دیا کہ مالی معاملات سے نپٹنے میں اسے ریاستی حکومتوں پر فوقیت حاصل ہے۔

ریاست ہائے متحدہ کے بینک کا قیام بھی ہیملٹن کا ایک منصوبہ تھا جسکا بنیادی مقصد پورے مُلک کے کاروباری مفاد کی حمایت حاصل کر کے وفاقی انتظامیہ کے اختیارات کی توسیع کرنا تھا۔ 'بینک آف انگلینڈ' کے طرز پر اس بینک کا قیام بھی حکومت اور کاروباری طبقہ کے مشترکہ سرمایہ سے کیا گیا جس میں شرکاء نے اپنے اپنے حصّہ کا سرمایہ فراہم کیا اور اس کے منافع میں حصّہ دار بنے۔ ٹیکس اور زمین کی فروخت سے حاصل کردہ سرکاری رقوم اس بینک میں جمع ہونے لگیں۔ بینک نے یکساں کاغذی سکّے بھی رائج کئے جنہوں نے ریاستی سکّوں کی جگہ لے لی۔ آئین میں اس بینک کے قیام کا بالصراحت کوئی جواز نہیں تھا۔ لیکن وفاقیوں نے اس کی موافقت میں 'ضمنی اختیارات' کی دلیل پیش کی۔ اسکی وضاحت کرتے ہوئے انہوں نے بتایا کہ جب کانگریس کو ٹیکس لگانے، سرمایہ قرض لینے اور قرضہ جات ادا کرنیکے اختیارات حاصل ہیں۔ تو پھر وہ ایسے بینک کا قیام کیوں نہ عمل میں لائے جس کے ذریعہ یہ لین دین کئے جا سکیں؟

سرکاری خزانے کے لئے سرمایہ حاصل کرنے کی خاطر وفاقی کانگریس نے غیر مُلکی درآمد پر محصول اور شراب پر ٹیکس عائد کئے ان اقدامات سے حکومت کو کافی آمدنی ہوئی

مگر ساتھ ہی ساتھ عوام میں کافی انتشار اور بے اطمینانی کی کیفیت پیدا ہو گئی۔ شراب پر عائد کردہ ٹیکس کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے مغربی پنسلوانیا کے کسانوں نے، جو شراب کشید کرتے تھے، وفاقی حکومت کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا۔ اس بغاوت کو حکومت نے ریاستہائے متحدہ کے پندرہ ہزار سپاہیوں پر مشتمل فوج کی مدد سے بزور قوت کچل دیا۔

غیر ملکی درآمد پر محصول کے متعلق ملے جلے تاثرات ظاہر کئے گئے۔ جہاں تک شمالی ریاستوں کا تعلق تھا، انہوں نے یورپ سے درآمد کردہ جوتوں، کپڑوں اور مشینری پر عائد کردہ محصول کا خیر مقدم کیا۔ اسکی وجہ یہ تھی کہ اس وقت تک یعنی ۱۷۹۰ء میں شمالی ریاستوں نے اپنی فیکٹریاں قائم کرنا شروع کر دی تھیں۔ اور ملکی مصنوعات کو فروغ دینے کی خاطر وہ بیرونی مقابلوں سے حفاظت چاہتے تھے۔ اس کے برعکس جنوبی ریاستیں زراعتی تھیں۔ ایک نفع بخش نظام کے تحت یہاں کے کاشتکار کپاس اور دوسری خام اشیاء غیر ممالک کو برآمد کرتے تھے اور اس کے عوض وہ ان ممالک سے تیار اشیاء مناسب قیمتوں پر خرید لیتے تھے۔ چنانچہ ان تیار اشیاء کی درآمد پر محصول عائد کرنے کے سبب بیرونی تجارت میں ان کاشتکاروں کا منافع گھٹ گیا۔ ابتدا ہی سے محصول کا مسئلہ ملک کے مختلف طبقوں میں نزاع کا باعث بن گیا۔ اور یہی مسئلہ اس خانہ جنگی کا ایک اہم سبب تھا جو ستر سال بعد شمال اور جنوبی ریاستوں کے درمیان شروع ہوئی۔

جس طرح ملک کے داخلی مسائل پر وفاقی اور ریپبلکن پارٹیاں ایک دوسرے کے خلاف تھیں، ملک کی خارجہ پالیسی پر بھی ان دونوں میں اسی شدت سے تصادم ہوتا رہتا تھا جس سال واشنگٹن نے عہدۂ صدارت سنبھالا، اسی سال یورپ ایک عظیم قتل و غارت اور بربادی کے جنگل میں گرفتار ہو گیا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ریاست ہائے متحدہ کے لئے ناگزیر ہو گیا ہے کہ وہ بھی اسکا شکار ہو جائے اور شاید اپنے وجود کے آغاز ہی میں تباہ ہو جائے۔

یہ سانحہ فرانسیسی انقلاب تھا جس نے 'باربن' بادشاہت کا تختہ الٹ دیا اور لوئی شش دہم اور میری انٹونی کو گلوٹین مشین کے ذریعہ موت کی نیند سلا دیا۔ خونریزی اور تشدد میں اضافے کے

ساتھ ساتھ یورپ کے دوسرے حکمرانوں کو اپنا وجود بھی خطرے میں پڑتا نظر آنے لگا چنانچہ انہوں نے فرانس میں مداخلت کی کوشش کی۔ جلد ہی پورا براعظم جنگ کے شعلوں میں گھر گیا اور ایک بار پھر فرانس اپنے قدیم دشمن برطانیہ کے ساتھ موت وزندگی کی کشمکش میں گرفتار ہو گیا۔

فرانس اور امریکہ اس وقت تک اشتراکی تھے اور جس طرح امریکہ کی حصولِ آزادی کی کشمکش میں فرانس نے امریکہ کی مدد کی تھی اسی طرح وہ امریکہ کی معاونت کے متوقع تھے امریکیوں کی ایک بڑی تعداد جس میں اکثریت ریپبلکن کی تھی، انقلابیوں سے ہمدردی رکھتی تھی اور برطانیہ کے خلاف اقدام کرنے کیلئے شور و غل مچا رہی تھی۔

وفاقیوں کا زیادہ قدامت پسند طبقہ اس خیال کا ہم آہنگ نہیں تھا۔ فرانس میں پیدا شدہ صورت حال سے ان کو بھی اتنا ہی صدمہ تھا جتنا یورپ کے دوسرے قدامت پسند حکمران طبقہ کو۔ ان کے نزدیک یہ عمل بہت ہی خطرناک تھا کہ یورپ کی جنگ میں اپنے ملک کو ملوث کر دیا جائے اور اس طرح کینا ڈا یا دوسرے مغربی ممالک کے حملوں کا خطرہ مول لیا جائے۔ چنانچہ صدر واشنگٹن نے ۱۷۹۳ء میں غیر جانبداری کی حالت کا اعلان کر دیا اور وجہ یہ بیان کی کہ فرانس سے اشتراکیت کا معاہدہ اس کی پچھلی حکومت کے ساتھ کیا گیا تھا نہ کہ موجودہ انقلابی حکومت کے ساتھ۔

اسی اثنار میں فرانسیسیوں نے ایڈمنڈ جینٹ نامی ایک شہری کو اپنا ایلچی بنا کر ریاستہائے متحدہ روانہ کیا جس کا مقصد امریکہ کو جنگ یورپ میں عملی حصہ لینے پر آمادہ کرنا تھا۔ جینٹ نے اس بات پر اصرار کیا کہ امریکہ اپنی بندرگاہوں کو بحری اڈوں کے طور پر استعمال کر کے برطانوی تجارتی جہازوں پر حملے کرے۔ اس کے علاوہ ایک مہم مغرب کو روانہ کی جائے جو اسپین کے مقبوضہ علاقوں پر یلغار کرے کیونکہ اسپین برطانیہ کا حلیف بن گیا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ مناسب محل شناسی اور حکمت عملی سے کام لے کر جینٹ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتا مگر اس کے برعکس تدبّر کو بالائے طاق رکھکر وہ اپنے مطالبات پر سختی سے اڑا رہا۔ یہی نہیں بلکہ فرانسیسیوں سے ہمدردی رکھنے والے عناصر کی اس نے کھُل کر حمایت کی اور ان کو اس بات پر اکسایا کہ وہ امریکی حکومت کے غیر جانبداری کے

اعلان کے خلاف ورزی کریں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ امریکی رائے عامہ جینٹ کے سخت خلاف ہو گئی اور جلد ہی اس کو اپنے عہدے سے دستبردار ہونا پڑا۔

ایک طرف تو امریکہ کے تعلقات فرانس سے کشیدہ ہو رہے تھے اور دوسری طرف برطانیہ کے ساتھ بھی بہتر نہ تھے۔ برطانیہ نے شمال مغرب کے بالائی علاقہ میں کچھ قلعوں پر ابتک قبضہ جمایا ہوا تھا۔ انقلاب کے بعد بھی اس نے ان علاقوں سے اس وقت تک دستبردار ہونے سے انکار کر دیا تھا جبتک امریکی تاجر برطانوی شہریوں کے ان قرضوں کی ادائیگی نہ کر دیں جو برطانوی دورِ حکومت میں ان پر واجب الادا تھے۔ ان بیرونی چوکیوں سے برطانیہ نے ریڈ انڈین قبائل کو اکسا کر امریکی نوآبادیوں کے خلاف شورش برپا کرانا شروع کر دی۔ اسے امید تھی کہ اس طرح وہ ہاتھ سے نکلے ہوئے مغربی علاقے کے کچھ حصّہ کو دوبارہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے گا۔ اسی اثنا برطانوی بحریہ نے امریکی جہازوں کو گھیرنا اور انہیں پریشان کرنا شروع کر دیا۔ وہ جہازوں میں گھس جاتے اور جہازی عملے پر الزام لگا کر کہ وہ برطانیہ سے بھاگے ہوئے ہیں، انہیں جبریہ اپنے قبضہ میں لے لیتے۔ اس طرح پکڑے جانے والے عملے کے بہت سے افراد واقعی بھاگے ہوئے تھے مگر ان میں بہت سے امریکی شہری بھی تھے۔

اپنے دوسری میعاد حکومت میں صدر واشنگٹن نے یورپ سے متعلق غیر جانبداری کی پالیسی کی توثیق کی اور اس کے جواز میں اس نے ۱۷۹۴ء میں جان جے کو لندن بھیجا تاکہ امریکی و برطانوی تنازعات کو گفت و شنید کے ذریعہ طے کیا جا سکے۔ برطانیہ نے بالآخر مغربی قلعوں سے دستبردار ہونے پر اپنی رضامندی دیدی مگر صرف اُس وقت جبکہ جان جے نے برطانیہ کو تجارت، جہازرانی اور دوسرے بحری حقوق میں ایسی رعایتیں دینے کا وعدہ کیا جو امریکہ کیلئے کٹھن تھیں اور جس کے نتیجہ میں بہت سے امریکی شہریوں نے اپنی ناپسندیدگی اور غصّہ کا اظہار کیا۔ صدر واشنگٹن نے اسپین کے ساتھ بھی کامیابی کے ساتھ ایک معاہدہ کیا۔ اس معاہدہ کے تحت فلوریڈا کی سرحدبندی کی گئی اور امریکہ کو دریائے مسی سیپی میں جہازرانی اور نیو اورلین کی بندرگاہ

کے استعمال کے حقوق حاصل ہوئے۔

اس طرح ۱۷۹۶ء میں جب واشنگٹن اپنے عہدہ سے دستبردار ہوا اور اپنی زندگی کے آخری تین سال گزارنے کیلئے ماؤنٹ ورنن میں گوشہ نشینی اختیار کی اس وقت تک اُس نے قانونی حکومت کو کامیابی کے ساتھ اپنے صحیح مقام پر پہونچا دیا تھا اور قوم کو جنگ وجدل کے چکر سے محفوظ کر دیا تھا۔ اپنے رخصتی خطبۂ صدارت میں اس نے اپنے ہموطنوں کو متنبہ کیا کہ ان کو چاہئے کہ وہ ہم آہنگی اور ایک جہتی سے ملکی مفاد کی خاطر کام کرتے رہیں اور کسی بھی بیرونی طاقت کیساتھ مستقل بنیاد پر اشتراک سے پرہیز کریں۔ عہدہ صدارت میں اس کا جانشین 'جان آدمس' ہوا جو ایک کٹر وفاقی تھا۔ اس زمانے میں انتخابی کالج میں رائے دہندگی کا جو مخصوص طریقہ رائج تھا اس کے تحت مخالف پارٹی کے تھامس جیفرسن کو دوسرے درجہ پر سب سے زیادہ ووٹ ملے۔ چنانچہ وہ نائب صدر منتخب ہوگیا۔

برطانیہ سے اپنے تعلقات استوار کر لینے کی بنا پر فرانس امریکہ سے سخت ناراض ہوگیا اور اس طرح امریکہ اور فرانس میں نئی اور زیادہ سنگین نوعیت کی کشمکش کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ چنانچہ صدر آدمس نے جب اپنے وفود پیرس بھیجے تاکہ گفت وشنید کے ذریعے آپس کے تنازعات کا فیصلہ کر لیا جائے تو فرانسیسی حکومت کے گمنام نمائندوں نے جو صرف 'ج'، 'د'، 'ہ' کے القاب سے سامنے آتے تھے، ان امریکی سفیروں سے اس وقت تک گفتگو کرنے سے انکار کر دیا جبتک وہ انکو قرضوں اور ذاتی تحفوں سے نہ نوازیں۔ ج، د، ہ کے ان واقعات نے امریکہ کو مشتعل کر دیا۔ نتیجہ کے طور پر دونوں ملکوں میں ایک بے ضابطہ مگر سخت بحری جنگ کا سلسلہ شروع ہوگیا اور صرف صدر آدمس کا تحمل تھا جس نے ان بے ضابطہ جھڑپوں کو ایک بڑے پیمانے کی باقاعدہ جنگ میں منتقل ہونے سے بچا لیا۔

جنگ عظیم کے اس خطرہ کے دوران وفاقی حکومت نے دو نئے قوانین جاری کئے جن کا مقصد اپنے مخالفین کو خاموش کرنا اور ملک کی داخلی سلامتی کو تقویت پہونچانا تھا۔ مگر یہی

قوانین وفاقی پارٹی کو مکمل اور قطعی طور پر اپنے مقام سے گرنے کا باعث ثابت ہوئے۔ پہلا قانون غیر ملکی قانون۱ تھا جس کے تحت صدر کو یہ اختیارات حاصل ہو گئے کہ وہ ہر اُس غیر ملکی باشندہ کو جلاوطن کر سکتا تھا جس کا طرزِ عمل اس کی نظر میں ریاستہائے متحدہ کی سلامتی اور امن کے لئے خطرہ کا باعث ہو۔ دوسرا قانون 'قانون بغاوت'۲ تھا۔ اس قانون کے تحت ایسا شخص سنگین سزا کا مستحق قرار دیا جا سکتا تھا جو امریکی حکومت کے خلاف جھوٹی، اہانت آمیز اور معاندانہ تحریریں لکھنے کا مجرم قرار دیا جائے۔ غیر ملکی قانون پر عملدرآمد نہیں کیا گیا مگر ریپبلکن پارٹی کے اخبارات کے بہت سے ایڈیٹر جنہوں نے انتظامیہ پر کڑی اور تلخ آمیز تنقید اور نکتہ چینی جاری رکھی 'قانونِ بغاوت' کے تحت مجرم قرار دئے گئے اور ان کو جرمانے اور قید کی سزائیں دی گئیں۔

ریپبلکن پارٹی نے غیر ملکی قانون اور قانونِ بغاوت کے خلاف اپنے غم و غصّہ کا اظہار کیا۔ انہوں نے حکومت پر الزام لگایا کہ ان قوانین کو نافذ کر کے حکومت نے آئین کی اس پہلی ترمیم کی خلاف ورزی کی ہے جس کے تحت تحریر اور تقریر کی آزادی کی ضمانت دی گئی ہے۔ جیفرسن اور میڈیسن کی شہ پا کر کنٹکی اور 'ورجینیا' کی ریاستوں کی مجالس قانون ساز نے قراردادیں پاس کیں جن میں ان قوانین کی تنسیخ کا مطالبہ کیا گیا۔ کنٹکی ریاست نے یہ دعویٰ کر کے وفاقی حکومت کے اختیارات کو ایک کاری ضرب لگائی کہ کسی بھی ریاست کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ ان غیر آئینی قوانین کو منسوخ یا مسترد کر دے جو کانگریس نے پاس کئے ہوں۔ ۱۸۰۰ء کے انتخابات سے یہ قطعی طور پر واضح ہو گیا کہ ریاستہائے متحدہ کے عوام وفاقیوں کی آہنی حکومت سے دہشت زدہ ہو گئے ہیں۔ تھامس جیفرسن صدارتی انتخاب جیت لیا اور وہ صدر منتخب ہو گیا۔ اگرچہ اس کی جیت صرف قلیل فرق سے تھی۔

نئے انتظامیہ نے حکومت کا اقتدار سنبھالنے کے لئے ایک نئی جگہ کا انتخاب کیا۔ یہ مقام واشنگٹن نامی ایک چھوٹا سا کچا گاؤں تھا اور اسطرح یہ وعدہ کہ وفاقی دارالحکومت بالائی جنوبی خطہ میں بنایا جائیگا، پورا ہو گیا۔ بین الاقوامی اور ہر دلیسی شہر 'فلاڈلفیا' سے ایک معمولی چھوٹے سے

گاؤں میں دارالخلافہ کی منتقلی نیو انگلستان کے پُر شکوہ اور جلالی نمائندوں کو واضح طور پر ناگوار گزری۔ اس کے برعکس سادگی پسند اور سیدھے سادھے تھامس جیفرسن' کی نظر میں اس تبدیلی سے ایک ایسا عمدہ ماحول میسّر آ گیا جہاں سے وہ اپنی نئی پالیسیوں کا اعلان کر کے ان کو عملی جامہ پہنا سکتا تھا۔

درحقیقت صدر ہونے کی حیثیت سے وہ جو طریق عمل اختیار کرنے والا تھا اس سے نہ صرف دوسرے بلکہ وہ خود بھی متعجب ہوئے بغیر نہ رہ سکتا تھا۔ حکومت کے اخراجات میں کمی' شراب پر ٹیکس کے قانون کی منسوخی اور قانون بغاوت کے تحت گرفتار کئے گئے ملزمین کی رہائی۔ یہ تھے وہ اقدامات جن پر اسنے عمل کیا اور جس کی توقع اسکی ذات سے کی جا رہی تھی۔ اس کے علاوہ بحیرہ روم میں ایک بحری بیرہ روانہ کرنا اس کا ایسا عمل تھا جو اسکی فطرت سے مطابقت نہیں رکھتا تھا۔ اس مہم کا مقصد ان بحری باربری قزاقوں کی سرزنش کرنا تھا جو وقتاً فوقتاً امریکی اور یورپی تجارتی جہازوں کو لوٹتے رہتے تھے۔ لیکن سب سے زیادہ حیرت انگیز بات جو اس سے عمل میں آئی' وہ یہ تھی کہ تھامس جیفرسن نے' جو آئین کے ضابطوں کی صحیح تشریح کرنیکا قائل تھا' آئین کی نئے انداز میں تشریح کر کے وہ باریک نکتے واضح کئے جنھیں وفاقی بھی نظر انداز کر گئے تھے۔ صدر کے طرز عمل میں اس اچانک تبدیلی کے باعث عوام میں استعجاب کی کیفیت پیدا ہو گئی اور یہی استعجابی کیفیت رفتہ رفتہ پسندیدگی میں بدل گئی۔ کیونکہ بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا کہ صدر کے یہ اقدامات اسکی دُور اندیشی پر مبنی تھے۔ وقت کے تقاضوں سے مجبور ہو کر اس نے وفاقیوں کے لائحہ عمل کے ساتھ ایک محتاط صلح کر لی۔

' لوزیانہ' کے علاقہ کو خرید لینا جیفرسن کا سب سے بڑا کارنامہ تھا اگرچہ اس کا نہ تو اسے آئینی طور پر اختیار تھا اور نہ ہی اسنے کانگریس سے منظوری حاصل کی تھی۔ یہ وسیع علاقہ جو مغرب میں دریائے مسی سپی سے لیکر' راکی' پہاڑوں تک پھیلا ہوا تھا' ۱۷۶۳ء میں فرانس سے نکلکر اسپین کے قبضہ میں چلا گیا تھا۔ لیکن اب ۱۸۰۰ء میں فرانس کے نپولین بوناپارٹ

نے یہ علاقہ اسپین کے بادشاہ سے بزور قوت دوبارہ حاصل کرلیا تھا۔ یورپ میں فتوحات حاصل کرنے کے بعد نپولین نے ایک بڑی عالمگیر سلطنت قائم کرنے کا خواب دیکھنا شروع کردیا تھا۔

'لوزیانہ' پر دوبارہ قبضہ کرتے ہی ہی فرانسیسیوں نے اس معاہدہ کی تنسیخ کردی جسکے تحت امریکہ کو دریائے مسی سیپی میں جہازرانی اور نیواورلینز کی بندرگاہ کے استعمال کے حقوق حاصل تھے اور جو 'اوہیو' کی وادی میں نئی نوآبادیاتی ترقی اور تجارت کے لئے نہایت اہم تھے اسکے علاوہ اب ایک طاقتور، جارح اور اوّل درجہ کی قوم نے کمزور اسپینیوں کی جگہ لے لی اور جس نے امریکہ کی سرحد پر جارحانہ کارروائیوں کا سلسلہ شروع کرکے امریکی سرزمین میں مداخلت بیجا شروع کردی۔

جیفرسن نے اس صورت حال سے قدمی سے نپٹنے کا عزم کرلیا۔ اس نے طے کرلیا کہ وہ کم سے کم دریائے مسی سیپی میں جہازرانی کے حقوق دوبارہ حاصل کرلے گا اور اس کوشش میں ناکامی کی صورت میں وہ برطانیہ اور فرانس کے مابین جنگ میں برطانیہ کا ساتھ دیکر موقع سے فائدہ اٹھانیکی کوشش کرے گا۔

یہ امریکہ کی خوش نصیبی تھی کہ سنہ ۱۹۰۲ء میں ویسٹ انڈیز پر قابض ہونیکی کوشش میں نپولین کو پے درپے کئی زبردست شکستوں سے دوچار ہونا پڑا۔ چنانچہ اس نے امریکی سلطنت قائم کرنے کے منصوبہ میں اچانک تبدیلی کردی۔ جب جیفرسن کے نمائندے پیرس گئے اور انہوں نے نیواورلینز اور مغربی فلوریڈا کے عوض فرانسیسی حکومت کو بیس لاکھ ڈالر کے معاوضہ کی پیشکش کی تو فرانسیسیوں نے پورے علاقے کا سودا کرنا چاہا اور امریکی نمائندوں سے دریافت کیا کہ وہ لوزیانا کے پورے علاقہ کا کیا معاوضہ دیں گے۔ اس طرح تھوڑے ردّوقدح کے بعد ڈیڑھ کروڑ ڈالر پر سودا ہوگیا۔

اس طرح ایک نہایت حقیر رقم ادا کرکے، جسکا اندازہ بعد میں ہوا، جیفرسن نے ریاستہائے متحدہ امریکہ کا رقبہ دوگنے سے بھی زیادہ بڑھالیا۔ اس نئے خطے سے جو نہایت

ہی زرخیز زراعتی ریاستیں قائم کی گئیں۔ ان کے نام "منی سوٹا" مسوری، ایوا، کنساز، مونٹانا، ڈکوٹا، اور خود لوزیانہ ریاستیں ہیں۔ دریائے مسی سیپی اپنے منبع سے دہانہ تک امریکی حکومت کے قبضہ میں آگیا اور ساتھ ہی ساتھ مغربی سرحدوں پر بیرونی ممالک کے اقتدار کا خطرہ بھی ہمیشہ کے لئے ٹل گیا۔

ان موافق حالات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے جیفرسن نے فوراً ہی ایک تحقیقی جماعت تشکیل دی جسکی قیادت اس کے پرائیویٹ سکریٹری ویدر لیوس اور جارج روجرز کلارک کے بھائی 'ولیم کلارک' کے سپرد ہوئی اس تحقیقی جماعت کو جس مہم پر روانہ کیا گیا اس کا مقصد بحر الکاہل سے آگے نئے نئے علاقوں کا جائزہ لینا اور ان کو اپنے مصرف میں لانا تھا۔ اس مہم کے ہمراہ سخت اور محنت کش سپاہیوں کا ایک دستہ بھی تھا جنھوں نے شمالی صحراؤں اور بیابانوں کو عبور کر کے 'اوریگون' کے علاقہ میں اپنے قدم جمالئے اور تھوڑے عرصہ بعد ہی ۱۸۰۶ء میں اس علاقہ پر اپنی ملکیت کا دعویٰ کر دیا۔ مشرقی ریاستہائے متحدہ کی مغربی ساحلوں کی طرف یہ پہلی بڑی مہم تھی جو مستقبل میں آنے والی ایسی دوسری مہموں کے لئے پیش رو کی حیثیت رکھتی تھی۔

اگرچہ جیفرسن کا لوزیانہ کے علاقہ کو خرید لینے کا جرأت مندانہ اقدام، جسکی وجہ سے مغرب بعید میں نئی نئی راہیں کھل گئی تھیں، عوام میں بہت سراہا گیا مگر وہ خود اپنے ان اقدامات سے بہت متفکر تھا کیونکہ اسے احساس تھا کہ اس نے آئین کے ضابطوں کی اس طرح تشریح کر کے خود آئین کو مسخ کر دیا تھا۔ آئین کی کسی دفعہ میں بھی اس کو نئے علاقے خریدنے کا اختیار نہیں تھا۔ البتہ صدر کو سنیٹ کی منظوری سے ان علاقوں سے معاہدے کرنیکا اختیار ضرور حاصل تھا چنانچہ آئین کی اس کمزور تشریح سے فائدہ اٹھاتے ہوئے لوزیانہ علاقہ کی مزید توثیق کر دی گئی۔

اپنی صدارت کی دوسری میعاد کے دوران جیفرسن کو ایک اور بڑے بحران سے دوچار ہونا پڑا جس میں اس نے پہلے کی مانند پھر وفاقی آئین کے ضمنی اختیارات سے کام لیا۔ فرانس اور برطانیہ کی جنگ میں شدت آتی گئی۔ دونوں کی یہی کوشش تھی کہ غنیم کی بحری ناکہ بندی کر کے اسے اقتصادی

طور پر تباہ کر دے اور اس طرح اسے ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر دیا جائے۔ چنانچہ دونوں نے غیر جانبدار ممالک کے جہازوں کو غنیم کے ساحلی علاقوں سے دور رہنے کے متعلق تنبیہہ کر دی۔ فرانس اور برطانیہ کے اس طرح ناکہ بندی کرنے سے امریکہ کی تجارت کو زبردست دھچکا پہونچا کیونکہ اس وقت تک یورپی ممالک کے ساتھ امریکہ کی تجارت وسیع پیمانے پر ترقی کر چکی تھی اور اسے پورے ملک کی اقتصادی بہبودی کے لئے اہمیت حاصل ہو گئی تھی۔ امریکہ کے تجارتی جہاز جو سینکڑوں کی تعداد میں یورپی ممالک کے لئے غلّہ اور خام مال لے کر جا رہے تھے ان دونوں جنگی فریقوں نے ضبط کر لئے۔ برطانیہ فوجی سپاہیوں کی شدید قلت سے دوچار تھا۔ چنانچہ اسنے امریکی جہازوں کے بحری عملہ کو جبری طور پر اپنی فوج میں بھرتی کرنا شروع کر دیا۔

جنگ کے خطرہ کو ٹالنے کی کوشش کرتے ہوئے جیفرسن نے کانگریس کو مجبور کر کے اس بات پر رضامند کر لیا کہ بیرونی تجارت کو ایک دم بند کر دیا جائے۔ چنانچہ اس نے امریکی جہازوں کو ملکی بندرگاہوں میں لنگر انداز رہنے کا حکم دیدیا۔ اس سخت اقدام کا جسے "قانون امتناعی مجریہ ۱۸۰۷ء" کے نام سے پکارا جاتا ہے" آئین میں صریحی طور پر کوئی جواز نہیں تھا۔ آئین کی دفعہ کے مطابق کانگریس تجارت کو صرف منضبط کرنے کی مجاز تھی اور یہ بات تشریح طلب تھی کہ آیا اس دفعہ کے تحت تجارت کو یک لخت منسوخ بھی کیا جا سکتا تھا۔

اِس قانونِ امتناعی سے کوئی بھی خوش نہیں تھا کیونکہ تاجر اور کاشتکار دونوں کو اس سے یکساں طور پر نقصان پہونچا۔ دو سال بعد اس قانون کو ایک دوسرے نئے قانون کے حق میں منسوخ کر دیا گیا۔ یہ نیا قانون اپنے بنیادی مقصد میں زیادہ سود مند تھا۔ اس قانون میں کہا گیا تھا کہ اگر فرانس اور برطانیہ میں سے کوئی بھی ملک امریکی جہاز رانی کے حقوق اور مفاد کا پاس کرلیگا تو ریاستہائے متحدہ اس ملک سے اپنے تجارتی تعلقات دوبارہ بحال کرے گا اور دوسرے ملک کا تجارتی بائیکاٹ جاری رکھے گا۔ فرانس نے فوراً موقع سے فائدہ

اٹھایا اور امریکہ نے اس سے اپنے تجارتی تعلقات دوبارہ قائم کر لئے۔

۱۸۰۹ء میں جیفرسن نے صدارت سے علیحٰدہ اختیار کر لی اور اس کی جگہ جیمیس میڈیسن عہدہ صدارت کے لئے منتخب ہو گیا۔ ملک کے پہلے تینوں سربراہ اپنی مافوق البشر کوششوں کے ذریعہ ریاستہائے متحدہ کو ابتک کسی بڑی جنگ میں ملوث ہونے سے بچائے رکھنے میں کامیاب رہے۔ لیکن میڈیسن کی قسمت میں یہ نہ تھا کہ وہ بھی اسی روایت پر قائم رہ سکے۔

ابتک برطانیہ ایسے بہت سے اقدامات کر چکا تھا جو ریاستہائے متحدہ کو اشتعال دلانے کے لئے کافی تھے۔ مزید برآں بہت سے امریکی شہری ایسے تھے جو اپنی ذاتی وجوہات کی بنا پر برطانیہ سے جنگ کے خواہاں تھے۔ مضبوط اور قوی ترقی پذیر مغربی علاقے اس بات کیلئے بیتاب تھے کہ اس علاقہ سے برطانیہ کا رہا سہا اثر و اقتدار ختم کر کے کیناڈا کی طرف کوچ کریں اور اس پر اپنا تصرف کر لیں۔ جنوبی علاقے اسپین کے زیر اقتدار فلوریڈا کو گرسنہ نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ کینٹکی کا 'ہنری کلے' اور جنوبی کیرولینا کا 'جان سی۔ کالہون' اس جنگ پسند جماعت کے سرغنہ تھے جسے 'جنگجو شکرے' کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ ۱۸۱۲ء میں دونوں سرغنہ کانگرلیس میں اپنے دوسرے ساتھیوں کی مدد سے جنگ کا اعلان کرانے میں کامیاب ہو گئے۔

۱۸۱۲ء کی یہ جنگ بالکل غیر ضروری اور غیر فیصلہ کن تھی اور اسے عوام کی مکمل تائید بھی حاصل نہیں تھی۔ نیو انگلینڈ اس جنگ کا سخت مخالف تھا جس کی خاص وجہ یہ تھی کہ ریپبلکن پارٹی کا اس علاقہ میں اقتدار تھا۔ نیو انگلینڈ کے وفاقیوں کے طرز عمل سے سارے ملک کو شدید صدمہ پہونچا۔ وہ اپنے اس نصب العین سے یکا یک منحرف ہو گئے جسکے تحت وہ ایک مضبوط اور متحد امریکہ پر یقین رکھتے تھے انھوں نے اس بات کی دھمکی دی کہ وہ اس جماعت سے قطع تعلق کر لیں گے اور شاید وہ اپنی اس دھمکی کو عملی جامہ پہنانے میں کامیاب ہو جاتے اگر خلافِ توقع جنگ جلد نہ ختم ہو جاتی۔

اِن جنگی مہموں کی ابتدا ایسے مختلف مقامات سے کی گئی تھی جو ایک دوسرے سے

طویل فاصلوں پر تھے۔ ناکافی عسکری سامان سے لیس امریکی فوجیں جھیل ایری کے شمال میں دباؤ ڈالتی ہوئی کناڈا میں داخل ہوگئیں مگر ان کو جلد ہی پسپا کرکے پھر پیچھے ڈھکیل دیا گیا۔ جھیل ایری اور جھیل چمپلین میں زبردست بحری فتوحات نے حالات کو قدرے سنبھال لیا اور امریکی سرزمین پر جوابی حملے کے خطرے سے ملک کو بچالیا۔ دوسری طرف جنوبی علاقہ میں برطانیہ نے ۱۸۱۴ء میں واشنگٹن کے قریب اپنی فوجیں اُتار دیں اور سہمی ہوئی امریکی فوجوں کو پسپا کرکے اسے آسانی سے فتح کرلیا اور وہائٹ ہاؤس کیپٹل اور دوسری عوامی عمارتوں کو نذر آتش کردیا۔ برطانیہ کا یہ اقدام امریکی فوجوں کے ذریعہ کناڈا میں اٹھائے ہوئے نقصان کی تلافی کے سلسلے میں جوابی کارروائی تھی برطانوی فوجوں نے قریبی بالٹیمور کی طرف پیش قدمی کی مگر زبردست دفاعی انتظامات کے باعث ان کو جلد ہی روک دیا گیا۔ قلعہ میک ہنری پر، جو اس شہر کا محافظ سمجھا جاتا تھا، ناکام بمباری نے "فرانسس اسکاٹ کی تخلیقی تحریک کو ابھارا اور وہ امریکہ کا قومی ترانہ لکھنے میں کامیاب ہوگیا۔

امریکہ کو سب سے بڑی جنگی فتح اسوقت حاصل ہوئی جبکہ جنگ بندی کی شرائط طے ہوچکی تھیں اور صلح کے معاہدہ پر دستخط ہوچکے تھے مگر اسوقت تک اس معاہدہ کی اطلاع 'گھینٹ' سے جہاں نمائندوں کا اجتماع ہوا تھا۔ بحر اوقیانوس پار کرکے امریکہ تک نہیں پہونچی تھی۔ یورپ میں نپولین کو آخر کار شکست ہوچکی تھی۔ چنانچہ برطانیہ آزمودہ کار سپاہیوں پر مشتمل ایک دستہ روانہ کرچکا تھا جس کا مقصد نیو اورلینز پر قبضہ کرنا تھا۔ اس دستہ کا مقابلہ وادی مسی سیپی کے قبائلیوں کی ایک فوج سے ہوگیا جسکی قیادت ٹینسے کا اینڈریو جیکسن کررہا تھا۔ جیکسن کے قوی نشانہ باز فوجی اپنے کو پوری طرح محفوظ کئے ہوئے تھے۔ انہوں نے حملہ آوروں کو عبرتناک شکست دی۔ حملہ آوروں کا دستہ بار بار بہادری کے ساتھ حملے کرتا تھا مگر ناکام ہوکر پسپا ہوجاتا تھا۔ فاتح فوج کی کامیابی کے ساتھ قیادت کرنے کے باعث جیکسن نے نہ صرف "اولڈ ہاٹیکری" کے لقب سے شہرت پائی بلکہ امریکی عوام سے بے انتہا خراجِ تحسین حاصل کیا۔

گھینٹ کے صلح نامے نے جنگ کا خاتمہ تو ضرور کردیا مگر اس میں امریکی جہازی ملاحوں پر جبری قبضہ کا کوئی تذکرہ نہیں کیا گیا جو جنگ کی شروعات کی خاص وجوہات میں سے ایک تھی۔ لیکن جنگ کے خاتمہ کے بعد جب یورپ میں امن کے دور کا آغاز ہوا تو امریکی ملاحوں پر جبری قبضہ کا سلسلہ خود بخود ختم ہوگیا۔ اور ایک بار پھر لاتعداد امریکی جہاز دُنیا کے گوشے گوشے میں بلاخوف و خطر سطح سمندر پر تیرنے لگے۔

۱۸۱۲ء کی جنگ کے خاتمہ پر صاف ظاہر ہوگیا کہ اب امریکی ریاستوں میں اتنا اتحاد ہوگیا ہے کہ اس سے قبل کے کسی دور میں نہ تھا اور اس کے بعد بھی موجودہ دور کے ماسوا کبھی نہ ہوا۔ تاریخ کے مدّ و جزر نے ریپبلکن پارٹی کو اس بات پر مجبور کردیا کہ وہ حکومتی معاملات میں وہی سخت رویہ اختیار کریں جو ان کے پیشرو وفاقیوں نے اختیار کیا تھا۔ برطانیہ اور فرانس کے ساتھ تعلقات میں کشیدگی' لوزیانہ علاقہ کی خریداری اور بذات خود جنگ' ان سب باتوں کا شدید تقاضہ تھا کہ مرکزی حکومت کے اختیارات کو قومی پیمانہ پر سختی کے ساتھ عمل میں لایا جائے۔ یہاں تک کہ قومی بینک کو دوبارہ جاری کیا گیا جسے چند سال قبل ختم کرنیکی اجازت دیدی گئی تھی۔

سپریم کورٹ کے چیف جسٹس 'جان مارشل' نے جو فیصلے صادر کئے انہوں نے وفاقی حکومت کے اختیارات کو مزید تقویت پہونچائی۔ مارشل سیاسی طور پر وفاقیوں کا حامی تھا اور اسے ۱۸۰۱ء میں 'جان آدمز' نے چیف جسٹس مقرر کیا تھا۔ اپنی تقرری کے آئندہ چونتیس برسوں میں اس کو متعدد آئینی بحرانوں سے دوچار ہونا پڑا مگر اس نے ہر مرتبہ کامیابی سے مقابلہ کیا اور سرخرو ہوا۔ "کیا سپریم کورٹ کو ان غیر آئینی قوانین کو منسوخ کرنیکا اختیار ہے جنھیں کانگریس نے منظور کیا ہو؟" ماربری اور میڈیسن کے مشہور مقدمہ میں مارشل نے اس سوال کا جواب اثبات میں دیا۔ "کیا عدالت کو ایسے ریاستی قوانین منسوخ کرنیکا اختیار ہے جو وفاقی آئین کے منافی ہوں؟" کوہن اور ورجینیا کے مابین اس مسئلہ کا جواب بھی اس نے

ہال' میں دیا۔ اس بات کا سہرا جان مارشل کے سر ہے کہ اس کی کوششوں سے سپریم کورٹ نے حکومت میں وہ فوقیت اور اقتدار حاصل کیا جو آج نظر آرہا ہے۔

ذرائع مواصلات میں انقلاب آنا بھی ملک کی یک جہتی اور ہم آہنگی کا باعث ہوا۔ اٹھارویں صدی کے آغاز میں دخانی کشتیوں کی ایجاد کی بدولت امریکی دریاؤں خصوصاً دریائے مسی سیپی اور اس کی شاخوں کے علاقوں میں تیزی کے ساتھ زبردست معاشی ترقی ہوئی۔ سنہ ۱۸۳۰ء میں ریلوں کی توسیع و ترقی مختلف امریکی ریاستوں اور مختلف قبیلوں کے درمیان تجارتی ترقی کا ایک اہم سبب بن گئی۔ ذرائع رسل ورسائل کی ان ترقیوں کی بدولت نئے نئے شہر وجود میں آنے لگے اور نئی نئی صنعتیں قائم ہونے لگیں۔ چنانچہ یورپ سے ترک وطن کرکے امریکی نوآبادیوں میں آباد ہونے والوں کی تعداد میں تیزی سے اضافہ ہونے لگا۔

سنہ ۱۸۱۶ء اور سنہ ۱۸۲۴ء کا درمیانی وقفہ امریکہ کی تاریخ میں بہتر سمجھ اور راگ کے دور سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس دور میں اقتصادی ترقی میں خاصی تیزی ہوئی۔ وفاقی پارٹی کا خاتمہ ہوگیا اور ریپبلکن پارٹی اسوقت تک ایسے گروہوں میں منقسم نہیں ہوئی تھی جو ایک دوسرے کے خلاف نکتہ چینی کرتے۔ صدر "جیمز منرو" کی قیادت میں امریکی خارجہ پالیسی کے تحت بیرونی معاملات کو ثابت قدمی سے نبٹنا بھی اس دور کی اہم خصوصیت ہے۔

نئی آبادیات میں اسپینی سلطنت دم توڑ رہی تھی۔ نپولین کے خلاف جنگی سلسلوں میں اسپینی حکومت اسقدر کمزور ہوچکی تھی کہ اس کے زیر اقتدار میکسیکو سے لیکر جنوبی امریکہ کے زیریں کناروں تک پھیلی ہوئی نوآبادیوں میں ابھرتی ہوئی آزادی کی تحریکوں کو کچلنا اس کی قوت سے باہر ہوگیا۔ فلوریڈا میں ابتری اور لاقانونیت کا دور دورہ شروع ہوگیا اور یہاں کے "سیمینول انڈین" باشندوں نے امریکی باشندوں کے خلاف بار بار سرحدی حملوں کا سلسلہ شروع کردیا۔

بے قابو ہوتے ہوئے "سیمینول انڈین" باشندوں کی سرکوبی کے لئے صدر منرو نے

جو شیلے "انیڈریو جیکسن" کو فلوریڈا کی سرحد پر متعین کیا اور ضرورت پڑنے پر سرحد پار کر کے بھی ان سیمینول باشندوں سے نبٹنے کا اسے اختیار دیدیا گیا۔ جیکسن نے جو نامکمل اقدامات کا قائل نہ تھا، ۱۸۱۸ء میں فلوریڈا پر آندھی کی طرح حملہ کر کے اسپر آسانی سے قبضہ کر لیا۔ مرکزی حکومت نے اس کے اس اقدام کی حمائت کی اور اسپینی ..... حکومت نے پچاس لاکھ ڈالر کے عوض امریکی حکام کے حق میں اس علاقہ سے اپنی دستبرداری چپ چاپ منظور کر لی۔

ریاست ہائے متحدہ کی حکومت میں اس بڑھتے ہوئے اعتماد کا جلد ہی دوسری قوموں کو احساس ہو گیا۔ چنانچہ فرانس، آسٹریا، روس اور پروشیا نے فوراً اشتراکیت کا ایک معاہدہ کیا جس کا مقصد یوروپی سلطنتوں کو وہ مقبوضہ علاقے واپس دلانا تھا جو نپولین سے جنگوں کے دوران ان کے قبضوں سے نکل گئے تھے۔ جس وقت اسپین نے امریکہ میں اس کے ہاتھ سے نکلے ہوئے مقبوضہ علاقوں کی داستان ان اشتراکی ملکوں کو سنائی اور ان سے فریاد کی تو یہ اشتراکی فوراً اس بات پر آمادہ ہو گئے کہ ان علاقوں کو دوبارہ حاصل کرنے میں اسپین کی مدد کی جائے۔ اور اس طرح وہ اپنے لئے بھی کچھ علاقہ بطور حصہ وصول کر لیں۔ فرانس کی میکسیکو پر نظر تھی اور روس نے، جس کا الاسکا پر قبضہ تھا اور جو بحرالکاہل کے ساحلی علاقوں میں جنوب کی طرف پھیلتا جا رہا تھا، کیلیفورنیا پر قبضہ کر کے بطور انعام حاصل کرنیکا فیصلہ کر لیا تھا۔

یورپی ممالک کے ان اقدامات نے امریکی باشندوں کو خوفزدہ کر دیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایک مرتبہ پھر یورپ کی خاص خاص بڑی طاقتیں امریکہ کو چہار جانب سے گھیر کر اپنے شکنجے میں جکڑنے کی تیاری کر رہی تھیں۔ ان کا خیال تھا کہ اب دوسرے جھگڑے کھڑے ہوں گے اور غالباً اس کے نتیجے میں نہ صرف پھر جنگیں ہونگی بلکہ یہ جنگیں امریکی سرزمین کے خطرناک حد تک قریب لڑی جائے گی۔

برطانیہ بھی یورپی ممالک کے اس اشتراکیت کا مخالف تھا۔ لاطینی اور جنوبی امریکہ کے ساتھ اس کی تجارت وسیع پیمانہ پر ہو رہی تھی۔ جنگوں کے باعث ان ممالک کا اسپین یا فرانس کے ساتھ اپنی تجارت منتقل کر دینے کا خطرہ تھا جو برطانیہ کے مفاد کے خلاف تھا۔ چنانچہ برطانوی وزیر کیننگ نے یہ تجویز پیش کی کہ امریکہ اور برطانیہ ملکر ایک مشترکہ پالیسی کے تحت یورپ کے جنگ پسند ممالک کو آگاہ کر دیں کہ وہ مغربی نصف کرہ پر قبضہ کرنیکا خیال اپنے دل سے نکالدیں اور اس سے کوئی تعرض نہ کریں۔ اس کے ساتھ ہی برطانیہ اور امریکہ آپس میں بھی ایک عہد کریں کہ آئندہ وہ دونوں بھی شمالی اور جنوبی امریکہ میں مزید پیش قدمی کرنے سے باز رہیں گے۔

برطانیہ کی یہ پیش کش امریکہ کے لیے بڑی پُرکشش تھی۔ اس تجویز پر عمل کرنے کا مطلب یہ تھا کہ ایک روایتی دشمن اس کا حلیف بن جاتا۔ نیز برطانیہ کے زبردست بحری بیڑہ کی قوت اس مشترک اعلان میں اور قوت پیدا کر دیتی۔ لیکن چند امریکیوں نے جن میں خصوصیت سے سکریٹری آف اسٹیٹ 'جان کوئنزی آرمز' کا نام قابلِ ذکر ہے یہ محسوس کیا کہ اس تجویز کے پس پشت برطانیہ کا مقصد یہ ہے کہ دوسری طاقتوں کے ساتھ ساتھ امریکہ کو بھی لاطینی اور جنوبی امریکہ میں تعرض کرنے سے باز رکھا جائے۔ اور یہ اقدام امریکہ کے بہترین مفاد کے خلاف تھا۔ آرمز نے اس بات پر اعتراض کیا کہ امریکہ برطانیہ کے ہاتھ میں کھلونا بن جائے اور اس کے اشاروں پر چلے۔ اس کے برعکس اس نے حکومت کو مشورہ دیا کہ امریکہ تنہا اپنی مرضی سے صورت حال کا مقابلہ کرے۔

آخر کار آرمز کے مشورہ پر عمل کرتے ہوئے صدر منرو نے ۱۸۲۳ء میں کانگریس کے نام ایک پیغام میں اپنا مشہور اصول منرو پیش کیا۔ اس اصول کے تحت منرو نے سخت اور واضح الفاظ میں یورپ کو اس بات سے خبردار کر دیا کہ آئندہ سے وہ مغربی کرہ ارض کے کسی علاقہ پر بھی قابض ہونیکی کوشش نہ کرے اور نہ ہی وہ موجودہ آزاد ممالک کے داخلی معاملات میں کسی قسم کا اعتراض کرے۔ اپنے اس پیغام کی مزید وضاحت کرتے ہوئے منرو نے اس بات کا

یقین دلایا کہ جہاں تک امریکہ کا تعلق ہے وہ یورپ کے معاملات میں دخل نہ دینے کی پالیسی پر مستقل عمل کرتا رہے گا۔

'اصول منرو' آنے والے تقریباً سو سالوں کے لئے امریکی خارجہ پالیسی کا سنگ بنیاد ثابت ہوا اس اقدام سے ریاستہائے متحدہ مغربی کرہ ارض کا حمایتی اور لاطینی اور جنوبی امریکہ کے مفادات کا محافظ بن گیا۔ چنانچہ آنیوالے سالوں میں امریکہ نے تمام طاقتوں کو جنہوں نے امریکی ممالک کے داخلی معاملات میں مداخلت کرنیکی کوشش کی، دھمکیوں سے مرعوب کر کے اپنے ارادوں سے باز رکھنے میں کامیاب رہا۔ لیکن چچا سام بذاتِ خود اپنے ہمسایہ ممالک کے معاملات میں برابر مداخلت کرتے رہے۔ چنانچہ جلد ہی ان کو بے رحم شہنشاہی حکومت کے حامی اور موقع پرست کے الفاظ سے نوازا جانے لگا۔

اگرچہ اصول منرو کا بنیادی مقصد حفاظت خود اختیاری تھا اور اس کی مدد سے بحر اوقیانوس کو رکاوٹ بنا کر امریکہ کو یورپ کی جارحانہ کارروائیوں سے محفوظ کرنا تھا مگر رفتہ رفتہ اس کے معنی اور تشریح میں مستقل تبدیلیاں ہوتی رہیں۔ اپنے اصلی مفہوم میں یہ اب متروک ہو چکا ہے کیونکہ اب ریاستہائے متحدہ کسی بھی لاطینی امریکہ کی جمہوریت کا دعویدار نہیں رہا ہے بلکہ اس کے برعکس امداد باہمی اور اجتماعی سلامتی کے تحت قائم کردہ ایک متحدہ امریکی نظام کا ممبر بن گیا ہے۔ اسکے علاوہ اس صدی کی دونوں عظیم جنگوں میں نہ صرف امریکی فوجوں نے یورپ کی سرزمین پر متعدد لڑائیوں میں شرکت کی ہے بلکہ آجکل بھی دُنیا کے مختلف شوریدہ علاقوں میں امریکی سپاہ تعینات ہے۔ اس کے باوجود ایک دوسرے مفہوم اور وسیع معنی میں یہ منرو اصول ابتک مروج ہے کیونکہ امریکی عوام اب پہلے سے زیادہ اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ خود انکے ملک کی سلامتی اسی میں مضمر ہے کہ ہر جارحیت کا سختی کے ساتھ مقابلہ کیا جائے چاہے وہ دُنیا کے کسی بھی گوشے میں کیوں نہ ہو۔

صدر منرو کے دورِ صدارت کے اختتام کے ساتھ ہی امریکہ کے امن و سکون اور ہم آہنگی کے دور کا خاتمہ ہو گیا۔ فرقہ وارانہ ذہنیت جو قومی یک جہتی کے باریک تہ میں دبی ہوئی ابھرنے کے لیے وقت کی منتظر تھی، ۱۸۲۴ء کے انتخابات کے موقعہ پر آخر کار کھل کر سامنے آگئی۔ ریپبلکن پارٹی نے چار امیدوار نامزد کیے۔ میسے چوسیٹیز سے جان کوینزی آدمز، جارجیا سے ولیم ایچ۔ کرافورڈ، ٹینیسی سے اینڈریو جیکسن اور کنٹکی سے ہینری کلے۔

اگرچہ جیکسن سب سے زیادہ ووٹ حاصل کر کے عوام کے اعتماد کا اظہار کرنے میں کامیاب ہو گیا مگر اس کے باوجود کسی بھی امیدوار نے انفرادی طور پر اکثریت میں یعنی پچاس فیصد سے زیادہ ووٹ حاصل نہیں کیے۔ اس کے باوجود جب دارالعوام میں انتخابات کا سلسلہ شروع ہوا تو کلے نے آدمز کی حمایت کرنیکا اعلان کر دیا۔ کلے کی یہ حمایت نیو انگلستان کے امیدوار کو کامیابی سے ہمکنار کر کے اپنے باپ کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے وہائٹ ہاؤس میں داخل ہونے کے لیے کافی تھی۔ مغربی باشندہ ہونے کے باوجود کلے، جیکسن کو سخت ناپسند کرتا تھا اور اس کو فوجی سردار کے لقب سے مخاطب کر کے اس کا مذاق اڑاتا تھا۔ اس کے برعکس وہ زیادہ محصولات، قومی بینک اور مضبوط مرکزی حکومت کے متعلق آدمز کے قدامت پرستی کے موقف کے باعث اس کو پسند کرتا تھا۔

دوسری طرف جنوبی اور مغربی امریکہ کے عوام اپنے محبوب لیڈر جیکسن یا اولڈ ہاکری کی شکست سے پیچ و تاب کھا رہے تھے۔ ان سب باتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ آدمز۔ کلے گروپ نے واشنگٹن میں اپنے دورِ صدارت کے چار سال مایوس کن حالات اور غیر تعمیراتی ماحول میں گزارے۔ ۱۸۲۸ء کے صدارتی انتخاب میں جیکسن کی نئی ڈیماکریٹک پارٹی نے غیر معمولی اکثریت سے کامیابی حاصل کر کے ملک کا اقتدار سنبھال لیا۔ وہ جن پالیسیوں پر عمل پیرا رہا اس سے غالباً کوئی بھی واقف نہیں تھا۔ مگر اس کے باوجود سیدھے سادھے

عوام کے لئے ایک معیار بن گیا تھا۔ جمہوریت کا چلتا پھرتا نمونہ۔

جیکسن نے عوام کی خواہشات پر سختی سے عمل پیرا ہوتے ہوئے اپنی شہرت کے معیار کو قائم رکھا۔ جس منصوبہ کو بھی عوام کی اکثریت کی تائید حاصل ہوئی، اس نے اپنی تمام قوّت سے اس کو عملی جامہ پہنایا۔ چنانچہ اس خاصیت کی بدولت اس نے اپنے حریفوں سے 'شاہ اینڈریو اول' کا لقب حاصل کیا۔ ملک کی کسی ایک بھی سیاسی جماعت یا طبقہ کی اسکو تائید حاصل نہیں تھی حالانکہ مزدور طبقہ، چھوٹے تاجر اور کاشتکار شدّت کے ساتھ اس کی حمایت کرتے تھے۔ البتہ اس نے مغرب کو اپنی شدید قومیت اور مشرقی بینکوں کے مفادات میں عدم اعتمادی کا شدید احساس دلادیا۔

جنوبی ریاستوں کے دائیں بازو والے، جنکا خیال تھا کہ انہیں صدر کی ہمدردی حاصل ہے، سب سے پہلے جیکسن کی ناراضگی کا شکار ہوئے۔ جنوبی ریاستوں میں محصول کے سوال پر بہت زیادہ شورش برپا تھی اور ان میں تحریک پیدا ہو رہی تھی۔ چنانچہ ۱۸۳۰ء میں جان سی۔ کالہن کی قیادت میں، جو جنوبی کیرولینا کا باشندہ تھا، ایک تحریک شروع ہوئی، جس کا مقصد جنوبی کیرولینا میں ۱۸۲۸ء کے بڑھے ہوئے قانونی محصول کو کالعدم قرار دینا تھا۔ ایک دعوت استقبالیہ میں جو جیفرسن کی یوم ولادت کی تقریب میں منعقد ہوئی تھی اور جہاں قانون محاصل، کی تنسیخ اور ریاستوں کے حقوق کے متعلق کھُل کر آزادی سے اظہار رائے کیا جا رہا تھا، جیکسن نے کھڑے ہوتے ہوئے ایک جام صحت تجویز کیا اور کالہن سے براہ راست مخاطب ہو کر بولا "ہمیں اپنے وفاقی اتحاد کو ہر قیمت پر قائم رکھنا ہوگا۔" چنانچہ آگے چلکر جب جنوبی کیرولینا کی ریاست نے قانون محاصل کی تنسیخ کی کوشش کی اور ریاست ہائے متحدہ سے قطع تعلق کرنے کے منصوبے بنائے تو جیکسن نے اپنے الفاظ کو عملی جامہ پہنایا اور چالیس ہزار امریکی سپاہیوں کی مدد سے ریاست میں داخل ہونے اور اس پر قبضہ کر لینے کی دھمکی دی۔ اس دھمکی نے اپنا اثر دکھایا اور جنوبی کیرولینا

کی ریاست نے عین وقت پر اپنے موقف کو ترک کر دینے اور وفاقی حکومت کے سامنے سر جھکا دینے کا فیصلہ کر لیا۔ اس کے صلہ میں محاصل میں تھوڑی سی تخفیف کر دی گئی تاکہ ریاست کی خودی کو جو ٹھیس پہونچی ہے اس کا کچھ مداوا ہو جائے۔

شمالی مشرقی ریاستیں جہاں جیکسن کے وفاقی اتحاد کے موقف سے خوش تھیں وہاں اس کے قومی بینک کے متعلق رویہ سے ناخوش بھی۔ اس بینک کا کاروبار سرکاری نیز بڑے بڑے تاجروں کے مشترکہ سرمایہ سے چلتا تھا۔ یہ تاجر اکثر و بیشتر قرضوں کی پیش کش اور دوسری رعایتوں کے ذریعہ کانگریس کے نمائندوں کو متاثر کر کے ان پر دباؤ ڈالتے رہتے تھے۔ جیکسن نے، جو اس قسم کی رعایتوں کا شدید مخالف تھا، اس بینک سے چھٹکارا حاصل کرنے کا تہیہ کر لیا۔ اس کے خیال میں یہ بینک سیاسی سرگرمیوں کا مرکز تھا۔ اس نے تمام سرکاری رقوم کو بینک سے نکال لینے کے احکام صادر کر دئے۔ اگرچہ اس کے اس رویّہ پر بہت سے احتجاجات ہوئے اور اسپر الزام لگایا کہ اپنے اس اقدام کے ذریعہ وہ آئین کی خلاف ورزی کر رہا ہے کیونکہ چیف جسٹس مارشل اپنے ایک فیصلہ میں اس بینک کو آئینی قرار دے چکا تھا، مگر صدر اپنے موقف پر قائم رہا اور آخر کار بینک بند ہو گیا اور اس کی جگہ اسٹیٹ بینک نے قومی خزانہ کا کاروبار سنبھال لیا۔

اسی دوران عوامی جائیدادوں اور نئی صنعتوں میں سٹہ بازی کے ہیجان نے سارے ملک کو اپنی گرفت میں لے لیا۔ اسٹیٹ بینک نے بڑی تعداد میں کاغذی نوٹ جاری کئے تاکہ ملکی صنعت کی فروغ میں اضافہ ہوا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ملک میں افراط زر بہت بڑھ گیا۔ لہٰذا جیکسن نے یہ حکم نافذ کیا کہ آئندہ سے ریاست ہائے متحدہ کے خزانوں میں زمینوں کے معاوضوں کی ادائیگی صرف سونے اور چاندی کے سکوں میں ہوگی۔

جیکسن کی تنہا شخصیت ان سارے انتظامات کا بنیادی کردار تھی اور پوری حکومت اسکی ذات میں مرکوز تھی۔ چنانچہ جس وقت وہ اپنے جانشین نیو یارک کے حسیت دستور "مارٹن وان بیورن" کے حق میں وہایٹ ہاؤس سے دستبردار ہوا تو ملک کا سارا معاشی نظام اچانک ڈگمگا گیا۔ اور

۱۸۳۷ء میں سارے ملک میں انتشار اور خوف وہراس کی کیفیت پیدا ہو گئی۔ کاغذی سکون کے مقابلے میں سونے چاندی کے سکے نایاب ہو گئے اور زرعی ترقیاتی کاموں کی فراہمی تقریباً بالکل رک گئی۔ بینک فیل ہو گئے اور ہزاروں افراد بے روزگار ہو گئے۔ ملک کی اس ابتر حالت کا ذمہ دار 'وان ہیورن' کو قرار دیا گیا۔ ۱۸۴۰ء کے انتخاب میں جیکسن اور وان ہیورن کے مخالفین کے متحدہ محاذ نے جو اپنے کو 'وہگ' کے نام سے منسوب کرتے تھے، ڈیماکریٹک پارٹی کو شکست دیدی اور ان کے نمائندہ ولیم ہینری ہیریسن نے کرسی صدارت سنبھالی جسنے انڈین کے مخالف مغربی علمدار کی حیثیت سے کافی مقبولیت حاصل کی۔

منرو، آدمز اور جیکسن کے دور صدارت میں مغربی نوآبادیوں کی آبادکاری کا سلسلہ تیزی سے جاری رہا۔ شمال مغرب اور لوزیانہ کے علاقوں میں آبادی کے اضافے کے ساتھ ساتھ یکے بعد دیگرے متعدد ریاستیں قائم ہوتی گئیں اور ریاستہائے متحدہ میں شمولیت کرتی گئیں مشرقی حصہ کی قدیم ریاستیں اور خاص طور سے نیوانگلینڈ اس نوآبادیاتی ترقی کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھ رہی تھیں۔ انہیں اس بات کا خطرہ تھا کہ مزید ریاستوں کی شمولیت کے ساتھ ساتھ کانگریس پر ان کا رسوخ کم ہوتا چلا جائیگا۔ اور ایک وقت ایسا آئیگا جب اس وسیع جمہوریت میں نہ صرف ان کی حیثیت ثانوی ہو کر رہ جائیگی بلکہ اس کا مفاد بھی انکے مفاد سے مختلف ہو جائیگا انکے اس خوف کی معقول وجوہات تھیں۔ ۱۸۲۰ء تک سینٹ کے چھیالیس ممبروں میں سے سولہ ممبر "ایلے گھینس" کے مغربی علاقے کی ریاستوں کی نمائندگی کرنے لگے تھے۔ ۱۸۰۳ء میں 'اوہیو' کی آبادی صرف پچاس ہزار تھی جو ۱۸۲۰ء میں بڑھکر چھ لاکھ تک پہونچ گئی تھی۔ اسی طرح انڈیانا کی آبادی ایک لاکھ سینتالیس ہزار نفوس پر مشتمل تھی۔

مغربی علاقہ کی یہ ترقی اگرچہ بحیثیت مجموعی پوری قوم کے لئے مفید تھی مگر اس نے ایسے مسئلہ کو باعث توجہ بنا دیا۔ جس سے ہر سنجیدہ شہری متفکر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ اور وہ تھا غلامی کا مسئلہ۔ کیا اس غیر جمہوری نظام کو نئی ریاستوں اور علاقوں میں پھیلنے کی اجازت ہونی چاہیے؟

جنوبی علاقہ کے باشندے جو مسوری، ارکانساز اور جنوبی مغربی علاقوں میں نوآبادیاں قائم کر رہے تھے، اس عمل کو حق بجانب سمجھتے تھے کہ وہ اپنے غلاموں کو ہمراہ لے جائیں اور اس طرح غلاموں کی نوآبادیاں قائم کریں۔ آئین کی کسی دفعہ کے تحت بھی ان کو اس اقدام سے منع نہیں کیا جاسکتا تھا۔ بلکہ اس کے برعکس کانگریس نے اسی نظام کی بنیاد پر کنٹکی، ٹے نیسی، مسی سپی اور لوزیانہ کی نوآباد ریاستوں کو اپنی یونین میں شامل کرلیا تھا۔

لیکن شمالی علاقے کے عوام میں غلامی کی مخالفت کے جذبات میں اضافہ ہوتا جارہا تھا۔ یہ مخالفت نہ صرف اخلاقی بنیاد پر تھی بلکہ اس کے پس پُشت سیاسی اور فرقہ وارانہ جذبہ بھی کارفرما تھا۔ انھیں اس بات کا خطرہ تھا کہ اگر غلاموں پر مشتمل نوآباد ریاستوں کی تعداد آزاد ریاستوں کی تعداد سے بڑھ گئی تو حکومت میں جنوبی علاقے کا رسوخ بڑھ جائیگا جس کے باعث ان کے موقف کو جو محاصل میں تخفیف اور کاشتکاروں کے مفاد کے تحفظ پر مشتمل تھا، فوقیت حاصل ہو جائیگی۔ جنوبی علاقہ کا یہ موقف شمالی علاقے کے تجارتی مفاد کے بالکل خلاف تھا۔

اوّل ترین بحران صدر منرو کی میعاد صدارت میں پیش آیا جو بہتر سمجھا اور ہم آہنگی کا دور سمجھا جاتا ہے اور اگرچہ اس کا آشتی سے تصفیہ ہو گیا تھا مگر اس کے باوجود دونوں فرقوں میں خوف و ہراس اور انتشار کی کیفیت پیدا ہو گئی تھی۔ ۱۸۱۹ء میں جبکہ ریاستہائے متحدہ کی یونین میں گیارہ آزاد اور گیارہ غلام ریاستوں کی شمولیت کے باعث دونوں فرقوں کا توازن برابر تھا، غلاموں کی ایک نوآباد ریاست مسوری نے یونین میں شمولیت کی درخواست کی۔ شمال نے مسوری کی شمولیت پر اس بنیاد پر اعتراض کیا کہ اس کے باعث یونین میں فریقین کا توازن بگڑ جائیگا۔ اس کے علاوہ مسوری کی شمولیت سے ایک ایسی مثال قائم ہو جائیگی جس کا سہارا لیکر دریائے مسی سپی کے مغرب میں غلامی کے رواج کی اور توسیع کی جانے لگے گی۔ دوسری طرف جنوب آئین اختیارات کا سہارا لیکر اپنے موقف پر ڈٹا رہا۔ اسنے یہ دلیل پیش کی کہ کانگریس کو صرف اس بات کا اختیار حاصل ہے کہ وہ نئی ریاستوں کو یونین میں شامل کرے۔ اس کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ ان شرائط کو تجویز کرے

جنکے تحت نئی ریاستوں کی یونین میں شمولیت ممکن ہے۔ جنوب نے دعویٰ کیا کہ یہ اختیار صرف ملک کے عوام کو حاصل ہے۔

۱۸۲۰ء میں ہنری کلے نے، جو ایک عظیم تصفیہ کنندہ تھا، اس مسئلہ کا حل پیش کیا اگرچہ اس حل کے باعث ایسے طریق کار کی بنیاد پڑی جس نے مستقبل میں بہت سے الجھاؤ پیدا کئے۔ اس زمانے تک 'مین' ریاست میسے چوسیٹز کا ایک حصہ تھی۔ ریاست 'مے' کی اجازت سے مین کو میسے چوسیٹز سے جدا کر کے ایک نئی آزاد ریاست کی حیثیت سے یونین میں شامل کر لیا گیا۔ مسوری کو غلام نوآباد ریاست کی حیثیت سے شمولیت ملی اور اس طرح یونین میں فریقین کا توازن برقرار رہا۔ اس کے ساتھ ساتھ ۳۶ اور ۳۰' کے متوازی ایک خط کھینچ دی گئی جو مسوری کی جنوبی سرحد سے شروع ہو کر لوزیانہ کے علاقہ سے گزرتی تھی اور اس خطہ کے شمالی عریض خطہ میں غلامی ممنوع قرار دے دی گئی۔ اس سمجھوتہ سے دونوں فریقین مطمئن ہو گئے۔

جیکسن کے دوران صدارت میں ایک مرتبہ پھر آزاد اور غلام ریاستوں کے درمیان توازن قائم کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ ۱۸۳۶ء میں ارکانساز کو، جو غلام ریاستوں کی حامی تھی، یونین میں شامل کیا گیا جبکہ مچیگن کو آزاد ریاست کی حیثیت سے شمولیت ملی۔ ۴۶-۱۸۴۵ء میں پھر 'آیوا' کے مقابلے میں فلوریڈا کو یونین میں شامل کر کے توازن برقرار رکھا گیا۔

غلامی کے مسئلہ نے، جو جمہوری ملک کے ابتدائی دور میں دوسرے اہم مسائل کے باعث دبا رہا، آخر کار پھر ابھرنا شروع کیا اور جلد ہی ایک بحرانی کیفیت پیدا ہو گئی۔ نئی نئی مہم پسند جماعتوں کی مغرب کی طرف پیش قدمی کے ساتھ ساتھ یہ مسئلہ نئے نئے تشدد کی شکل میں منظر عام پر آنے لگا۔ شمالی علاقوں کے مرغزاروں اور جنوبی علاقوں کے قیام گاہوں کے احاطوں میں عوام جمع ہوتے اور اس مسئلہ پر بحث کرتے۔ وزراء سیاسی پلیٹ فارموں سے تنقیدیں کرنے میں اور متعصب اور تشدد پسند اس فرقہ داری نفرت کی آگ کو اور ہوا دینے میں ہمہ تن مصروف تھے۔ ۱۸۴۰ء کے بعد کے دور میں غلامی کے مسئلہ نے اتنی اہمیت حاصل

کر لی تھی کہ ملک کے سارے سیاسی اور معاشی مسئلے پس پُشت چلے گئے تھے۔ لیکن قومی پیمانے پر وسیع خانہ جنگی میں گرفتار ہونے سے قبل، جس نے غلامی کے مسئلہ کا ہمیشہ کیلئے خاتمہ کر دیا تھا، امریکی عوام نے بحرالکاہل تک اپنی سرحدوں کی توسیع کی تکمیل کر لی تھی۔

چھٹا باب

پھوٹ اور نفاق کا مُلک

"الامو کو یاد رکھو" "چون ۵۴ چالیس یا جنگ"

سو سال قبل کے ان دونوں جنگی نعروں سے بیشتر امریکی واقف ہیں۔ پہلے نعرے کا تعلق اِس قتلِ عام سے ہے۔ جو ۱۸۳۶ء میں سان انیٹو نیو کے مقام پر میکسیکو کی فوج سے ریاست ٹیکساس کے عوام کا کیا تھا، اور دوسرا نعرہ اوریگن علاقے کی شمالی سرحد کے اس مسئلہ کی طرف اشارہ کرتا ہے جو ۱۸۴۶ء میں امریکہ اور برطانیہ میں باعث نزاع بنا تھا۔

اِس دوران ۱۸۴۰ء کے الیکشن کے فوری بعد جس میں وہگ پارٹی نے ڈیماکریٹس کو شکست دے دی تھی۔ امریکہ کا جنوبی مغربی علاقہ ٹیکساز اور بحرالکاہل کا شمالی مغربی علاقہ اوریگن مغربی ممالک کی توسیع کے سامراجی منصوبوں کا مرکز بنا ہوا تھا۔ میکسیکو کے اسپین سے آزادی حاصل کر لینے کے بعد ٹیکساز میکسیکو کا ایک صوبہ بن گیا تھا۔ جبکہ اوریگن پر امریکہ اور برطانیہ دونوں اپنے اپنے حقوق کا اِس بناء پر دعویٰ کر رہے تھے۔ کہ انہوں نے اِس علاقے کو سب سے پہلے دریافت کیا اور وہاں نوآبادیاں قائم کیں۔ ان دونوں علاقوں پر امریکی دعوں کی جدوجہد میں ناکام رہنے کی بناء پر وہگ پارٹی کو ۱۸۴۴ء کے

الیکشن میں ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔

۱۸۳۰ء میں ٹیکساز کی بیشتر آبادی امریکی عوام پر مشتمل تھی میکسیکو کی حکومت نے اسوقت اس اقدام کی حوصلہ افزائی کی تھی۔ لیکن بعد میں یہ معلوم کر کے کہ یہ صوبہ رفتہ رفتہ ان کے دائرۂ اختیار سے باہر ہوتا جا رہا ہے۔ میکسیکی حکومت نے اچانک اپنی پالیسی تبدیل کر دی۔ بیرونی ممالک سے ٹیکساز میں داخلے پر پابندی لگا دی گئی۔ اور وہاں کے انتظامیہ کے قوانین سخت کر دئے گئے ان اقدامات کا نتیجہ یہ ہوا کہ ٹیکساز کے عوام نے اپنے ملک کی آزادی کا اعلان کر دیا اور جلد ہی جنگ شروع ہو گئی۔

میکسیکی صدر "سانتا این" کے زیرِ کمان فوج نے باغیوں پر حملہ کر دیا۔ اور ایک مختصر سے مقابلے کے بعد باغیوں کے جانباز سپاہیوں پر مشتمل اس دستے کا صفایا کر دیا جو سینٹ انٹونیو کی مشن عمارت 'الامو' کی حفاظت کر رہا تھا۔ ٹیکساز کو اس شکست کا بدلہ لینے میں زیادہ عرصہ نہیں لگا۔ چنانچہ ۱۸۱۲ء کی جنگ کے مجاہد جنرل سام ہوسٹن کی زیر کمان ٹیکساز کی فوج نے سان جیکنیٹو کے مقام پر میکسیکی فوج کو کچل کر رکھدیا۔ سانتا اینا کو گرفتار کر لیا گیا اور جنگ کا خاتمہ ہو گیا۔ اسطرح ٹیکساز ایک آزاد جمہوری ملک بن گیا جس کا صدر ہوسٹن تھا۔

اس طرح اپنی آزادی حاصل کر لینے کے باعث ٹیکساز کے عوام فخر محسوس کرنے لگے تھے۔ مگر چونکہ ریاستہائے متحدہ سے وہ قلبی تعلق محسوس کرتے تھے۔ اس لئے انہوں نے یونین میں شمولیت کی خواہش ظاہر کی ٹیکساز میں غلامی کے رواج کے باعث شمالی علاقوں نے اس شمولیت پر اعتراض کیا۔ میکسیکو کی یہ دھمکی کہ ریاستہائے متحدہ میں ٹیکساز کی شمولیت اعلانِ جنگ کے مترادف سمجھی جائے گی۔ اس کی شمولیت میں ایک اور رکاوٹ ثابت ہوئی۔ چنانچہ یہ سیاسی حالات کے پس منظر و ھگ اور ڈیماکریٹک پارٹیوں نے ۱۸۴۴ء کے الیکشن کی مہم کا آغاز کیا۔

ٹے نیسے کے جیمس کے پولک کو اپنا قائد منتخب کرتے ہوئے ڈیموکریٹک پارٹی نے

اپنے منشور کا جرأت مندانہ اعلان کیا۔ جس کے تحت ٹیکساز اور یگن علاقوں کی امریکی یونین میں شمولیت کی حمایت کی گئی تھی۔

ان کا یہ اعلان شمالی اور جنوبی دونوں علاقوں کے لئے وزن رکھتا تھا۔ کیونکہ غلاموں کی اکثریت کے صوبے ٹیکساز کی امریکی یونین میں شمولیت کے ساتھ ساتھ توازن برقرار رکھنے کے لئے اوریگن کی شمولیت بھی ضروری تھی۔ جو شمالی علاقوں کے آباد کاروں پر مشتمل ایک آزاد ریاست تھی۔ وھگ پارٹی کا نمائندہ اعتدال پسند ہنری کلے تو تھا جو اس علاقہ کی یونین میں شمولیت کے متعلق اسقدر بیباکی سے اظہار رائے کرنے سے گریز کر رہا تھا۔ چنانچہ پولک عوام کی پسند کا مرکز بن گیا۔ اور الیکشن جیتنے میں کامیاب ہو گیا۔

پولک کے عہدہ صدارت کا قلمدان سنبھالنے سے قبل ہی ٹیکساز یونین میں شامل کر لیا گیا۔ جس کے فوراً بعد صدر نے اوریگن سے متعلق اپنے جھگڑے کا برطانیہ سے تصفیہ کر لیا۔ ریاستہائے متحدہ امریکہ نے بحر الکاہل کے پورے شمال مغربی علاقہ پر اپنے حق کا دعویٰ کیا تھا۔ جس میں اوریگن کے علاوہ برطانوی کنیڈا سے لیکر ۴۰۵۴ کے خط کے متوازی روس الاسکا کی سرحد تک سارا علاقہ شامل تھا۔ برطانیہ نے اس دعوے کو مہمل قرار دیتے ہوئے گفتگو سے انکار کر دیا۔ چنانچہ الیسے الیکشن کی مہم کے اس بلند بانگ نعرہ کو کہ چوّن چالیس یا جنگ آسانی سے نظر انداز کرتے ہوئے پولک نے برطانیہ سے درمیانی مقام پر سمجھوتہ کر لیا۔ اس کے تحت ۴۹ کے متوازی علاقوں پر امریکہ کو اقتدار حاصل ہو گیا۔ اس کے تھوڑے عرصے ہی بعد ٹیکساز کی جنوبی سرحد پر ایک جھگڑا کھڑا ہو گیا۔ جو جلد ہی امریکہ اور میکسیکو میں اس جنگ کا سبب بن گیا جس کی ایک عرصے سے توقع کی جا رہی تھی۔ اکثر یہ دلیل پیش کی جاتی ہے۔ کہ امریکہ ایک عرصے سے کسی ایسے بہانے کا متلاشی تھا جسکو وجہ بنا کر وہ اپنے کمزور ہمسایہ ملک پر چڑھائی کر سکے اور اس طرح اپنی قلمرو کی وسعت کیلئے اور علاقے حاصل کر سکے۔ دوسری طرف میکسیکو نے نہ صرف ثالثی اور مصالحت کی ساری

کوششوں کو ناکام بنا دیا بلکہ دریائے (ریو گرینڈ و) کے مقام پر امریکہ پر حملہ کرنے میں سبقت سے کام لیا۔ بہر حال اعلان جنگ کے ساتھ ہی ساتھ جنرل زچاری ٹیلر اور ون فیلڈ اسکاٹ کے زیر کمان امریکی فوجوں نے میکسیکو کے اندرونی علاقوں پر پیشقدمی کرتے ہوئے انھیں کھنگالنا شروع کر دیا۔ امریکی بحریہ نے بحر الکاہل کے ساحلی علاقوں میں امریکی نو آبادوں کی مدد کی۔ اور کیلیفورنیا کے علاقے کو غنیم سے چھین لیا۔

۱۸۴۷ء تک میکسیکو کے دارالخلافہ پر قبضہ کر لیا گیا۔ اور ریاستہائے متحدہ ہر مقام پہ کامیابی سے ہمکنار رہا۔ میکسیکو کو مغربی علاقہ کا بیشتر حصہ جو کیلیفورنیا نیو میکسیکو اور آریزونا پر مشتمل تھا بطور تاوانِ جنگ حکومتِ امریکہ کو ادا کرنا پڑا۔ اس علاقے کی ملکیت کے عوض امریکہ نے ڈیڑھ کروڑ ڈالر نقد رقم کی پیش کش کی۔ اسکے باوجود بہت سے امریکیوں کا خیال تھا کہ صلح کی شرائط میں بہت نرمی برتی گئی اور درا صل پورے میکسیکو کو امریکی علاقہ میں شامل کر لینا چاہئے تھا۔ اس تمام علاقے کی شمولیت کے باعث امریکہ کے رقبہ میں تقریباً اتنی وسعت ہو گئی جتنی موجودہ دور میں نظر آتی ہے۔ اب امریکی سرحدیں ایک طرف بحر الکاہل کو چھو رہی تھیں۔ تو دوسری جانب بحرِ اوقیانوس سے ہمکنار تھیں یہ دوسری بات تھی کہ مشرقی اور مغربی علاقوں کے درمیان ریگستان جنگلات اور پہاڑی سلسلوں کے حائل ہونے کے باعث دونوں ایک دوسرے سے جُدا ہو گئے تھے۔

۱۸۴۹ء میں کیلیفورنیا میں سونے کی دریافت کی خبر جنگل کی آگ کی مانند ملک کے طول و عرض میں پھیل گئی۔ چنانچہ ملک کے ہر علاقے سے منچلوں اور جانبازوں کے گروہ کے گروہ کیلیفورنیا کی سمت کوچ کرنے لگے۔ کیلیفورنیا کے درہ آب اور دریائی تہوں میں سونے کی موجودگی کی خبر کامیابی کے متلاشی لوگوں کے لئے اتنی پُرکشش تھی، کہ ہزاروں کی تعداد میں لوگ اس نئے علاقے کی طرف متوجہ ہونے لگے پرانے اور پُر سکون بوسٹن ہنگامہ پرور نیویارک اور مشرقی گاؤں اور مرغزاروں کے گوشے گوشے سے مختلف افراد اپنی بند گاڑیوں

میں بھوک پیاس کی سردی اور انڈین قبائل کا مقابلہ کرتے ریگستانوں اور پہاڑوں کا سینہ چیرتے ۴۹ کے خطِ متوازی کی طرف رواں دواں ہو نکلے۔ تاکہ اس نئے خطے میں قسمت آزمائی کر کے مستقبل سنوار سکیں۔

سونے کی اس دوڑ سے قبل کیلیفورنیا ایک پُرسکون اور معمولی آبادی کا علاقہ تھا۔ جو چند اسپینی چراگاہوں مشنریوں اور ساحلوں پر پھیلے ہوئے امریکیوں پر مشتمل تھا۔ ۱۸۴۹ء میں اسکی آبادی چھ ہزار سے بڑھکر بچاسی ہزار تک پہنچ گئی۔ جلد ہی اس کے عجلب پسند شہری جنکی بیشتر تعداد شمالیوں پر مشتمل تھی۔ ایک آزاد ریاست کی حیثیت سے یونین میں شمولیت کے لئے صدائیں بلند کرنے لگے۔

کیلیفورنیا کے باشندوں کی یہ خواہش مُلک کے لئے بہتری کی صورت ثابت ہوئی۔ کیونکہ کانگریس کے ممبروں میں اس مسئلے پر کشمکش شروع ہو چکی تھی کہ میکسیکو سے حاصل کردہ نئے علاقوں کی یونین میں شمولیت کے لئے کونسا طریقہ کار استعمال کیا جائے۔ اس تنازعہ کے جوش میں شمال اور جنوب دونوں نے مساوات کے اس اصول کو نظر انداز کر دیا جو مسوری کے سمجھوتے کے تحت قائم کئے گئے تھے۔ شمالی علاقے کے باشندوں نے نعرہ لگایا کہ پورا مغربی خطہ آزاد علاقہ قرار دیدیا جائے۔ اس کے جواب میں جنوب نے اسی شدت سے مطالبہ کیا کہ پورے مغربی خطے میں غلامی کو رائج کرنیکی اجازت ہونا چاہیے۔ ان دونوں گروپ کے درمیان اعتدال پسند طبقہ تھا۔ جس نے محدود حق خود اختیاری کی بنیاد پر عمل کرتے ہوئے مشورہ دیا کہ ہر علاقے کے باشندوں کو اس بات کے فیصلے کا حق دیا جانا چاہیئے کہ آیا وہ غلامی کی موافقت میں ہیں یا مخالفت میں۔

ایک مرتبہ پھر عظیم تصفیہ کنندہ ہنری کلے نے اس مسئلے کے حل کے لئے اپنی خدمات پیش کیں۔ اس نے تجویز پیش کی کہ کیلیفورنیا کو تو آزاد ریاست کی حیثیت سے یونین میں شامل کر لیا جائے اور میکسیکو سے حاصل کردہ باقی علاقہ دو حصوں میں "یوٹا" اور نیو میکسیکو میں منقسم

کردیا جائے۔ جو محدود اختیارات کی بنیاد پر اپنی حیثیت کا خود فیصلہ کریں۔ کلے بل کی ایک اور خصوصیت مفرور غلاموں کا سخت قانون تھا جس کا مقصد جنوب کی خوشنودی حاصل کرنا تھا۔ اِس قانون کے تحت جنوبی علاقے سے فرار ہو کر شمال میں پناہ لینے والے غلام کو فوراً تلاش کر کے اسکے آقا کے حوالے کر دینا ضروری قرار دیا گیا۔

۱۸۵۰ء کی اس مصالحت کی تجویز پر کانگریس میں گرما گرم بحث ہوئی جس میں بہترین مقررین نے حصہ لیا۔ جنوب کی نمائندگی کرنے والے بوڑھے مندوب کالھون نے اس تجویز کی اس بنا پر مخالفت کی۔ کہ اِس بل میں نو آباد علاقوں میں غلامی کے رواج کی غیر مشروط ضمانت نہیں دی گئی تھی۔ 'کالھون' نے یہ دلیل پیش کی کہ غلامان' لوگوں کی ذاتی جائیداد ہیں چنانچہ ان پر علاقائی اور ریاستی قانون کا اطلاق ہوتا ہے نہ کہ خود وفاقی قانون کا چنانچہ کالھون کے خیال کے مطابق کانگریس اس بات کی مجاز نہیں ہے کہ وہ نئے علاقوں سے غلاموں کے حصول پر پابندی عائد کر دے۔

شمالی علاقے بھی اِس مصالحت کے بل' کو تردّد اور شک کی نظر سے دیکھ رہے تھے۔ مفرور غلاموں کے بل پر ان کو خصوصیت سے اعتراض تھا۔ لیکن ان کے بہترین مقرر میسے چوسٹیز کے ڈینیل وسبٹر نے خلاف توقع کلے کی حمایت میں آواز اٹھائی۔ اپنی مؤثر تقریر میں اس بل کی حمایت کرتے ہوئے' اس نے یہ استدلال پیش کیا کہ ہمیں ریاستہائے متحدہ کی یونین کو ہر قیمت پر تباہ ہونے سے بچانا چاہئے۔ آخرکار کانگریس نے اس بل کی منظوری دے دی۔ جس کے بعد پورے ملک کے عوام نے یہ سمجھ لیا کہ غلامی کے مسئلہ کا ہمیشہ کیلئے خاتمہ ہو گیا۔

ملک میں ہر طرف خوشحالی کا دور دورہ تھا۔ ریلوں کے جال بچھائے جا رہے تھے شمال مشرقی علاقے میں نئی نئی فیکٹریوں کا قیام عمل میں آرہا تھا۔ مغربی وسطی علاقوں کے کھیت غلّے اگل رہے تھے۔ اور کیلیفورنیا میں سونے کی پیداوار کی گرم بازاری تھی۔ جنوبی علاقہ سفید ریشہ کپاس کی بدولت ترقی کی نئی منزلوں کو چھو رہا تھا۔

۱۸۵۰ء میں جنوبی علاقے کی تقریباً نوے لاکھ کی آبادی میں تیس لاکھ سے اوپر غلام شامل تھے۔ یہ غلام صرف چند سفید فام نفوس آقاؤں کے زیر اقتدار تھے نیگرو باشندوں کی بیشتر تعداد نے ان بڑے بڑے مزرعوں کی اپنے خون اور پسینے سے سینچائی کر دی تھی جنکی ملکیت چند ہزار امراء اور اشرافی خاندانوں کے ہاتھ میں تھی۔ آئین کی وجہ سے ۱۸۰۸ء کے بعد سے غلاموں کی درآمد ناجائز قرار دیدی گئی تھی مگر اسوقت تک ان کی تعداد اس حد تک بڑھا لی گئی تھی، کہ وہ نہ صرف انکی موجودہ ضرورت کے لئے کافی تھی۔ بلکہ ان کی نسل کے آئندہ کی مانگ بھی پوری ہونیکی توقع تھی۔

مختلف علاقوں میں غلاموں کے ساتھ مختلف برتاؤ روا تھا۔ بیشتر علاقوں میں ان کے ساتھ اگرچہ سختی کا سلوک کیا جاتا تھا مگر اس میں بے رحمی کا عنصر نہیں ہوتا تھا۔ بڑے اور منظم مزرعوں پر ان کے لئے تعلیم اور مذہبی ٹریننگ کا مناسب بندوبست کیا جاتا تھا۔ اور ان کو اس بات کی اجازت تھی کہ اپنے مجوزہ فرائض کی انجام دہی کے بعد وہ کہیں بھی آ سکتے تھے۔ چند مزرعوں پر انکو خدمات کے صلے میں چھوٹی چھوٹی تنخواہیں دیجاتی تھیں اور ان کو اس بات کا حق حاصل تھا کہ ایک مقررہ مدت کے بعد وہ اپنی آزادی خرید سکتے تھے۔

اس کے برعکس کچھ نظیریں ایسی بھی ہیں۔ جہاں غلاموں سے ان کی استعداد سے زیادہ کام لیا جاتا تھا۔ مارا پیٹا جاتا تھا۔ بدسلوکی کی جاتی تھی۔ اور ان کے خاندان کے افراد کو نیلام کر کے ایک دوسرے سے جدا کر دیا جاتا تھا۔ اپنی قسمت پر شاکر رہنے کی بجائے ظلم کے شکار یہ غلام موقع کی تلاش میں رہتے تھے اور موقع ملتے ہی شمالی علاقوں یا کناڈا میں اس امید پر فرار ہو جاتے تھے کہ وہاں ان کو انکی آزادی میسر آ جائیگی۔ چنانچہ بیشتر نیگرو باشندوں کو شمالی علاقے کے ہمدرد لوگوں کی پناہ حاصل ہو جاتی تھی۔ جو مفرور غلاموں کے ایکٹ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے ان غلاموں کو ان کے آقاؤں کو واپس کرنے سے انکار کر دیتے تھے۔

شمال میں تھوڑی بہت غلامی رائج تھی۔ انقلاب کے فوراً بعد اسکا بھی خاتمہ ہو گیا۔

غلاموں پر ظلم و استبداد کی داستانیں سنکر اور مفرور نیگروں سے براہ راست گفتگو کرنے کے باعث شمالی علاقے کے لوگ غلامی کے اخلاقی پہلو کے متعلق بہت متفکر اور بے چین ہو گئے چنانچہ ایک مختصر گروہ نے جو انسداد غلامی کا حامی کہلاتا تھا۔ غلامی کے فوری خاتمے کے لئے تحریک اور مظاہرے شروع کر دئے۔ ۱۸۵۲ء میں ہیریٹ بیچر' نامی مصنف نے مزدوری غلاموں کی زندگی سے متعلق ایک ناول لکھا جس کا عنوان تھا۔ ' چچا ٹام کی کوٹھری ' اس کتاب کی شہرت جنگل کی آگ کی مانند شمالی علاقے میں پھیل گئی اور لاتعداد باشندوں نے اسے خریدا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ غلامی کے خاتمے کی تحریک کی حمایت میں رائے عامہ اور مضبوط ہو گئی۔

غلامی کے خلاف شمالی علاقے کے جذبات بھڑکانے میں ناول اور اس سے قبل کے دوسرے اقدامات سے بڑھکر جو بات سب سے زیادہ اہم ثابت ہوئی وہ 'کنساز۔ نبراسکا' کا قانون تھا۔ جو ۱۸۵۴ء میں پاس ہوا۔ اس قانون کے ذریعہ جو اِلی نائس کے وفاقی سینیٹر اسٹیفن ڈگلس کی تحریک پر پاس ہوا تھا۔ ۱۸۵۰ء کی مصالحت کی تجویز کا وہ قانون منسوخ کر دیا گیا جس کے تحت لوزیانا علاقے کے شمالی حصے میں غلامی ممنوع قرار دے دی گئی تھی۔ چنانچہ پانچ لاکھ مربع میل سے زیادہ کا ممنوع علاقہ غلامی کے رواج کی ترقی کے لئے پھر کھولدیا گیا اور اس طرح جنوبی علاقوں کو ایک مرتبہ پھر یہ موقع مل گیا کہ وہ اِن علاقوں میں غلامی کے رواج کو ترقی دے سکے۔

ڈگلس کے اِس اقدام کی بنیادی وجوہات کیا تھیں۔ یہ بات صیغۂ میں ہی رہی۔ ہو سکتا ہے کہ اس کے دل میں صدر بننے کی انتہائی آرزو جنم لے رہی ہو اور اس اقدام کے ذریعے وہ جنوب کی حمایت حاصل کرنا چاہتا ہو۔ شمالی مغربی علاقے میں اس کی بڑی بڑی جاگیریں اور مزرعے تھے۔ لہٰذا ہو سکتا ہے کہ وہ اسطرح ان علاقوں کو علاقائی خود مختاری دیکر ان کی ترقی کا خواہاں ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ اپنی بیوی کے زیر اثر ہو جو جنوب کی باشندہ تھی۔ بہر حال لوزیانا کا شمالی حصہ کنساز اور نبراسکا کے دو علاقوں میں منقسم کر دیا گیا۔

اور اس طرح وہاں نو آبادیاتی دور کی ابتدا ہوئی۔ ان علاقوں کی تقسیم کے ساتھ ہی ساتھ شمال اور جنوب دونوں کی نظریں کنساز پر جم گئیں۔ دونوں علاقوں کے شرپسند اور انتہا پسند افراد نے ایک دوسرے پر اپنی دھونس جمانے کی کوشش شروع کر دی۔ جس کا نتیجہ خانہ جنگی کی شکل میں سامنے آ گیا۔ مجموعی خودمختاری اگرچہ بظاہر بڑی پرکشش نظر آتی تھی لیکن وہ کنساز میں ناقابل عمل پائی گئی اور نہ صرف بری طرح ناکام رہی بلکہ کشت و خون کا باعث بھی بنی۔

تین سال بعد ڈریڈ اسکاٹ کے مقدمے میں سپریم کورٹ کے فیصلہ کے باعث غلامی کی تحریک کو کافی تقویت حاصل ہوئی۔ اسکاٹ نامی ایک غلام نے اس بنیاد پر اپنی آزادی کا دعویٰ کیا کہ اس کا مالک ایک مرتبہ اسکو آزاد علاقے میں لے گیا تھا چیف جسٹس ٹینی نے اسکاٹ کے خلاف فیصلہ دیا۔ اس کے جواز میں اس نے یہ دلیل پیش کی کہ امریکہ میں کوئی علاقہ آزاد علاقہ نہیں ہے۔ آئینی اختیارات کے تحت غلاموں کی حیثیت ذاتی ملکیت جیسی ہے۔ چنانچہ کانگریس کو یہ اختیار نہیں حاصل ہے کہ وہ غلاموں کو کسی کی ملکیت سے جدا کر سکیں۔ اِس فیصلہ کے بعد سے ہر نئی ریاست میں غلامی کی تحریک رواج پانے لگی۔

اِس دوران شمال میں ایک نئی سیاسی جماعت تشکیل پا رہی تھی۔ اس جماعت کے کارکنوں نے جو اپنے آپ کو ریپبلکن کے نام سے منسوب کرتے تھے، واضح اور غیر مبہم طور پر یہ مطالبہ کیا کہ نو آباد ریاستوں میں غلامی کے سلسلے کو مکمل طور پر ختم کر دیا جائے۔ اِس جماعت نے موجودہ زمانے پر اپنے وجود کو برقرار رکھا۔ اس کے اوّل ترین لیڈروں میں ابراہیم لنکن کا نام بھی شامل ہے جو اِلی نائش کے علاقے اسپرنگ فیلڈ کا ایک قانون داں اور سیاست داں تھا۔

لنکن کی پیدائش ۱۸۰۹ء میں کنٹکی کی سرحدی چوکی کے ایک کیبن میں ہوئی تھی۔ اس کے مقدر میں ایسے وقت امریکہ کا صدر بننا لکھا تھا۔ جبکہ ملک انقلاب کے بعد سب سے

نازک دور سے گزر رہا تھا۔ لنکن ایک حلیم دہقانی تھا۔ خود آموز اور اولوالعزم ہونے کے ساتھ ساتھ وہ ایک عوامی آدمی بھی تھا۔ اپنی جوانی میں وہ الی نائش منتقل ہو گیا تھا۔ جہاں اسے وہاں قانون کی حیثیت سے کافی مقبولیت حاصل ہوئی۔ چنانچہ اسے کانگریسی انتخابات میں بھی کامیابی ہوئی اور ایک میعاد کے لئے وہ اس کا ممبر منتخب کر لیا گیا۔ اگرچہ لنکن کو اپنے علاقے میں کافی مقبولیت حاصل تھی۔ مگر ۱۸۵۸ء میں غلامی سے متعلق مباحثوں سے قبل جو اسکے اور اسٹیفن اے ڈوگلس کے درمیان پیش آئے تھے۔ اس کو قومی پیمانے پر شہرت حاصل نہیں ہوئی تھی۔ دونوں اشخاص الی نائش سے امریکی سینٹ کا انتخاب لڑ رہے تھے۔ لنکن کو ری پبلکن کی حمایت حاصل تھی۔ ڈوگلس کو ڈیماکریٹس کی۔

انھیں مباحثوں کے درمیان لنکن نے عمومی خود مختاری کے حامی ڈوگلس کے سامنے ایک سوال پیش کیا کہ آیا ڈریڈ اسکاٹ فیصلہ کے مدّ نظر کیا کسی علاقے کو یہ حق حاصل ہے کہ ایک ریاست میں جانے کے بعد قانونی طور پر غلامی کو اپنے علاقے سے خارج کر سکتا ہے؟ ڈوگلس نے جواب دیا کہ بیشک ہر علاقے کو یہ حق حاصل ہے اور یہ کہ اگرچہ غلامی قانونی طور پر جائز ہے مگر حکومت کو یہ اختیار حاصل نہیں ہے کہ وہ غلامی کو ایسے لوگوں پر جبراً مسلّط کرے جو اسے ناپسند کرتے ہوں۔ ڈوگلس کے اس جواب کے باعث اسے جنوب کی اس حمایت سے ہاتھ دھونا پڑا جو اس نے بڑی محنت سے حاصل کی تھی۔ کیونکہ جنوب کے نظریہ کے مطابق اگر غلامی قانونی طور پر جائز ہے تو پھر غلاموں کے مالکوں کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنی ملکیت کی ہر طرح حفاظت کریں۔ چاہے اس کے لئے انہیں طاقت کا استعمال ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔

لنکن کے مقابلے میں ڈوگلس نے امریکی سینٹ کا انتخاب محدود اکثریت سے جیت لیا مگر آثار بتا رہے تھے کہ ان دونوں کے مابین ابھی ایک اس سے بھی بڑا معرکہ جنم لینے والا تھا۔ لنکن نے پیشنگوئی کی، کہ مجھے یقین ہے۔ کہ یہ حکومت جو آدھے آزاد اور آدھے غلام افراد پر مشتمل ہے۔

مستقل طور پر قائم نہیں رہ سکتی، یا تو اسے مکمل طور پر آزاد حکومت میں تبدیل ہونا پڑیگا۔ اور یا مکمل طور پر غلام حکومت میں، اس پیشگوئی کے باعث اسے شمال کی حمایت حاصل ہونا شروع ہو گئی اور اسکی مقبولیت میں اضافہ ہونے لگا۔

چنانچہ ۱۸۵۹ء میں جب ایک سر پھیر "تحریک انسداد غلامی" کے رکن جان براؤن نے ورجینیا کے مقام ہارپرس پیری کے اسلحہ خانہ پر دھاوا بول دیا۔ تو پوری قوم کو زبردست دھچکا پہنچا۔ براؤن نے انیس آدمیوں کی مدد سے سرکاری اسلحہ خانے کو لوٹنے اور جنوب میں غلاموں کی بغاوت پھیلانے کا منصوبہ بنایا تھا مگر رابرٹ ای۔ بی کے زیر کمان امریکی فوجیوں نے اس کو گرفتار کر لیا۔ اس پر مقدمہ چلایا گیا۔ اور پھر پھانسی دیدی گئی۔ شمال اور جنوب کے ہر طبقہ کے لوگوں نے براؤن کے اس جلد بازی اور ناعاقبت اندیشی کے فعل کی مذمت کی۔ اس کے ساتھ ہی نیو انگلینڈ کے تحریک انسداد غلامی کے ذی فہم افراد نے جن میں مشہور شاعر اور فلسفی رالف والڈو ایمرسن بھی شامل ہے براؤن کے اس فعل کی نہ صرف تعریف کی بلکہ اسے شہید کا درجہ دیکر یسوع مسیح کے رتبہ پر پہنچا دیا۔ اس واقعہ نے جنوب کے باشندوں کے دلوں میں جو شروع ہی سے غلاموں کی شورش سے خوفزدہ تھے اور آتش غضب بھڑکا دی۔

۱۸۶۰ء کی انتخابی مہم شروع ہوتے ہی عوام کا جوش خروش نقطہ ابال پر پہنچ گیا۔ پریذیڈنٹ بوچانن جو ڈیماکریٹس سے تعلق رکھتا تھا ایک اوسط درجے کا منتظم تھا۔ اور غلامی سے متعلق بحران میں مناسب قدم اٹھانے سے قاصر رہا تھا۔ چنانچہ اس کا نام امیدواروں کی فہرست سے خارج کر دیا گیا۔ چنانچہ ڈیماکریٹس نے جنوب کے وسطی علاقہ ساؤتھ کیرولینا کے مقام چارلسٹن میں اپنا اجلاس منعقد کیا۔ اس اجلاس کا مقصد پارٹی کے افراد میں اتحاد اور اتفاق کا برقرار رکھنا تھا۔ اور ان کے خیال میں یہ مقصد اس طرح حاصل ہو سکتا تھا۔ جب اسٹیفن اے ڈوگلس کو

صدارتی امیدوار منتخب کر لیا جائے۔ مگر وہ مرد آہن جنوب کے اس مطالبہ پر کسی طرح بھی رضامند نہیں ہوا۔ کہ غلامی کا ہر طرح تحفظ کیا جائے۔ اور اُسے ان علاقوں میں زبردستی رائج کیا جائے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پارٹی کے شمال اور جنوب کے ممبران دو مختلف الخیال گروہوں میں منقسم ہو گئے۔ اور پارٹی کا اتحاد پارہ پارہ ہو گیا۔ چنانچہ جنوب کے ڈیماکریٹس نے کنٹگی کے جان سی۔ بریکینرج کو اپنا نمائندہ منتخب کر لیا۔ اور بعد کے ایک دوسرے اجلاس میں شمالی گروپ نے ڈوگلس کو اپنا اُمیدوار بنا لیا۔

ریپبلکن پارٹی کا اجتماع شکاگو میں ہوا۔ انہیں امید تھی۔ کہ وہ نیویارک کے سینٹر ولیم ایچ سیوارڈ کو اپنا امیدوار منتخب کر لیں گے۔ مگر حالات نے اچانک پلٹا کھایا اور پارٹی کے ایک طبقہ کے جذبات لنکن کی موافقت میں شدت اختیار کر گئے اور تیسری مرتبہ کی ووٹنگ میں لنکن کی موافقت میں فیصلہ ہو گیا۔ اپنے منشور کا اعلان کرتے ہوئے پارٹی نے غلامی کے خاتمے اور کنساز کو ایک آزاد ریاست کی حیثیت سے تسلیم کئے جانے کی پرزور حمایت کی۔ اسی پر اکتفانہ کرتے ہوئے اور جنوب کی مزید ناراضگی کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے انہوں نے مقامی صنعتوں کے تحفظ کی خاطر محصولات میں اضافہ کا مطالبہ کیا۔ اور ملک کی داخلی اصلاحات اور رفاہِ عام کی خاطر ایک عظیم وفاقی منصوبہ بنانے پر زور دیا۔ تاکہ ملک کے عوام کی معاشی حالت بہتر بنائی جا سکے۔ اور ان کے رہن سہن کا معیار بلند کیا جا سکے۔

اس موقع پر ایک چوتھی جماعت انتخابی مہم کے میدان میں آموجود ہوئی جس کا نمائندہ ٹے نی سی کا جان بیل تھا۔ یہ جماعت اپنے آپ کو آئینی اتحاد کے لقب سے منسوب کرتی تھی اس جماعت کا بنیادی مقصد سرحدی علاقوں سے ووٹ حاصل کر کے کامیابی حاصل کرنا تھا۔ چنانچہ اس نے غلامی کے تنازعی مسئلہ کو پس پشت ڈال دیا۔ اور صرف آئین کی وفاداری کے اصول کی حمایت کا اعلان کیا۔

آخر کار نومبر ۱۸۶۰ء کا انتخابی دن بھی آگیا۔ اور ووٹنگ مکمل ہوتے کے بعد لنکن کی کامیابی کا اعلان کر دیا گیا۔ لنکن کے حق میں چالیس فیصدی ووٹ آئے۔ سرحدی علاقوں اور جنوبی ریاستوں سے اس کو ایک ووٹ بھی نہ مل سکا۔ اس کے باوجود چاروں صدارتی امیدواروں میں اس کے ووٹ سب سے زیادہ تھے۔ اور انتخابی کالج میں اسکو اکثریت حاصل ہو گئی تھی۔ ڈگلس دوسرے نمبر پہ تھا۔ اور اسے شمالی ریاستوں کی تائید حاصل ہوئی تھی۔ بریکینرج اور بیل کو صرف اپنے اپنے سرحدی علاقوں اور جنوبی ریاستوں کی حمایت حاصل تھی۔

لنکن کی کامیابی کی خبر مشہور ہوتے ہی جنوبی ریاستوں پر اس کا شدید ردِ عمل شروع ہو گیا چنانچہ دسمبر میں ساؤتھ کیرولینا نے امریکی یونین سے علیحدگی اختیار کر لی اور اس اقدام کی پیروی کرتے ہوئے زیریں جنوب کی بہت سی ریاستوں نے بھی یہی حرکت کی۔ ان ریاستوں نے فروری ۱۸۶۱ء میں الیانیہ کے علاقہ منٹگمری میں اپنا اجلاس طلب کیا اور آپس میں متحدہ ریاستہائے امریکہ کے نام سے ایک تنظیم قائم کی اور جیفرسن ڈیوس کو اس تنظیم کے صدر کی حیثیت سے منتخب کیا۔ ڈیوس مغربی علاقہ کا باشندہ تھا اور میکسیکن کی جنگ میں شہرت حاصل کر چکا تھا۔ اس کے علاوہ وہ امریکہ کے سنیٹر اور وزیر جنگ کی حیثیت سے بھی کام کر چکا تھا۔

امریکی ریاستوں کی یونین کو اس طرح منقسم ہوتے دیکھکر کانگریس نے مفاہمت کے بہت سے طریقے اختیار کرنیکی کوشش کی تاکہ نہ صرف جنوبی ریاستوں کے مزید انخلاء کو روکا جاسکے بلکہ جو ریاستیں یونین سے علیحدہ ہو چکی ہیں ان کو بھی دوبارہ یونین میں شامل ہونے کی ترغیب دی جاسکے۔ مگر کانگریس کی یہ سب کوششیں رائیگاں گئیں۔ لنکن اور ریپبلکن پارٹی کے پسِ پشت جنوبی ریاستوں کو ایک ایسی تحریک کے آثار نظر آرہے تھے جو آگے چلکر ان جنوبی ریاستوں کی پالیسی اور مفاد پر

ضرب کاری ثابت ہوتی۔ انہیں خوف تھا کہ اگر غلامی کے رواج کو ترقی نہ دی گئی تو ترقی پذیر شمال پورے ملک پر حاوی ہو جائیگا۔ اور اس طرح جنوبی ریاستوں پر سیاسی اور اقتصادی فوقیت حاصل کر لیگا۔ یہ بات جنوب کی قوت برداشت سے باہر تھی کہ وہ معاندانہ رویہ رکھنے والی اکثریت کو وفاقی اختیارات دیکر ایسے طبقے پر مسلّط کرا لے جو روایتی طور پر حکومت میں ریاستی حقوق کے اصول پر عقیدہ رکھتا ہو۔ جنوبی زرعی ریاستوں کو اس بات کا یقین ہو گیا کہ متضاد مفاد رکھنے والی شمالی صنعتی ریاستوں سے کبھی مفاہمت نہیں ہو سکتی۔

مارچ ۱۸۶۱ء میں صدر لنکن نے اپنی اختتامی تقریر میں جنوب کو مخاطب کرتے ہوئے جو مفاہمی رویہ اختیار کیا وہ استدعا کا رنگ لئے ہوئے تھا۔ لنکن نے کہا کہ وہ صرف اس بات کا مخالف ہے کہ غلامی کے رواج کو مزید توسیع دیجائے۔ جن ریاستوں میں یہ رواج نافذ ہے وہ اسپر عمل جاری رکھ سکتے ہیں۔ ملک کے مشترکہ ورثہ کی طرف توجہ دلاتے ہوئے لنکن نے جنوب کو آگاہ کیا کہ یہ بات روحانی، جسمانی اور سیاسی طور پر ناممکن ہے کہ دونوں طبقے مخالف سمت میں آگے بڑھیں ساتھ ہی اسنے وعدہ کیا کہ وہ اسوقت تک طاقت کا استعمال نہیں کرے گا جس وقت تک خود امریکی حکومت کے خلاف طاقت کا استعمال نہ کیا جائے۔

لنکن کی اس اپیل کا جواب جنوب کی طرف سے ایک ماہ بعد چارلسٹن ہاربر میں دیا گیا جہاں ایک جزیرے فورٹ سمٹر میں امریکی حکومت نے ایک مختصر سا فوجی دستہ متعین کیا ہوا تھا۔ فوجی دستے کی اشیاء خورد و نوش ختم ہو رہی تھیں اور لنکن کے لئے دو ہی صورتیں سامنے تھیں: یا تو جہازوں کے ذریعہ مزید خوراک پہونچائی جائے اور یا پھر ہتھیار ڈالکر فوجی چوکی کو ریاستی تنظیم کی حکومت کے سپرد کر دی جائے۔ لنکن نے مزید خوراک بھیجنے کا فیصلہ کیا اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی اعلان کر دیا کہ اس رسد میں

اسلحہ یا دوسرے جنگی سامان شامل نہیں ہیں۔ اس کے باوجود ریاستی تنظیمی حکومت نے اس اقدام کو غیر دوستانہ قرار دیا اور بارہ اپریل ۱۸۶۱ء کو تنظیمی حکومت کی توپوں نے قلعہ کی طرف رُخ کر کے اپنے دہانے کھول دئے۔ دو دن بعد قلعہ بند دستے نے ہتھیار ڈال دئے۔ ستاروں اور پٹیوں والا امریکی پرچم اتار دیا گیا اور اسکی جگہ تنظیمی حکومت کے پرچم نے لے لی۔ اب خانہ جنگی کی ابتدا ہو چکی تھی۔

فورٹ سمٹر کی جنگ اور اس کے نتیجے کی خبر سے جہاں جنوب میں خوشی کے شادیانے بجائے گئے وہاں شمال میں غصّہ کی لہر دوڑ گئی۔ صدر لنکن نے پچھتر ہزار رضا کار طلب کر لئے تاکہ ان کی مدد سے وفاقی حکومت کے اقتدار کو سارے ملک پر قائم کیا جا سکے۔ مزید چار ریاستوں نے جن میں ورجینیا، شمالی کیرولینا، ارکانساز، اور ٹے نیسی شامل تھیں، یونین سے علیحدگی اختیار کر لی۔ سرحدی ریاستیں بھی جنوب کی ہمدردی میں یونین سے کنارہ کشی اختیار کر گئیں لیکن کنٹکی، مسوری اور میری لینڈ کو بزورِ قوت یونین میں شمولیت برقرار رکھنے پر مجبور کر دیا گیا۔ ورجینیا کے مغربی علاقے نے یونین سے اپنی وفاداری برقرار رکھی چنانچہ آگے چلکر مغربی ورجینیا کو ایک علیحدہ ریاست کا درجہ دیکر یونین میں شامل کر لیا گیا۔

جہاں تک آبادی اور صنعتی ترقی کا تعلق تھا، شمال کو جنوب پر فوقیت حاصل تھی۔ یونین میں جو تیئیس ۲۳ ریاستیں ابتک شامل تھیں انکی مجموعی آبادی تقریباً دو کروڑ تھی جبکہ علیحدگی اختیار کر لینے والی گیارہ ریاستوں کی آبادی صرف ایک کروڑ تھی۔ جنوب کی اس ایک کروڑ آبادی میں سے تقریباً پینتیس ۳۵ لاکھ کی آبادی غلاموں پر مشتمل تھی۔ اس طرح سفید نسل کی آبادی کا جہاں تک تعلق تھا، شمال جنوب سے تقریباً تین گنا زیادہ تھے۔ اس کے علاوہ شمال کی آبادی میں ان لوگوں کی وجہ سے مسلسل اضافہ ہو رہا تھا جو شمالی یورپ سے نقل وطن کر کے امریکہ میں آباد ہو رہے تھے۔

شمالی ریاستیں، جن میں وسطی مغرب کا طاقتور اور وفادار علاقہ بھی شامل تھا، صنعتی طور پر بہت آگے تھیں۔ ان کے پاس نہ صرف عسکری سامان بنانے کی لاتعداد فیکٹریاں تھیں بلکہ ریلوں کا ایسا انتظام بھی موجود تھا جن کی مدد سے وہ ان اسلحہ جات کو میدانِ جنگ تک بہ آسانی پہونچا سکتے تھے۔ جنوب میں ایسی سہولتوں کا فقدان تھا۔ ان کو اسلحہ ساز فیکٹریاں از سرِ نو قائم کرنا پڑ رہی تھیں اور ساتھ ہی عسکری سامان یورپی ممالک سے خفیہ طور پر درآمد کرنا پڑ رہا تھا۔

ان سب باتوں کے باوجود بہت سے پہلو ایسے بھی تھے جہاں جنوبی ریاستوں کو شمال پر فوقیت حاصل تھی۔ اول یہ کہ ان کی جنگ دفاعی جنگ تھی اور وہ اپنی جان و مال کی حفاظت کے لئے لڑ رہے تھے۔ لہٰذا سامانِ رسد کی مختصر بہم رسانی کے باوجود لڑائی جاری رکھ سکتے تھے۔ اس علاقے کے لوگ شکاری اور باہری زندگی کے زیادہ عادی تھے۔ چنانچہ یہ لوگ شمالی علاقے کے لوگوں کے مقابلے میں زیادہ بہتر سپاہی ثابت ہوتے تھے۔ جہاں بیشتر فوج دوکانداروں اور کارخانوں کے مزدوروں پر مشتمل تھی۔ اس کے علاوہ جنوب کے بہت سے افراد نے تجارت چھوڑ کر اپنی زندگیاں فوجی پیشے کے لئے وقف کر دی تھیں۔ ویسٹ پوائنٹ ملٹری اکاڈیمی کے بہترین گریجویٹ کی بیشتر تعداد جنوبی ریاستوں کے افراد پر مشتمل تھی اور ان میں رابرٹ ای، لی، اور ٹی۔ جے۔ اسٹونوال جیکسن، جیسے افراد شامل تھے جنھوں نے جنوبی فوجوں کی بے مثال قیادت کی۔ آخر میں، اگرچہ جنوب کی آبادی شمال کے مقابلے میں بہت کم تھی مگر اس کے باوجود ان کے پاس غلاموں کی کثیر تعداد تھی۔ چنانچہ انہوں نے ان غلاموں کو دوسرے اہم کاموں پر تعینات کر دیا اور اس طرح سفید فام افراد کی بیشتر تعداد محاذ پر لڑنے کے لئے آزاد ہو گئی۔

خانہ جنگی کا پہلا نصف حصہ دو خاص محاذوں پر لڑا گیا۔ مشرق میں ورجینیا اور مغرب میں دریائے مسی سیپی کا ساحلی علاقہ۔ ورجینیا ریاست کی یونین سے علیحدگی اختیار کرتے ہی رچمنڈ،

کو باغی تنظیمی ریاستوں کا دار الخلافہ قرار دیدیا گیا حالانکہ واشنگٹن سے اس کا فاصلہ صرف ایکسو میل تھا۔ 'رچمنڈ چلو' کے پُر اعتماد نعروں کے درمیان شمال نے تقریباً تیس ہزار افراد پر مشتمل ایک فوج ورجینیا روانہ کردی جہاں برابر کی تعداد پر مشتمل باغیوں کی فوج اپنے دشمن سے ٹکر لینے کے لئے مستعد کھڑی تھی۔ چنانچہ ۲۱ جولائی ۱۸۶۱ء کو 'بل رن' کے مقام پر دونوں فوجیں پہلی جھڑپ میں ایک دوسرے سے نبرد آزما ہوئیں۔

وفاقی فوجوں کی جنوب میں اس پیش قدمی کو وفاقیوں نے فوجی مہم کے بجائے ایک تفریحی سفر پر محمول کیا۔ چنانچہ اسی کے پیشِ نظر کانگریس کے بے شمار نمائندے اپنی بیوی بچوں اور خوراک کے ساتھ اس مہم کے ہمرکاب ہو گئے تھے۔ لیکن جلد ہی یہ تفریحی مہم خوف و دہشت میں تبدیل ہو گئی کیونکہ ایک زبردست جھڑپ کے بعد شمالی فوج کے میدان جنگ سے قدم اکھڑ گئے اور پسپا ہوتی ہوئی فوج، جس میں کانگریسی نمائندے پیش پیش تھے، بھاگ کر واشنگٹن واپس پہونچ گئے۔ اس شکست سے فوج اور عوام کے حوصلے پست ہو گئے۔

ایک نئے عزم و استقلال سے کام لیتے ہوئے شمالی ریاستوں نے مزید رضاکار طلب کر لئے۔ اس مرتبہ صدر لنکن نے رچمنڈ پر دوبارہ پیش قدمی کرنے کے لئے نئی ترتیب دی ہوئی فوج کی قیادت جارج بی۔ میک کلیلان، کے سپرد کی جو ویسٹ پوائنٹ' کا شہری تھا۔ میک بہترین منتظم تھا اور اپنے فوجی سپاہیوں میں بیحد مقبول تھا۔ مگر ساتھ ہی وہ انتہائی محتاط بھی تھا۔ سمندری راستے سے پیش قدمی کرتے ہوئے میک نے رچمنڈ کے جنوب مشرق میں ایک لاکھ فوج کے ساتھ اپنے قدم جما لئے اور ۱۸۶۲ء کے موسم بہار میں آگے بڑھتے ہوئے اُسنے باغی تنظیمی ریاستوں کے دار الخلافہ پر حملہ کر دیا جہاں 'لی'' اور 'جیکسن' کی قیادت میں غنیم کی فوج جو تعداد میں صرف نصف تھی مقابلے کے لئے تیار تھی۔ ایسے وقت جبکہ فتح و کامرانی اسکے قدم چومنے والی تھی، میک کے حوصلے پست ہو گئے اور وہ میدان جنگ چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوا اور واشنگٹن میں آکر پناہ لی۔ میک نے اپنی شکست کا جواز یہ پیش کیا کہ غنیم کی تعداد اس کی فوج کی تعداد سے

بے انتہا زیادہ تھی۔

اُدھر وہائٹ ہاؤس میں صدر لنکن اپنے جنرل کی اس حرکت پر اسکی طرف سے مایوس ہوگیا۔ میک کلیلان نہ صرف مغرور تھا بلکہ اس نے صدر کے ساتھ ہتک آمیز برتاؤ بھی کیا۔ اس کے علاوہ وہ ایک پکا ڈیماکریٹ تھا اور اس بات کا شبہ تھا کہ وہ جنوبی ریاستوں کو خوش کرنا چاہتا تھا۔ لنکن اس بات کے لئے بالکل آمادہ ہو چکا تھا کہ جسوقت بھی کوئی بہتر جنرل سامنے آئے، میک فوراً تبدیل کر دیا جائے۔

ان شکستوں کے علاوہ دوسرے ممالک کے ساتھ سفارتی معاملات بھی لنکن کے لئے پریشانی کا باعث بنے ہوئے تھے۔ برطانوی حکومت اور اس کے امراء کا طبقہ، دونوں کی ہمدردیاں جنوب کے ساتھ تھیں جسکے ساتھ ان کے گہرے تجارتی تعلقات تھے۔ امریکی یونین کی فوج نے جنوبی بندرگاہوں کا کامیابی کے ساتھ محاصرہ کر لیا جس کے باعث برطانیہ کو جنوب سے پہونچنے والی کپاس کا سلسلہ بند ہوگیا۔ چنانچہ اس کے باعث برطانوی حکومت کے تعلقات ریاستہائے متحدہ سے اور بھی خراب ہوگئے اور وہ جنوب کی کھلم کھلا حمایت کرنے لگے۔ یہ بحرانی کیفیت اسوقت سنگین شکل اختیار کر گئی جب یونین کے ایک جنگی جہاز نے ایک ایسے برطانوی اسٹیمر کو روک لیا جس میں باغی تنظیمی ریاستوں کے دو نمائندے سوار تھے۔ انہوں نے ان نمائندوں کو جہاز سے زبردستی اُتار لیا اور ان کو بوسٹن میں محصور کر دیا۔ کھلے سمندر میں اس کے بین الاقوامی حقوق کی اس طرح پائمالی پر برطانیہ نے امریکہ سے نہ صرف شدید احتجاج کیا بلکہ جنگ کی دھمکی بھی دیدی۔

امریکہ کی دفاقی حکومت نے جلد ہی محسوس کر لیا کہ اگر کوئی بھی بیرونی بڑی طاقت جنوب کی حلیف بنگئی تو امریکہ شکست اور تباہی سے کسی طرح بھی نہ بچ سکے گا۔ چنانچہ لنکن نے مقید نمائندوں کو رہا کر دینے کا حکم دیدیا اور برطانیہ سے معافی مانگ لی۔ امریکہ کا یہ اقدام بھی حالات کو ساز گار بنانے میں ناکام رہتا، اگر برطانیہ کے مزدور طبقے نے غلامی کے خاتمہ کی اس جدوجہد میں

شمالی امریکہ کے ساتھ اپنی ہمدردیوں اور حمایت کا اعلان نہ کر دیا ہوتا۔

سمندری علاقوں میں شمال کی جنوب پر برتری مستقل قائم رہی اگرچہ جنوب نے دنیا کا پہلا فولادی جہاز 'میری مک' بنا کر شمال کی اس سمندری برتری کو چیلنج کے طور پر پیش کیا۔ مگر شمال نے اس کے جواب میں ایک دوسرا فولادی جہاز 'مانیٹر' بنا کر جس میں توپوں کے لئے گھومنے والا بُرج لگا تھا جنوب کے اس چیلنج کا فوری جواب دیا۔ ساتھ ہی انہوں نے جنگی جہازوں کا ایک بیڑہ روانہ کیا جس کا مقصد نیو آرلینز پر حملہ کرنا اور اسے فتح کرنا تھا۔

اسی دوران جنگ کے مغربی محاذ پر جنرل یولیسس ایس۔ گرانٹ' دفاتی جنگی کشتیوں کی امداد کا سہارا لیتے ہوئے دریائے مسی سپی کے کنارے کنارے باغی ریاستوں کے علاقے میں دور تک بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ "شیلہ" کے مقام پر بیش قیمت قربانیاں دیکر فتح حاصل کرنے کے بعد گرانٹ نے 'وکس برگ' کی طرف پیش قدمی کی اور اس کا محاصرہ کر لیا۔ اب تقریباً پورا مسی سپی یونین کی فوجوں کے قبضہ میں آچکا تھا اور اس طرح گرانٹ' جس نے کثرتِ مے نوشی کے باعث ولیسٹ پوائنٹ کے بعد سے اپنا فوجی مستقبل تقریباً تباہ کر لیا تھا، ایک بار پھر قومی ہیرو بن گیا۔

مغربی محاذ پر گرانٹ کی ان شاندار فتوحات کے برخلاف مشرقی محاذ پر یونین کی فوجیں مسلسل شکستوں سے دوچار ہو رہی تھیں۔ پریشانیوں میں گرفتار لنکن کے لئے یہ صورتِ حال خراب سے خراب تر ہوتی جا رہی تھیں۔ لنکن مشرقی محاذ پر کسی بڑی فتح کا شدت سے منتظر تھا تاکہ اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے وہ ایک ایسا بیان دے سکے جس سے یونین کے نصب العین کو تقویّت پہونچے۔

اب وہ وقت آن پہونچا تھا کہ شمال کی تحریک 'انسدادِ غلامی' کی جماعتوں کی اپیل کیطرف توجہ دیجائے۔ اور اس خانہ جنگی کو نہ صرف یونین کو برقرار رکھنے کی جدوجہد کا نام دیا جائے

بلکہ اسے جنوب کے غلاموں کی جنگ آزادی بھی قرار دیا جائے۔ ابتک لنکن کا نصب العین صرف یہی تھا کہ یونین کے اتحاد کو پارہ پارہ ہونے سے کسی طرح بچایا جائے۔ اس نے اعلان کیا تھا۔ " اگر میں کسی بھی غلام کو آزادی دلائے بغیر یونین کے اتحاد کو برقرار رکھ سکتا ہوں تو میں ایسا ہی کروں گا۔ اور اگر اس اتحاد کو قائم رکھنے کے لئے سارے غلاموں کی آزادی ضروری ہے تو یونین کے اتحاد کی خاطر میں یہ بھی کرونگا۔" چنانچہ اب ۱۸۶۲ء میں یونین کا بہترین مفاد اسی میں وابستہ تھا کہ سارے غلاموں کو آزاد کر دیا جائے۔ کیونکہ اس اقدام سے شمالی ریاستوں میں اتحاد پیدا ہو جاتا، بیرونی ممالک کی ہمدردیاں حاصل ہوتیں اور جنوب کی بیرونی ممالک سے حمایت حاصل کرنیکی آخری امید کو ضرب کاری پہونچتی۔

مگر ایسے وقت جنوبی ریاستوں کے غلاموں کی آزادی کا اعلان کرنا، جبکہ مشرقی محاذ پر جنوبی فوجیں فتح پر فتح حاصل کر رہی تھیں۔ ایک بے نتیجہ کوشش ثابت ہوتی چنانچہ لنکن مناسب موقع کا منتظر رہا یہاں تک کہ جنرل میک کلیلان نے جنگ 'اینٹی ٹام' میں جنوب کے ایک بڑے جارحانہ حملے کے خطرے کو پیچھے ڈھکیل دیا۔ اس موقعہ پر پہلی جنوری ۱۸۶۳ء کو صدر لنکن نے اعلان آزادی' جاری کر دیا' جس میں کہا گیا تھا کہ "یونین سے باغی تمام ریاستوں کے غلام آج کے دن سے آزاد ہیں۔"

در اصل یہ اعلان آزادی ان غلاموں کے لئے ایک مستقبل کا وعدہ تھا کیونکہ اُن باغی ریاستوں کو ابھی شکست دینا باقی تھا۔ اس کے علاوہ یہ اعلان غیر قانونی بھی تھا کیونکہ فتح حاصل کرنے کے بعد ان ریاستوں کا ایک ترمیمی قانون پاس کرنا ضروری تھا جس کے تحت غلامی کے رواج کا خاتمہ کیا جاتا۔ لیکن اس اعلان آزادی کا خاطر خواہ نتیجہ برآمد ہوا جسکی لنکن کو توقع تھی کیونکہ اس اعلان کے پس پشت وہ بلند اور اعلیٰ مقاصد کارفرما تھے جنکے تحت ان ۳۵ لاکھ امریکی باشندوں کی آزادی کا وعدہ کیا گیا تھا جو غلامی کے شکنجے میں گرفتار تھے۔ اب یونین ایک بلند مقصد کی تکمیل کی خاطر جہاد میں مشغول تھی۔

لیکن صدر کے اس اعلان سے جو جذبہ پیدا ہوا تھا حالات نے جلد ہی اس کو سرد کرنا شروع کر دیا کیونکہ اینٹی ٹام کی فتح کے بعد سے میک کلیلان فتوحات کے اس سلسلے کو مزید جاری نہیں رکھ سکا۔ چنانچہ صدر لنکن نے مایوس ہو کر اسے تبدیل کر دیا اور اس کی جگہ نئے نئے جنرلوں کا تقرر کرتا رہا۔ ایک مرتبہ پھر شمالی فوج نے ورجینیا پر دھاوا بول دیا مگر ان فوجوں کو "فریڈرکس برگ" اور چانسلرز ولا" میں زبردست شکستوں کا سامنا کرنا پڑا اور بیشتر فوج میدان جنگ میں کام آگئی۔ شکست کھا کر اور جنرل "لی" کے تعاقب سے گھبرا کر یہ فوج پیچھے ہٹتی گئی یہاں تک کہ پنسلوانیا کے مقام گیٹسبرگ پر اس فوج نے پھر مورچے سنبھال لیے۔ اب شمال اپنی زندگی و موت کی جنگ میں مشغول تھا۔ دشمن اس کی سرزمین میں داخل ہو چکا تھا۔ ایک اور شکست کا مطلب تھا جنگ کا خاتمہ اور جنوب کی مکمل خود مختاری اور آزادی۔

گیٹسبرگ میں "لی" کے زیر کمان خاکی رنگ کے قومی لباس میں ملبوس پچھتر ہزار جنگ آزمودہ افراد پر مشتمل زبردست فوج کے مقابلے میں وفاقی حکومت کی نیلی وردی میں ملبوس تقریباً نوے ہزار کی فوج آخری فیصلے کے لئے صف بستہ تھی جسکی قیادت جنرل جارج ڈی میڈ کر رہا تھا۔ جنگ شروع ہو چکی تھی۔ پہلی اور دوسری جولائی ۱۸۶۳ء کو تنظیمی باغی فوج بہتر مقام حاصل کر چکی تھی اور یونین کی فوج کے دونوں بازوؤں کو پیچھے دھکیل رہی تھی۔ ایک فیصلہ کن فتح حاصل کرنے کی زبردست خواہش کے تحت ۳ جولائی کو جنرل "لی" نے یونین کی فوج کے مرکزی حصے پر جو سیمٹری رج کے مقام پر حفاظتی مورچوں میں تھی بھرپور یلغار کرنیکا حکم دیا۔

ایک زبردست ڈرامائی اور جانباز حملے میں جسکی نظیر فوجی تاریخ میں بہت کم ملتی ہے۔ جنرل جارج پکٹ نے پندرہ ہزار پیدل فوج کے ایک دستہ کی مدد سے جو جنوب کے بہترین افراد پر مشتمل تھی، فتح یا موت کا نعرہ لگا کر وفاقی فوج کے مرکز پر حملہ کر دیا۔ تنظیمی

فوجیں پہلے تو منظّم طریقے سے آگے بڑھیں اور پھر ایک جنونی انداز میں اندھا دھند بھاگتے ہوئے یونین فوج کی قطاروں میں داخل ہو گئیں اور یونین فوج کی توپوں کی براہ راست گولہ باری کے آگے سینہ سپر ہوتے ہوئے انہوں نے ان فوجوں کا حفاظتی مورچہ توڑ دیا۔ ایک لمحہ تو ایسا بھی آیا تھا جب انہوں نے یونین کے ستاروں اور چوڑی پٹیوں والے پرچم کے پہلو بہ پہلو اپنا ستاروں اور پتلی دھاری کا پرچم ایستادہ کر دیا تھا۔ جیسے جیسے جنگ مغلوبہ اپنے عروج کو پہونچتی گئی نیلی اور خاکی وردی والے جانباز سپاہی دست بہ دست جنگ میں ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہوتے گئے اور سنگینوں رائفلوں کے کندوں سے ایک دوسرے کو صفحۂ ہستی سے نابود کرنے کی کوشش میں ہمہ تن مصروف ہو گئے۔ یونین کی دفاعی فوج کو مسلسل کمک پہونچ رہی تھی۔ آخر کار سخت جانی نقصان برداشت کرنے کے بعد جنوبی فوج دل شکستہ ہو گئی اور کامیابی کی صورت نہ دیکھتے ہوئے آہستہ آہستہ پہاڑی کے زیریں حصّے میں پسپا ہو گئی۔ گیٹسبرگ کی جنگ ختم ہو گئی اور اس طرح جنوب کی طرف سے حملے کا زبردست خطرہ ہمیشہ کے لئے ٹل گیا۔

چار جولائی کو شمال میں یوم آزادی بڑے جوش و خروش سے منایا گیا کیونکہ گیٹسبرگ کی فتح کے ساتھ ساتھ مغربی محاذ پر زبردست کامیابی کی اطلاع بھی موصول ہوئی جنرل گرانٹ نے وکسبرگ کا محاصرہ کر کے رسد کے ذرائع بند کر دئے۔ آخر کار فاقوں سے مجبور ہو کر وہاں کی فوج نے ہتھیار ڈال دئے اور اس طرح دریائے مسی سیپی مکمل طور پر شمال کے قبضہ میں آگیا۔ دریائے مسی سیپی کے مغربی ساحل پر واقع جنوبی ریاستیں باقی علاقوں سے منقطع ہو گئیں اور اس طرح جنرل گرانٹ کے لئے یہ ممکن ہو گیا کہ وہ اپنی کثیر افواج کی کمک مشرقی محاذ پر پہونچا سکے۔

گیٹسبرگ جنگ خانہ جنگی کے لئے ایک اہم موڑ ثابت ہوئی اگرچہ اس کے بعد بھی آئندہ دو سال تک یہ جدوجہد چھوٹی چھوٹی منتخب جنگوں کی شکل میں جاری رہی۔ ۱۸۶۳ء کے موسم خزاں میں گیٹسبرگ کی رزم گاہ کو قومی قبرستان میں تبدیل کر دیا گیا جسکی تقدیس صدر لنکن

کی تقریر سے ہوئی .... صدر لنکن کی گیٹسبرگ کی وہ لافانی تقریر جس میں اُسنے شہیدوں کی قربانیوں کو ہمیشہ یاد رکھنے کا عہد کیا تھا، ان الفاظ پر ختم ہوئی تھی۔" ہم یہاں اسبات کا صدق دل سے عہد کرتے ہیں کہ ان شہیدوں کا خون رائگاں نہیں جائیگا۔ خدائے برتر کے زیر سایہ اس قوم کو آزادی کی ایک نئی زندگی عطا ہوگی اور اس سرزمین سے ایسی حکومت کا کبھی بھی خاتمہ نہ ہوگا جو عوام کی ہو، عوام کے واسطے ہو اور عوام کے ذریعہ ہو۔"

خانہ جنگی کا دوسرا دور اس مصمم ارادے کی تاریخ ہے جس کے ذریعہ شمال نے اپنے غنیم کی بچی کھچی قوت کو ختم کر دینے کی کوشش کی، ایسا غنیم جو ہارنے کے بعد بھی اپنی شکست تسلیم کرنے پر تیار نہ تھا۔ وفاقیوں کا جنگی منصوبہ بہت سادہ تھا۔ پوٹومک فوج کا کام صرف یہ تھا کہ وہ جنوبی فوج کو ورجینیا کے علاقے سے پسپا کراتے ہوئے رچمنڈ تک لیجائے جبکہ گرانٹ اور اسکی نوجیں تنظیمی فوج کو مغرب کی سمت سے اپنے نرغے میں لے لیں اور مشرقی ٹینسی اور جارجیا کے مقام پر دھاوا بولدیں۔

آخر کار لنکن کو اسکا حسب پسند کمانڈر مل ہی گیا اور وہ تھا جنرل گرانٹ۔ ایسا جنرل جو جارحانہ حملے کر سکتا ہو، اور مضبوط قوت ارادی کا حامل ہو اور شمال کی فوجوں اور ہتھیاروں کی برتری کو اپنے مفاد کے لئے صحیح طور پر استعمال کر سکتا ہو۔ گرانٹ نے چیٹانوگا، کے مقام پر زبردست فتح حاصل کر کے مشرقی ٹینسی کے پورے علاقہ کو اپنے قبضہ میں لے لیا جس کے بعد لنکن نے اسے تمام شمالی فوج کا کمانڈر انچیف مقرر کر کے ورجینیا بھیجدیا تاکہ شکست نہ ماننے والے 'لی' سے بخوبی نبٹا جا سکے۔ ٹینسی فوج کی کمان، ولیم ٹیکو مشن شرمن، کے سپرد کر دی گئی جو جنگ کی تمام مدت کے دوران گرانٹ کے ہمراہ رہا تھا۔ اور اس فوج نے اٹلانٹا اور جارجیا کی طرف پیش قدمی شروع کر دی۔

۱۸۶۴ء میں جنرل گرانٹ کو غنیم کی صفیں چیر کر رچمنڈ پہونچنے کی کوشش میں قطعی

ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔ اور اس کوشش میں اُسے کثیر جانی نقصان برداشت کرنا پڑا۔ لی نے نہایت کامیابی کے ساتھ اور سخت نقصان پہونچاتے ہوئے اسکو ولڈرنس، اسپارٹ سلوانیا' اور گولڈ ہاربر کے مقامات پر آگے بڑھنے سے روکدیا اور جب گرانٹ نے اس کو گھیرے میں لیتے ہوئے رچمنڈ کے جنوب میں پہونچنے کی کوشش کی تو 'لی' نے اسکو پیٹرزبرگ پر روک دیا۔ اور ایک حد تک عاجز کر ڈالا۔ اگرچہ گرانٹ پیش قدمی کرنے میں ناکام رہا تھا مگر ساتھ ہی وہ پسپا ہونا بھی نہیں جانتا تھا۔ چنانچہ مسلسل حملوں اور مزید کمک نہ ملنے کے باعث لی' کی فوج اور اس کی قوت مزاحمت آہستہ آہستہ کم ہوتی گئی۔

اسی دوران ۱۸۶۴ء میں شمال میں صدارتی انتخابات شروع ہوگئے۔ ریپبلکن نے لنکن کو دوبارہ اپنا نمائندہ نامزد کیا جبکہ ڈیماکریٹس نے جنرل جارج میک کلیلان کو چنا جو صدر لنکن کا پرانا حریف اور امریکی فوجوں کا کمانڈر رہ چکا تھا۔ اس مرتبہ صدارتی انتخاب کا منشور جنگ تھا۔ آیا جنگ کو ہر قیمت پر فیصلہ کن مرحلے تک جاری رکھنا چاہئے۔ جیسا کہ لنکن کا خیال تھا یا ڈیماکریٹس کے نظریے کے مطابق جنگ بندی کرکے سارے متنازعہ فتنے گفت و شنید کے ذریعہ طے کر لئے جائیں۔ اگرچہ لی کو مکمل شکست دینے میں گرانٹ کی ناکامی کے باعث لنکن صدارتی انتخاب کے نتیجے کی طرف سے بہت غیر مطمئن اور پریشان تھا مگر اس کے باوجود وہ غیر معمولی اکثریت سے دوبارہ صدر منتخب ہوگیا۔

اور اب یہ زبردست جدوجہد آخری مرحلے میں داخل ہوچکی تھی۔ مشہور مقولے "جنگ جہنم ہے" کے خالق جنرل شرمن نے اپنے اس مقولے کی سچائی کا عملی ثبوت دیتے ہوئے پورے جارجیا کو جلا کر خاک کر دیا۔ ہر مزاحمت کا خاتمہ کرتا ہوا شرمن اٹلانٹا میں داخل ہوگیا اور وہاں سے اپنی فوجوں کی قیادت کرتا ہوا سوانا کی سمت روانہ ہوگیا جو تین سو میل کے فاصلے پر واقع تھا۔ کسی مزاحمت کے بغیر وہ ہر اس چیز کو نذر آتش کرتا گیا۔ جو اسکو راہ میں نظر آئی۔ سوانا فتح کرکے کیرولینا سے گزرتا ہوا اور ہر شے کو نذر آتش

کرنے کی پالیسی پر عمل کرتا ہوا وہ شمال کی سمت بڑھتا گیا تاکہ ورجینیا میں گرانٹ کی فوجوں کیساتھ مل جائے۔ اسی دوران رچمنڈ نے شکست مان لی۔ اپنی ناکامی کا یقین ہو جانے کے بعد جنرل 'لی' نے آخر کار ۹ اپریل ۱۸۶۵ء کو 'اپوٹیاکس' کے مقام پر شمالی ورجینیا کی فوج کے ساتھ ہتھیار ڈالدیئے اور اس طرح حالتِ جنگ اور جدوجہد کا خاتمہ ہو گیا۔

پانچ سال کی اس شدید بربادی اور قتلِ عام کے باعث امریکی عوام کو بیشمار جانی اور مالی نقصان برداشت کرنا پڑا۔ یونین افواج میں مرنے والوں کی تعداد ۳ لاکھ ساٹھ ہزار کے لگ بھگ تھی۔ یہ تعداد پہلی عالمی جنگ میں کل امریکی اموات کی تعداد کے برابر ہے۔ جنوبی علاقہ کو جانی نقصان کے علاوہ اپنے گھر بار مویشی اور ذرائع آمدورفت کی تباہی بھی برداشت کرنا پڑی۔ ان کے سب غلام آزاد کر دیئے گئے۔ جنکی کل مالیت بیس کھرب ڈالر کے لگ بھگ تھی اور اس کے بدلے ان کے مالکوں کو کوئی معاوضہ بھی نہیں ملا۔ اب تنظیمی ریاستوں کے سکوں اور دستاویزات کی کوئی قیمت نہیں تھی۔

آئندہ پیش آنیوالے تمام مسائل کو سامنے رکھتے ہوئے اپنی دوسری افتتاحی تقریر میں صدر لنکن نے فرمایا۔ "ہم سب کو چاہیئے کہ جس کام کو ہم نے شروع کیا ہے اسے کامیابی کے ساتھ انجام تک پہونچانے کی کوشش کریں۔ ہمکو ایک دوسرے کے خلاف اپنے دلوں میں کینہ اور بغض کو جنم نہیں دینا چاہیئے بلکہ ہر ایک کے ساتھ ہمدردی سے پیش آنے کی کوشش کرنا چاہیئے۔ اور اس طرح قوم کے سینہ پر جو کاری زخم لگے ہیں انہیں مندمل کرنا چاہیئے۔" اس مقصد کیلئے صدر لنکن عوام کو قومی تعمیرات کا آسان ترین راستہ دکھانے کیلئے تیار تھا۔

تاہم بہت سے شمالی ریپبلکنوں کا خیال تھا کہ جنوب کو مغلوب علاقہ قرار دیکر اسے سزا دینی چاہیئے۔ انکا کہنا تھا کہ یونین سے علیحدہ ہونے کا فیصلہ کر کے وہ ان تمام مراعات سے محروم ہو گئے جو یونین کے ممبر کی حیثیت سے ان کو حاصل تھیں۔ مگر ان کی اس رائے سے لنکن متفق نہیں تھا۔ جیسا کہ اس نے اپنی پہلی افتتاحی تقریر میں کہا تھا لنکن نے اپنے اس دعویٰ کو

پھر دہرایا کہ کسی بھی ریاست کیلئے یہ ناممکن ہے کہ وہ یونین سے علیٰحدگی اختیار کر سکے۔ اس نے کہا کہ وفاقی حکومت کے اختیارات کے خلاف جنوبی ریاستوں نے نہیں بلکہ ان ریاستوں کے عوام کے چند گروہوں نے بغاوت کی تھی۔ چنانچہ جس وقت بھی یہ ریاستیں ایسے لوگوں کے زیر اقتدار آگئیں جو یونین میں دوبارہ شامل ہو کر ان کے ممبروں کے ساتھ تعاون کرنے پر تیار ہوں تو ان ریاستوں کو یونین میں دوبارہ بخوشی شامل کر لیا جائیگا۔

خانہ جنگی کے دوران اپنی پالیسی سے مطابقت کرتے ہوئے صدر لنکن نے دس فیصدی کا ایک منصوبہ تیار کیا تھا۔ اس منصوبہ کے تحت اگر کسی جنوبی ریاست کے دس فیصدی عوام بھی ایسی حکومت بنانے پر تیار ہو گئے جو یونین سے وفاداری کا اعلان کر دے تو وہ ریاست یونین میں دوبارہ شامل کر لی جائیگی اور اس کے نمائندوں کو کانگریس میں شمولیت کی اجازت مل جائیگی۔ ارکانساز، ٹینیسی اور لوزیانہ کی ریاستیں جن پر وفاقی فوج کا قبضہ تھا، اس طرح مکمل فتح سے قبل ہی دوبارہ یونین میں شامل کر لی گئیں۔ اپنے دوستانہ رویہ کا مزید اظہار کرتے ہوئے لنکن نے ۱۸۶۴ء کی انتخابی مہم کے دوران اینڈریو جانسن کو اپنے نائب صدر کی حیثیت سے منتخب کیا جو ٹینیسی کا گورنر اور سینیٹر رہ چکا تھا۔

ریپبلکن کانگریس اس دس فیصدی منصوبہ کی سخت مخالف تھی۔ ان کا کہنا تھا کہ اگر جنوبی ریاستیں اتنی آسانی سے دوبارہ یونین میں شامل کر لی گئیں تو کیا یہ ممکن نہیں ہو گا کہ ان جنوبی ریاستوں کے ڈیماکریٹس شمالی ڈیماکریٹس کا اشتراک حاصل کر کے ریپبلکن کو اقتدار سے ہٹا دیں؟ چنانچہ اس خوف کے پیش نظر ان کا مطالبہ تھا کہ جنوبی ریاستوں پر پابندیاں قائم کرنا چاہیئے اور صدر کے بجائے کانگریس کے زیر سرپرستی ملکی تعمیر نو کے منصوبہ کی تکمیل کا جامہ پہنانا چاہیئے۔ انہوں نے مزید مطالبہ کیا کہ باغی تنظیمی ریاستوں کے ممبروں کو جارح علاقے تصور کرنا چاہیئے جنکی قسمتوں کا فیصلہ کانگریس کے ہاتھ میں ہو نہ کہ یہ کہ صدر عام معافی کا

اعلان کرتے ہوئے ان کو دوبارہ یونین میں برابر کے ممبر کی حیثیت سے شامل کیے۔

یہ سوال کہ "آیا انتظامیہ اور مجلسِ مقننہ کے اس جھگڑے میں صدر لنکن کو کس حد تک کامیابی حاصل ہوئی؟" ایک ایسا سوال ہے جس کا جواب کسی کے پاس نہیں۔ خانہ جنگی کے خاتمہ کے صرف پانچ یوم بعد صدر لنکن اپنی اہلیہ کے ساتھ فورڈ تھیٹر واشنگٹن کے ایک باکس میں بیٹھے تھیٹر دیکھ رہے تھے کہ جان ولکس بوتھ، نامی ایک اداکار جو اپنا ذہنی توازن کھو چکا تھا صدر کی پُشت پر آ کھڑا ہوا اور پستول سے سر کو نشانہ بناتے ہوئے یہ کہکر بھاگ نکلا کہ "یہی ظالم کا حشر ہے۔" بعد میں بوتھ کا سراغ لگا لیا گیا جو ایک کھلیان میں پوشیدہ تھا اور جب اس نے خود کو حوالے کرنے سے انکار کر دیا تو اس کو گولی مار دی گئی۔

سر کے زخم کے باعث دوسری صبح صدر لنکن کا انتقال ہو گیا اور پورا شمال اسکے غم میں سوگوار ہو گیا۔ ان کا ہمدرد، عقلمند اور عظیم رہنما داغ مفارقت دے گیا تھا۔ جنوب کو بھی اسکی موت کا شدید افسوس تھا کیونکہ ان کو یہ احساس ہو گیا تھا کہ جس پریشان کُن صورت حال سے وہ دوچار تھے اس سے نکلنے میں لنکن کی ہستی ہر ممکن طریقے سے ان کی مدد کر سکتی تھی۔

اپنے نئے صدر اینڈریو جانسن کی قیادت میں زخمی اور تباہ حال قوم لڑکھڑاتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی۔ وہ قوم جس نے اس نظریے اور اصول کو اپنا ایمان بنا لیا تھا کہ وفاقی حکومت اور اس کے اختیارات سب ریاستوں پر فوقیت رکھتے ہیں۔

پہلا حصہ ختم ہوا۔

دوسرا حصّہ

تمہید

خانہ جنگی کے خاتمے کے ساتھ ہی موجودہ امریکی تاریخ کا ابتدائی نصف دور بھی ختم ہو گیا۔ اس دور میں قوم کی بنیادوں کی تعمیر کا کام کیا گیا اور ان اخلاقی قدروں کی تکمیل ہوئی جس کے باعث اس قوم کو جمہوریت میں ایک انفرادی حیثیت حاصل ہو گئی۔ انیسویں صدی کے وسطی دور میں شمال میں زبردست صنعتی ترقی کے باوجود امریکہ کی معاشیات مکمّل طور پر زراعت پر منحصر تھیں اور تجارت کا بیشتر حصّہ صرف مقامی کاروبار تک محدود تھا۔ مغربی میدانی علاقے انڈین باشندوں اور بھینسوں کی آماجگاہ بنے ہوئے تھے اور مہم پسند افراد کی توجّہ کو بار بار اپنی طرف مرکوز کر رہے تھے۔

۱۸۶۵ء کے بعد سے امریکی تاریخ کی سرگزشت کا دوسرا دور شروع ہوتا ہے اور ایک نیا منظر سامنے آتا ہے۔ ترکِ وطن کرنیوالوں کی تعداد میں زبردست اضافہ ہوتا ہے اور نئی نئی امریکی نوآبادیاں اس سرزمین پر ابھرتی ہیں۔ بڑے بڑے شہر وجود میں آتے ہیں۔ نئی نئی صنعتیں جنم لیتی ہیں اور تیزی سے ترقی کے منازل طے کرتی ہوئی اپنے عروج پر پہونچنے لگتی ہیں۔ نئی نئی ایجادیں اور آبادی میں اضافہ صنعتی ترقی کو تیز سے تیز تر کرنے میں معاون ثابت ہوتے ہیں۔ کانوں سے نکلنے والے کوئلے کی پیداوار بڑھتی ہے اور فولاد کی تیاری میں خاطر خواہ اضافہ ہوتا ہے جو بڑھتی ہوئی صنعت کے لئے برقی قوّت اور خام مال کی ضرورتوں کو پورا کرتا ہے۔ زمین کا

سینہ چیر کر کروڑوں بیرل کی مقدار میں تیل نکالا جاتا ہے اور ملک بھر میں ریلوے لائن کا ایک جال بچھا دیا جاتا ہے اور اس طرح مشرقی و مغربی سواحل کو ایک دوسرے سے ملا کر فاصلوں کے تصوّر کو ایک نیا جامہ پہنایا جاتا ہے۔ برقی قوت کو ترقی دی جاتی ہے جس کے ذریعہ روشنی، قوت اور فوری رسل و رسائل کے مسئلہ کو چشم زدن میں حل کر لیا جاتا ہے۔

ایک طرف تو امریکہ کے لامحدود وسائل اور معدنی دولت کو ترقی دی جا رہی تھی اور دوسری طرف بیشمار خود غرض تاجر اور موقعہ پرست افراد اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مال و دولت جمع کر رہے تھے اور اپنی جائدادیں کھڑی کر رہے تھے۔ مزدور اور دولتمند طبقے متضاد مفاد رکھنے کے باعث ایک دوسرے سے منظم طور پر نبرد آزما ہو رہے تھے۔ دولتمند طبقے کا کہنا تھا کہ انکو اپنی املاک پر ہر طرح کا حق حاصل ہے جبکہ مزدور کام کیلئے بہتر ماحول اور تنخواہوں میں اضافے کا مطالبہ کر رہے تھے۔ امریکی تعمیر نو اور تیز رفتار ترقی کے اس دور میں جہاں آزاد اور غیر مشروط تجارت کے باعث نئی نئی صنعتیں جنم لے رہی تھیں، وہیں چھوٹے چھوٹے امریکی تاجر اور صنعتکار مقابلے کی اس دوڑ میں ایک دوسرے سے بازی لے جانے کی ہر ممکن کوشش کر رہے تھے۔

بحر اوقیانوس سے لیکر بحر الکاہل کے سواحل اور سرحدی علاقوں تک امریکہ کی سرزمین نوآبادیوں سے پر ہوتی جا رہی تھی یہاں تک کہ ۱۹۰۰ء میں امریکہ کی آبادی بڑھکر سات کروڑ ساٹھ لاکھ تک پہونچ گئی تھی جو ۱۸۶۵ء کی آبادی کے دوگنے سے بھی زیادہ تھی۔ ایک وقت ایسا بھی آیا تھا جب امریکی علاقے موجودہ آبادی کے لئے ناکافی تصوّر کئے جانے لگے تھے اور امریکی حکومت اس بات کی تمنّا کرنے لگی تھی کہ وہ بھی سمندر پار کر کے مزید علاقوں پر قابض ہونے کی دوڑ میں بڑی بڑی عامرانہ حکومتوں کے ساتھ شامل ہو جائے۔

اگرچہ امریکی خانہ جنگی طویل اور تھکا دینے والی خونریز جنگ تھی مگر اسکے باوجود وہ امریکی قوم کو تباہ نہ کر سکی۔ اسکے برعکس اسنے قوم میں ایک نئی قوت کا احساس پیدا کر دیا۔ امریکی قوم کو نہ صرف اپنی برتری کا احساس ہوا بلکہ ایک نئے حوصلے اور عزم کے ساتھ وہ اس سے بہتر اور بڑے کارنامے انجام دینے کی خاطر میدانِ عمل میں کود پڑے —— اور اس طرح جدید دور کا آغاز ہوا۔

ساتواں باب

تعمیرِ نو اور آزاد معیشت

سنہ ۱۸۶۵ء کا ہیجان خیز امریکی تعمیرِ نو کا دور بدچلنی، مادیت پرستی اور تصوریت کا ایک مرکب تھا۔

خانہ جنگی کے خاتمہ پر جنوب کے اینڈریو جانسن، کی صدارتی انتخاب میں غیر متوقع کامیابی کے سنگین نتائج برآمد ہونا لازمی تھے۔ ٹینے سی، کے اس بدقسمت شخص کو نہ تو شمال اور نہ ہی جنوب میں پسند کیا جاتا تھا اگرچہ وہ ہمیشہ سے یونین کا وفادار رہا تھا۔ جنوب کے ایک غریب، سفید فام خاندان سے تعلق رکھنے والا یہ صدر خود آموز اور ایماندار ہونے کے ساتھ ہی بے شعور اور رہنمائی کی صلاحیتوں سے خالی تھا۔

وہ دو واقعات، جو جانسن کے زمانۂ اقتدار میں پیش آئے، اسکی شدید مخالفت کا باعث نہیں بنے تھے۔ اول یہ کہ اس کے وزیر خارجہ 'سیوارڈ' نے ریاست الاسکا کو زارِ روس سے ستر لاکھ ڈالر سے کچھ زیادہ رقم میں خرید لیا۔ یہ ایسا سودا تھا جس پر بیسویں صدی کے امریکی اس کے شکر گزار ہو سکتے ہیں۔ دوئم یہ کہ حکومت نے 'مونرو اصول' پر سختی سے عمل کرتے ہوئے فرانسیسیوں کو میکسیکو سے نکل جانے کا حکم دیدیا جہاں وہ بدقسمت بادشاہ 'میکسی میلین' کے ذریعہ ایک کٹھ پتلی بادشاہت قائم کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

لیکن جب جانسن نے لنکن کے تعمیرِ نو کے منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کی تو کانگریس میں اس کے خلاف غصّہ کے جذبات بھڑک اٹھے۔ جنوبی ریاستوں کی نئی حکومتوں نے جو نمائندے واشنگٹن بھیجے ان کو داخلے کی اجازت نہیں دی گئی کیونکہ ان میں سے بیشتر باغی ریاستوں کی تنظیم میں اعلیٰ عہدوں پر فائزہ چکے تھے اور اس لئے انکو غدّار قرار دیدیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ اِن نئی حکومتوں نے ایسے قوانین جاری کئے تھے جن کے تحت نہ صرف نیگرو باشندوں کی مکمّل آزادی پر پابندیاں عاید کر دی گئیں تھیں، بلکہ نوآموزی کے طریقے رائج کر کے ان کی حیثیت کو خطرناک حد تک غلامی کے قریب لے آئے تھے۔ جانسن کی مرضی کے خلاف کانگریس نے پندرہ ۱۵ مقرور ارکان پر مشتمل ایک کمیٹی مقرر کی جسکا مقصد جنوبی ریاستوں کے اِن حالات کا جائزہ لینا تھا تا کہ وہ حکومت کو مشورہ دے سکیں کہ ما ضی میں یونین سے قطع تعلّق کرنیوالی ان ریاستوں سے نبٹنے کا سب سے بہتر طریقہ کیا ہے۔

دسمبر ۱۸۶۵ء تک آئین کے تیرھویں ترمیمی بل کی توثیق کر دی گئی جسکی رو سے ریاستہائے متحدہ اور اس کی پورے قلمرو میں غلامی کا خاتمہ کر دیا گیا۔ اس بل کی آخری منظوری میں بیشتر جنوبی ریاستوں نے بھی اس کی موافقت میں ووٹ دیے۔ اب نیگرو باشندے آئینی طور پر آزاد تھے۔ لیکن ابھی ان کو حقوق شہریت اور حقوق رائے دہی ملنا باقی تھا۔

آئین کی چودھویں اور پندرھویں ترمیم میں ان حقوق کو بھی شامل کر لیا گیا اور اس طرح ماضی کے ان غلاموں کو اب مکمل طور پر مساوی درجہ حاصل ہو گیا مگر اس کے ساتھ ہی تنظیمی ریاستوں کے ان بیشتر لیڈروں سے حق رائے دہی چھین لیا گیا جو بغاوت اور تخریبی سازشوں میں مشغول تھے۔ جب آئین کا چودھواں ترمیمی بل جنوبی ریاستوں کی توثیق کیلئے بھیجا گیا تو سوائے 'ٹینےسی' کے سب ریاستوں نے اس کو نامنظور کر دیا۔ چنانچہ کانگریس نے ۱۸۶۷ء کا تعمیر نو کا سخت قانون نافذ کیا جس کے ذریعہ اِن ریاستوں کو مرکزی احکامات کی بجا آوری پر مجبور کر دیا گیا۔ ٹینےسی' کو چھوڑ کر باقی تمام باغی تنظیمی ریاستوں کو پانچ فوجی

صوبوں میں تقسیم کر دیا گیا اور ہر صوبہ میں یونین کا ایک میجر جنرل اور کافی فوج رکھی گئی تاکہ نظم وضبط برقرار رکھا جا سکے۔ ہر ریاست میں نیگرو اور سفید فام باشندوں پر مشتمل نئی حکومت کا قیام عمل میں لایا گیا اور ان ریاستوں کو اسوقت تک یونین میں دوبارہ شامل نہیں کیا گیا جبتک انہوں نے چودھویں ترمیمی بل کی توثیق نہیں کر دی۔

ان حالات میں جو حکومتیں قائم ہوئیں وہ پیشرو حکومتوں سے بہت مختلف تھیں۔ زمیندار طبقہ اور پیشہ ور سیاستدانوں کے اخراج کے باعث اب ریاستی مجالس قانون ساز ان نیگرو باشندوں اور کاشتکاروں پر مشتمل تھیں جنکی بیشتر تعداد لکھنا تک نہیں جانتی تھی۔ اگرچہ ان لوگوں نے اپنے مسائل حل کرنیکی مخلصانہ کوشش کی، مگر اچانک اتنے بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہو جانیکے باعث ان کی قوت فیصلہ صلب ہو جاتی تھی۔ سرکاری خزانہ کے صحیح مصرف سے عدم واقفیت کی بدولت مجالس قانون ساز کے یہ ارکان عوامی بہبودی، تنخواہوں اور ہر قسم کی ذاتی آسائش کی خاطر بڑی بڑی رقوم کے بے دریغ خرچ کی منظوری دیدیتے تھے۔

قومی خزانہ کو اس طرح ضائع ہوتے دیکھکر پورے ملک کے چالاک سیاستدانوں اور موقع پرست افراد کی توجہ اس طرف مبذول ہونے لگی۔ ان ناواقف قانون دانوں کی مدد کے بہانے قومی سرمایہ کو اپنے تصرف میں لانیکا ان کے لئے سنہری موقع تھا۔ جو مفاد پرست افراد شمال کی طرف سے آئے وہ "کارپٹ بیگرز" کہلائے کیونکہ کہا جاتا ہے کہ ان افراد نے اپنا سارا دنیوی مال ومتاع ٹاٹ کے بنے ہوئے معمولی بکسوں میں بند کر کے کندھوں پر ڈالا اور دولت کمانے کے لالچ میں روانہ ہو گئے۔ اسی طرح جنوب کے غیر محتاط لوگ، جو کم وبیش اسی قسم کے تھے، "اسکالاویگ" کہلائے۔

لیکن ہر وہ شخص جو جنوب میں نیگرو باشندوں کی آزادی کی مہم میں حصہ لے رہا تھا بدمعاش اور آوارہ نہیں تھا۔ اسکولوں کے اساتذہ نے ان نو آزاد غلاموں کو تعلیم دینے اور امریکی شہریوں کی حیثیت سے ان کو ان کی ذمہ داریوں کا احساس دلانے کے لئے رضا کارانہ

طور پر اپنی خدمات پیش کیں۔ کانگریس کے قائم کردہ 'محکمہ برائے نو آزاد' نے رضا کارانہ طور پر نیگرو باشندوں کے لئے مکان بنانے اور روزگار دلانے میں ان کی مدد کی تاکہ وہ لوگ خود اپنے پیروں پر کھڑے ہو سکیں۔

۱۸۷۰ء تک تمام جنوبی ریاستیں دوبارہ یونین میں شامل ہو چکی تھیں۔ اگرچہ ابھی تک وہاں فوجوں کا قبضہ تھا اور کشیدگی بھی اسی طرح موجود تھی۔ اس عرصہ میں جنوب نے نیگرو باشندوں کے سیاسی اثر و رسوخ کو ختم کرنے اور ان کو انتخابات سے دور رکھنے کے لئے ایک طریقہ دریافت کر لیا تھا۔ ایک دہشت پسند جماعت کے ذریعہ جسے 'کو کلکس کلان' کے نام سے پکارا جاتا تھا، سفید نسل کی برتری کے ان دعویداروں نے ماضی کے ان غلاموں کو ڈرانا، دھمکانا، کوڑے مارنا اور بعض حالات میں موت کی خود ساختہ سزائیں دینا شروع کر دیں۔ اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ نیگرو باشندوں میں عوامی بہبودی کے کاموں میں حصہ لینے کی جرأت نہ رہی۔ اس قسم کا برتاؤ سفید فام 'کارپٹ بیگرز' اور 'اسکالاوگ' کے ساتھ بھی کیا گیا جنہوں نے حالات کو اور بھی زیادہ خراب بنا دیا تھا۔ اس واقعہ کے بعد کی نسل تک جنوب نے پورے ایکے کے ساتھ ہمیشہ ڈیماکریٹس کو ووٹ دیے اور اس طرح شمال کے تعمیرِ نو کے پروگرام پر اپنی ناراضگی کا اظہار کرتے رہے۔

حالات کا دوسرا رخ یہ تھا کہ کانگریس ریپبلکن پارٹی کا انتہا پسند گروپ جنوب میں صدر جانسن کے اعتدال پسند رویہ سے اتنا ناراض ہوا کہ اُسنے جانسن پر بدنیتی کا الزام عاید کر کے اس کے خلاف مقدمہ دائر کر دیا۔ اس سے قبل اور اس کے بعد بھی کسی صدر کو اتنی سخت مصیبت کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا کہ اس پر جرم اور بغاوت کا الزام لگا کر اس کو کسی مقدمہ میں ماخوذ کیا گیا ہو۔ یہ جانتے ہوئے کہ صدر جانسن اپنے دشمن وزارت جنگ کے سکریٹری 'اسٹینٹن' کو برطرف کرنیوالا ہے' کانگریس نے صدر سے یہ اختیار واپس لے لیا۔ جسکے تحت وہ حسب منشا کسی بھی فرد کو برطرف کر سکتا تھا۔ کانگریس کے اس اقدام کا مقصد

صدر جانسن کی حیثیت کو اور کمزور کرنا تھا۔ اس کے باوجود جانسن نے اسٹینٹن کو برطرف کر دیا اور اسطرح سینٹ کے سامنے اس کے مقدمہ کی پیشی ہوئی جسکی صدارت چیف جسٹس 'چیز' نے کی۔ صرف ایک ووٹ کی کمی سے سینٹ دو تہائی اکثریت حاصل کرنے میں ناکام ہو گئی جو صدر پر الزامات ثابت کرنے کے لئے ضروری تھی۔ اور اس طرح اس شخص کو اپنی صدارت کی پہلی میعاد پوری کرنیکی اجازت مِل گئی جو لنکن کے طریقہ کار پر چلتے ہوئے تعمیرِ نو کے پروگرام کو اعتدال کے ساتھ عملی جامہ پہنانا چاہتا تھا۔ مگر اس تمام عرصہ میں وہ کانگریس اور عوام کے غصّہ اور نفرت کا مستقل شکار رہا۔

نیگرو اور شہری حقوق سے متعلق ریپبلکن پارٹی کے رویہ کی دو وجوہات تھیں۔ پہلی وجہ یہ تھی کہ جمہوری نصب العین رکھنے والے بیشتر مخلص افراد کو اس خیال ہی سے نفرت تھی کہ ایسی قوم غلامی اور نسلی امتیاز کو اپنائے جو اپنے آپ کو انفرادیت کے حصول کے لئے وقف کر چکی ہو۔ چنانچہ ان لوگوں نے آزاد غلاموں کو تمام شہری حقوق دلانیکا تہیّہ کر لیا تھا اگرچہ اس سلسلے میں ان کو عارضی طور پر کتنی ہی مشکلات اور پریشانیوں کا سامنا کیوں نہ کرنا پڑے۔ دوسری وجہ سیاسی اور معاشی تھی۔ نیگرو ووٹ کا مطلب تھا ریپبلکن پارٹی کو ووٹ ملنا۔ اور اس طرح ریپبلکن پارٹی شمال اور جنوب دونوں میں مستقل طور پر ڈیماکریٹس پر غالب رہتی۔ ریپبلکن نہ صرف 'انسدادِ غلامی' اور "سیاسی اصلاحات" کے حامیوں کی پارٹی تھی، بلکہ اسے شمال کے صنعت کاروں کی حمایت بھی حاصل تھی۔ خانہ جنگی کو کامیابی کے ساتھ جاری رکھنے کی غرض سے اس پارٹی نے اپنے آپ کو رضاکارانہ طور پر صنعتکاروں سے منسلک کر لیا تھا۔ چنانچہ سرمایہ داروں کا یہ نیا طبقہ اس بات کو قطعی ناپسند کرتا تھا کہ زراعت سے تعلق رکھنے والے 'ڈیماکریٹس' جو محصولات میں کمی کے حامی تھے' دوبارہ برسرِ اقتدار آجائیں۔

اگلے سولہ برس تک ریپبلکن پارٹی اپنے اقتدار کو قائم رکھنے میں کامیاب رہی۔

جنرل گرانٹ، جو شمال کا مشہور جنگی ہیرو تھا، دو مرتبہ ریپبلکن کی طرف سے صدر بنا۔ اسکے بعد دور فورڈ، بی ہائس، اور پھر جمیس اے گارفلیڈ عہدۂ صدارت پر فائز ہوئے۔ گارفلیڈ کے قتل کے بعد چسٹر اے۔ آرتھر نے اسکی جگہ صدر کا عہدہ سنبھالا۔

وہ دور عظیم صنعتی ترقی کا دور تھا۔ خاص طور سے تیل، فولاد اور ریلوے کی صنعتوں میں زبردست پھیلاؤ ہوا۔ کمپنیاں تجارت کیلئے ایک دوسرے سے وحشیانہ طور پر لڑ رہی تھیں۔ فاتح کمپنیاں شکست خوردہ کمپنیوں پر قبضہ کر لیتیں اور ٹرسٹ کے نام سے بڑی بڑی اجارہ داریاں قائم کر لیتیں۔ اپنی کمپنیوں کے اسٹاک کے کچھ حصے عوام کے ہاتھ فروخت کر کے ان اجارہ داروں نے اپنے لیے سرمایہ فراہم کیا اور اس طرح امریکی عوام کو اپنی تجارت میں برائے نام حصہ دار بنالیا لیکن اصل قبضہ کمپنی کے ڈائریکٹروں کا ہی رہا۔ ان میں سے کچھ ڈائریکٹروں نے اپنی تجارت ایمانداری کے ساتھ اور عوام کی بہبودی کی خاطر کی۔ لیکن کچھ نے ایسا نہیں کیا۔

جنرل گرانٹ کے متعلق جلد ہی یہ اندازہ ہوگیا کہ اسکی تمام قابلیت صرف فوجی معاملات تک محدود تھی۔ وہ تجارتی اور سیاسی معاملات سے قطعی بے بہرہ تھا اور صدر کی حیثیت سے اس کی حالت پریشان کن اور قابلِ رحم معلوم ہوتی تھی۔ ذاتی طور پر ایماندار ہونے کے باوجود وہ "کارپٹ بیگرز"، بددیانت سیاستدانوں اور سرمایہ داروں کا آلۂ کار بن گیا جو اپنے مفاد کی خاطر بڑے بڑے سرکاری افسروں اور کانگریس کے ممبروں کو رشوت دیتے رہتے تھے۔

مغربی ریلوے کمپنیاں خاص طور سے زیادہ فائدے میں رہیں۔ کانگریس نے ان کمپنیوں کو مالی امداد کے ساتھ بڑی بڑی زمینیں عطیات کے طور پر دیں یہاں تک کہ ایک کمپنی کو چار کروڑ ستر لاکھ ایکڑ زمین عطا کی جو اسکی ریلوے لائن کے ساتھ ساتھ واقع تھی اِن ریلوے کمپنیوں نے یہ زمینیں نوآبادکاروں کے ہاتھ فروخت کر دیں یا پٹہ پر دیدیں اسکے علاوہ انہوں نے ان نوآبادکاروں کیلئے مکان اور قصبہ جات بنائے اور اس طرح مسافروں اور مال و اسباب کی تعداد میں اضافہ کر کے اپنی کمپنیوں کی تجارت میں خاطر خواہ اضافے کے لئے۔ اسی پر بس نہ کرتے ہوئے

'جیمس جے ہل' اور 'ای۔ ایچ ہیری مان' جیسے بڑے بڑے ریلوے مالکان نے اس طرح حاصل کی ہوئی زمینوں پر اپنے زراعتی فارم اور کان کنی اور دوسری صنعتیں قائم کیں اور اس طرح یہ تاجر بہت بڑے سرمایہ دار بن گئے۔ یہاں تک کہ انکا اثر ورسوخ مغربی ریاستوں کے گورنروں سے بھی بڑھ

۱۸۶۹ء میں جب 'اوگ ڈن اوماہا' کے قریب بہت سی اہم ریلوے لائینوں کی شاخیں یونین پیسیفک ریلوے لائن سے آملیں تو پورے برّاعظم میں ریلوں کا ایک جال سا بچھ گیا۔ مغرب میں 'اوماہا' سے شروع ہو کر سینٹرل پیسیفک ہوتی ہوئی یہ ریلوے لائن مشرق میں اسکرامنیٹو تک پہونچ گئی۔ ریلوے کے ان نئے سلسلوں کے باعث اب مسافروں اور مال واسباب کو نیویارک سے سان فرانسسکو تک لیجانا ممکن ہوگیا تھا۔ برّاعظمی ریلوے لائن کی تعمیر ایک عظیم قومی کارنامہ تھا کیونکہ اس کی تکمیل ریل کی پٹریاں صحراؤں، اونچی اونچی پہاڑیوں اور دشمن ریڈ انڈین کے علاقوں میں بچھاکر کی گئی تھی۔ جہاں سینکڑوں میل تک کسی بستی کے آثار بھی نہ تھے۔

اگرچہ یہ ایک قابلِ فخر کارنامہ تھا مگر پھر بھی یہ بڑی بڑی رسوائیوں کا باعث بنا۔ اس منصوبہ کے ٹھیکیداروں نے 'کریڈٹ موبائلر' کے نام سے ایک کمپنی قائم کرلی تھی اور عام حصہ داروں کے منافع کی بیشتر رقم ناجائز طور پر اس کمپنی کے نام منتقل کرلی۔ اس بات کا خطرہ محسوس کرتے ہوئے کہ کانگریس ان معاملات کی تفتیش کرے گی' یہ ٹھیکیدار کانگریس کے بڑے بڑے ارکان کو جن میں ریاستہائے متحدہ کا نائب صدر 'شائلر کول فیکس' بھی شامل تھا، اس پر آمادہ کرنے میں کامیاب ہوگئے کہ وہ اس کمپنی کے حصے بطور تحفہ قبول کرلیں۔ جب اس رشوت کی خبر ظاہر ہوئی تو بہت سے لیڈروں کی سیاسی زندگی تباہ ہوگئی اور ایماندار اور مخلص افراد کو حکومت کی مشینری میں رشوت کی یہ گرم بازاری دیکھکر سخت صدمہ پہونچا۔

خانہ جنگی کے فوراً بعد کے دور کے بڑے بڑے صنعتکاروں کی خصلت میں ایسی صلاحیت بدرجۂ اتم موجود تھی جس میں بددیانتی کے بجائے سنگدلی کا عنصر غالب تھا۔ اسکاٹ لینڈ کا 'اینڈریو کارینگی' فولاد کا ملک التجار بنگیا کیونکہ وہ پہلا شخص تھا جسے فولاد کی وسیع پیمانے پر

تیاری کی اہمیت کا احساس ہوا تھا۔ بڑے بڑے منافع بخش کاروبار میں روپیہ لگا کر اس نے کافی دولت جمع کر لی تھی۔ اس رقم سے کارنیگی نے 'پٹس برگ' کے مقام پر فولاد کا ایک کارخانہ قائم کیا۔ اس مقام پر کارخانہ کے قیام میں اس بات کی سہولت تھی کہ یہ امریکہ کے کوئلہ پیدا کرنیوالے ضلع کا مرکزی مقام تھا اور کوئلہ لوہا اور فولاد بنانے میں نہایت ضروری ہے۔ خام لوہے کی دھات جھیل سپیریر کے مغربی کنارے پر واقع مسابی علاقے سے حاصل کر کے کارنیگی کے اپنے جہازی بیڑے کے ذریعہ اس کارخانہ تک لائی جاتی تھی۔ تیار شدہ فولاد ان ریلوں کے ذریعہ منڈیوں تک پہونچایا جاتا تھا جو کارنیگی کی ملکیت تھیں یا جن پر اس کا اختیار تھا۔ یہ فولاد اتنی کثیر مقدار میں اور اتنی کم قیمت ہوتی تھی کہ اس صنعت میں دوسرے صنعتکاروں کے مقابلے کا تصور ہی ختم ہوگیا تھا اور کارنیگی اس منڈی کا بلا شرکت غیر مالک بن گیا تھا۔ ۱۹۰۱ء میں کارنیگی کے یہ حصے فروخت کر دیئے گئے اور انہیں "ریاستہائے متحدہ فولاد کارپوریشن" میں ضم کر دیا گیا۔ اس کارپوریشن کا سرمایہ ایک ارب پچاس کروڑ ڈالر پر مبنی تھا۔ اس کا اندازہ یوں لگایئے کہ یہ رقم سو سال قبل کے پورے قومی سرمایہ سے بھی زیادہ تھی۔

ایک اور منچلے نوجوان ڈی۔ راک فیلر' کو تیل کے کاروبار میں ترقی کا عمدہ موقع نظر آیا۔ تیل کے کاروبار کی ابتداء ۱۸۵۹ء میں پنسلوانیا میں پہلے تیل کے کنوئیں کی کھدائی سے ہوئی تھی۔ اپنی غیر معمولی قابلیت اور سخت جانفشانی کے باعث راک فیلر اس مقابلے میں اپنے حریفوں کو شکست دیکر ان سے سبقت لیجانے میں کامیاب ہوگیا۔ اور پھر مقابلے کے اس رجحان کو ایک کاری ضرب پہونچائی ریلوے کمپنیوں سے رجوع ہوتے ہوئے اس نے مطالبہ کیا کہ اگر ریلوے کمپنیاں اس کی سرپرستی چاہتی ہیں تو وہ اس کی 'اسٹینڈرڈ آئل کمپنی' کے تیل پر اس کے حریفوں کے مقابلے میں ریلوے کرایہ میں رعایت دیں۔ اس دباؤ سے مجبور ہو کر ریلوے کمپنیاں اس بات پر رضامند ہو گئیں کہ وہ راک فیلر کو عام شرح پر کچھ چھوٹ دیں گی اور زائد وصول کی ہوئی رقم واپس کر دیں گی۔ اس کے حریفوں نے اس رعایت پر ریلوے کمپنیوں سے ناکام احتجاج کیا۔ اس طرح تینتیس

سالم ملک التجار نے ریلوے کی سہولتیں حاصل کر کے اپنے حریفوں کو زچ کر دیا اور وہ اپنے کاروبار کی طرف سے مایوس ہو کر اسے راک فیلر کے ہاتھ فروخت کرنے پر مجبور ہو گئے اور راک فیلر کے کاروبار اور اس کے سرمایہ نے لا محدود حد تک وسعت اختیار کر لی۔

مختلف افراد نے دوسری صنعتوں میں بھی تقریباً یہی ترکیبیں استعمال کیں اور ہر ایک کا رجحان اسی طرف تھا کہ بڑی سے بڑی اجارہ داری کس طرح قائم کی جائے۔ ریلوے ٹرینوں میں سرد ڈبوں کی ایجاد کے باعث گوشت کے سربمہر بند ڈبوں کی جو صنعت وجود میں آئی تھی اس پر خاص طور سے گستاوس سوفٹ' اور پی۔ ڈی۔ آرمر کا قبضہ تھا۔ اسی طرح تمباکو ٹرسٹ، شکر ٹرسٹ، وسکی ٹرسٹ، ربر ٹرسٹ اور تانبا ٹرسٹ کے تحت بڑی بڑی صنعتی اجارہ داریاں قائم ہو گئی تھیں۔ وال اسٹریٹ کے جے۔ پی۔ مارگن عظیم بینک فرم کے زیر انتظام ایک ایک سرمایہ ٹرسٹ قائم کیا گیا تھا جو ان بڑے بڑے صنعتی منصوبوں کے لئے قرضے اور سرمایہ فراہم کر رہا تھا۔

ایک طرف تو صنعت کار منافع کی شکل میں دونوں ہاتھوں سے دولت بٹور رہے تھے اور دوسری طرف مخترع نئے نئے طریقے اپنا کر منڈیوں کے لئے زیادہ سے زیادہ مصنوعات تیار کر رہے تھے اور بہت سی صورتوں میں خود اپنے لئے دولت کما رہے تھے۔ دخانی کشتی، ریلوے انجن، تار برقی اور غلّہ کاٹنے والی مشین (جسکے باعث غلّہ کی پیداوار میں کثیر اضافہ ہو گیا تھا) اس صدی کے آغاز میں پہلے ہی ایجاد ہو چکی تھیں۔ اب اس فہرست میں دو ایجادات کا اور اضافہ ہو گیا یعنی ٹیلیفون، جسے ایک اسکاٹی امریکن الیگزنڈر گراہم بیل نے ۱۸۷۶ء میں ایجاد کیا، اور بجلی کی روشنی کے بلب اور برقی قوت پیدا کرنے والی مشین جسے تھامس اے۔ ایڈیسن نے ۱۸۸۲ء سے کام میں لانا شروع کر دیا تھا۔ برقی قوت کے نئے نئے استعمال جس میں گھروں اور شہروں کو روشن کرنا اور مشینوں کو برقی قوت مہیا کرنا بھی شامل تھا۔ اور مکانوں میں ٹیلیفون کے ذریعے ایک دوسرے سے تعلق پیدا کر دینے کے باعث مزید بڑی بڑی صنعتیں وجود میں آگئیں اور اس طرح قوم کے معیار زندگی میں خاطر خواہ اضافہ ہو گیا۔

یہ صنعتی انقلاب امریکی عوام پر دوررس نتائج کا باعث بنا۔ صنعت کاروں کی بیشتر تعداد حریص ہونے کے باوجود یہ لوگ دوراندیش اور کارگزار تھے۔ ان لوگوں نے اپنی اپنی مصنوعات سے تجارتی منڈیاں بھر دیں۔ خود کفیلی کے دور کی طرح اب دیہاتوں میں مقیم خاندانوں کے لئے لباس اور فرنیچر خود تیار کرنے کی ضرورت باقی نہ رہی۔ کیونکہ اب تمام ضروری اشیاء صرف ایک یا دو دن کی مختصر مدت میں بذریعہ ریل ان تک پہونچ جاتی تھیں۔ کثیر تعداد میں مصنوعات کی تیاری کا دور شروع ہو چکا تھا۔

فیکٹریاں دن رات مصنوعات کی تیاری میں مشغول تھیں مزدوروں کی بڑھتی ہوئی مانگ کو پورا کرنیکی خاطر صنعتی مزدوروں کی تعداد میں دن بدن اضافہ ہو رہا تھا اور مسلسل خوشحالی اور فارغ البالی کے تصور سے ملک کا مستقبل روشن نظر آرہا تھا۔ مگر جیکسن کے دور کی مانند اس وقت بھی صنعتی ترقی کے اس ہیجان خیز دور میں مصنوعات کی پیداوار میں اسقدر تیزی سے اضافہ ہوا کہ ان کی مقدار ملکی ضرورتوں سے کہیں زیادہ بڑھ گئی۔ ریلوے کمپنیوں نے مقامی اور بیرونی سرمایہ کاروں سے اپنی حیثیت سے زیادہ قرضے رکھے تھے۔ اس کے باوجود اپنے عظیم الشان منصوبوں کی تکمیل کے واسطے ان کو مزید سرمایہ کی ضرورت تھی چنانچہ جب قرضہ دینے والے بینک اور سرمایہ کار ان کمپنیوں کی بڑھتی ہوئی مانگ سے گھبرا گئے اور مزید قرضے دینے سے انکار کر دیا تو ۱۸۷۳ء کے عظیم خوف و انتشار کے دور میں ملک کے پورے اقتصادی نظام کی بنیادیں ہل گئیں اور پورا ڈھانچہ زمین پر آ گیا۔ آئندہ کے پانچ برس مسلسل کساد بازاری کا شکار رہے اور بے روزگاری میں خاطر خواہ اضافہ ہوا۔ اگرچہ ۱۸۸۰ء کے دوران ملک کی خوش حالی میں مزید اضافہ ہوتا رہا تھا مگر ۱۸۹۰ء میں ایک مرتبہ پھر ملک زبردست تباہی سے دوچار ہوا۔

۱۸۷۳ء کے انتشاری دور کی ابتدا ایسے وقت ہوئی جبکہ وہائٹ ہاؤس میں صدر گرانٹ اپنی صدارت کی دوسری میعاد کا عہدہ سنبھال رہا تھا۔ اپنے پہلے صدارتی دور میں بڑے بڑے

سرکاری عہدے داروں میں پھیلتی ہوئی رشوت ستانی کو روکنے میں ناکام رہنے کے باعث گرانٹ کی اپنی پارٹی کے بہت سے ممبروں نے اس سے علیحدگی اختیار کرلی تھی اور انہوں نے لبرل ریپبلکن پارٹی کے نام سے ایک علیحدہ جماعت بنالی تھی۔ ڈیماکریٹس کے ایک بڑے طبقہ کے اشتراک سے انہوں نے نیو یارک ٹریبیون کے ایڈیٹر "ہوریس گریلے" کو نئی اصلاحات کے منشور کے ساتھ گرانٹ کے مقابلے میں اپنا صدارتی امیدوار بنا کر کھڑا کر دیا مگر گریلے ووٹروں کو متاثر نہ کرسکا۔ اور گرانٹ نے نہایت آسانی سے دوبارہ انتخاب جیت لیا۔

بڑھتی ہوئی رسوائیوں اور سخت معاشی بدحالی کے باعث ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ریپبلکن ۱۸۷۶ء کے انتخاب میں شکست کھا جائیں گے۔ عوام کے اس اصرار پر سر تسلیم خم کرتے ہوئے کہ انکا امیدوار بے ریا اور دیانت ہونا چاہئے" انہوں نے اوہیو کے گورنر جنرل "رودر فورڈ بی۔ ہیس" کو اپنا امیدوار منتخب کیا۔ ڈیماکریٹس نے اس کے مقابلے میں اتنا ہی موثر امیدوار نامزد کیا اور وہ تھا نیو یارک کا گورنر "سموئیل ٹلڈن"۔ ٹلڈن نے نیو یارک کی سازشی سیاست کے مصلح کی حیثیت سے شہرت پائی تھی اور منتخب ہو جانیکی صورت میں اس نے قومی پیمانے پر ملکی سیاست کی اصلاح کا وعدہ کیا تھا۔

اس انتخاب کا سب سے زیادہ ہیجان خیز منظر اس کا اختتام تھا جو نہایت سنسنی خیز اور خلاف توقع تھا۔ ٹلڈن کو اپنے مخالف کے مقابلے میں دو لاکھ پچاس ہزار ووٹ زیادہ ملے تھے۔ اس کے علاوہ وہ ہر ریاستی انتخابات میں سبقت لے رہا تھا مگر تین جنوبی ریاستوں ساوتھ کیرولینا، فلوریڈا اور لوزیانا نے دوہرے نتائج داخل کئے تھے ساتھ ہی حکومت کے مفاد پرست عناصر کے خلاف قابلِ اعتراض مواد بھی پیش کیا تھا۔ چنانچہ ہیس نے ان تینوں ریاستوں کے ووٹوں کا دعویٰ کیا اور آخر کار وہ انہیں حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا بلکہ ساتھ ہی صدارت بھی مل گئی اور یہ کامیابی یومِ افتتاح سے صرف تھوڑا

بیشتر حاصل ہوئی۔ ایک وقت تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گرانٹ کی میعادِ صدارت کے خاتمہ پر پوری قوم صدر کے بغیر ہی یوم افتتاح کا جشن منائیگی۔

ہیس کے دور صدارت کے انتظامیہ کا شمار امریکی تاریخ کے بہترین اور قابلِ فخر انتظامیہ میں ہوتا ہے مگر اس کے باوجود اس وقت چند سیاسی گروہ کے عوام سے دادِ تحسین حاصل نہ کرسکا۔ جنوبی ریاستوں سے آخری وفاقی قابض فوجوں کو واپس بلا لینے کے باعث ہیس کے اسکی پارٹی کے ممبروں سے اختلافات پیدا ہو گئے تھے کیونکہ ان ممبروں کے نظریہ کے مطابق ہیس کے اس اقدام سے جنوبی ریاستوں میں ڈیماکریٹس کے قدم اور مضبوط ہو جانیکا اندیشہ پیدا ہو گیا تھا۔ اس کے علاوہ ہیس نے اپنی پوری توجہ وفاقی انتظامیہ کی اصلاح کی طرف مبذول کردی تھی جو پارٹی کے ایسے رشوت خور افراد سے بھری پڑی تھی جنکو صدارتی انتخاب میں ووٹ دینے کے باعث مختلف عہدوں پر فائز کردیا گیا تھا۔ وزارت امورِ داخلہ، جو ریڈ انڈین باشندوں کے مفاد کی نگراں تھی، ایسے نفع خور اور مفاد پرست افراد کا مجموعہ تھی جو نہایت بے شرمی سے بے یارو مددگار انڈین باشندوں کو دھوکا دیکر ان کی زمینوں پر قبضہ کر لیتے تھے اور ان کو ملی ہوئی مراعات سے محروم کرکے خود فائدہ اٹھالیتے تھے۔ چنانچہ جب ہیس نے اس محکمہ کی جانچ پڑتال کرکے ایسے تمام مفاد پرست عناصر کو انکے عہدوں سے الگ کردیا اور انکی جگہ دیانتدار افراد کی تقرری کی تو پارٹی کے تمام ممبر اس سے ناراض ہو گئے اور اس پر پارٹی سے غداری کا الزام لگاکر اس کو صدارت کی دوسری میعاد کے لئے اپنا امیدوار منتخب کرنے سے انکار کردیا۔

اس کے باوجود جی۔او۔پی۔میں اصلاحات کی تحریک دن بدن زور پکڑتی گئی۔جی۔او۔پی۔ "گرانڈ اولڈ پارٹی" کا مخفف ہے۔ ریپبلکن پارٹی کو بعد میں اسی لقب سے منسوب کیا جاتا تھا۔ ۱۸۸۰ء کے اجتماع میں ریپبلکن پارٹی دو گروہوں میں منقسم ہو گئی۔ ایک گروہ جو "اسٹالوارڈ" کہلاتا تھا، اس خیال کا حامی تھا کہ گرانٹ کے مفاد پرستی اور سیاسی سرپرستی کے دور کو دوبارہ واپس لایا جائے۔ دوسرا گروہ "ہاف بریڈز" تھا جو دیوانی محکموں میں

اصلاحات کا حامی تھا۔ آخر کار 'ہاف بریڈ' کے امیدوار جیمس اے۔ گارفیلڈ کو نامزدگی حاصل کرنے میں کامیاب ہوئی اور قومی انتخاب میں اس نے ڈیماکریٹس کے نمائندہ جنرل ون فیلڈ ہانکاک' کو شکست دیکر صدارتی انتخاب جیت لیا۔

عہدۂ صدارت پر فائز ہونے کے فوراً ہی بعد ایک ناکام امیدوار نے گارفیلڈ کو قتل کردیا اور اس کی جگہ نایب صدر چسٹر اے آرتھر نے صدر کا عہدہ سنبھال لیا۔ ایک سابق 'اسٹالوارٹ' ہونے کے باوجود آرتھر نے انتظامیہ میں بہترین صلاحیت کا ثبوت دیا اور دلوانی کے عہدوں پر افسروں کے تقرر میں قابلیت اور صلاحیت کو پیش نظر رکھا۔ اپنے پیش رو ہیس' کی مانند پارٹی کے ممبروں نے اس پر بھی اپنی پارٹی سے بیوفائی' کا الزام لگایا اور دوسری میعاد کے لئے اس کو نامزد نہیں کیا۔

ایوان کے سابق اسپیکر اور وزارت داخلہ کے سکریٹری' جیمس جی۔ بلین' ۱۸۸۴ء کے انتخابات میں ریپبلکن کے علمبردار کی حیثیت سے سامنے آیا۔ باعمل اور پرکشش شخصیت کے حامل 'بلین' کا شمار جی۔او۔پی۔ کے مقبول ترین لیڈروں میں تھا۔ مگر گرانٹ حکومت کے متعلق متعدد افواہوں اور رسوائیوں میں اس کو بھی ملوث کیا جا چکا تھا اور اسی وجہ سے اسکے پارٹی کے ارکان ابتک اس کو اپنا نمائندہ مقرر کرنے سے ہچکچا رہے تھے۔ بلین کے مقابلے ڈیماکریٹس نے نیویارک کے گورنر گروور کلیو ولینڈ' کو اپنا صدارتی امیدوار منتخب کیا۔ سیموئیل ٹلڈن کی طرح کلیو لینڈ بھی ایک بیباک' نڈر اور با اصول منتظم کی حیثیت سے کافی مشہور تھا۔

ریپبلکن پارٹی کے اصلاحی گروپ نے ایک مرتبہ پھر اپنی پارٹی سے کنارہ کشی اختیار کر لی اور ڈیماکریٹس کے ساتھ اتحاد کر لیا۔ کلیو لینڈ کی حمایت کرتے ہوئے اصلاحات کے حامی ریپبلکن گروپ نے جو امداد بہم پہونچائی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خانہ جنگی کے بعد پہلی مرتبہ ڈیماکریٹس پارٹی وہائٹ ہاؤس میں برسر اقتدار آ گئی۔ برابر کے اس صدارتی مقابلے میں ڈیماکریٹس کی کامیابی کی ایک وجہ' وہ بے محل بیان تھا جو ایک پادری نے بلین کی حمایت میں دیا تھا۔ بلین کی حمایت

میں دیا تھا بلین کی حمایت میں تقریر کرتے ہوئے اس پادری نے ڈیماکریٹس پارٹی کو شرابیوں رومن کیتھولکوں اور باغیوں کا مجموعہ قرار دیا۔ اس الزام تراشی نے رومن کیتھولک ووٹروں کو ناراض کر دیا اور جب بلین اس الزام کی تردید کرنے میں ناکام رہا تو یہ ووٹر اسکے خلاف ہو گئے اور ان کے ووٹ ڈیماکریٹس کے حق میں چلے گئے۔

ریپبلکن پارٹی کے متذکرہ بالا دورِ حکومت میں اور اس کے بعد بھی کئی برس تک صنعتی اجارہ داری میں نمایاں طور پر ترقی ہوتی رہی۔ اس طرح اگرچہ بحیثیت مجموعی پوری قوم مادری طور پر ترقی کے راستہ پر گامزن تھی مگر سارا منافع صرف چند اجارہ داروں کی جیب میں چلا جاتا تھا۔ اس دور نے قابل اور چالاک تاجروں کے لئے امیر سے امیر تر ہونے کی نئی نئی راہیں کھول دی تھیں۔ بظاہر ملک خوش حالی کی نئی سرحدوں کو چھوڑ رہا تھا مگر در اصل امریکی معاشی نظام ایک خوفناک سرد بازاری کی طرف قدم بڑھا رہا تھا۔ یہ صنعتی اجارہ دار اپنے نزدیک امریکہ کو جدید صنعتی ممالک کی صفِ اوّل میں لا رہے تھے۔ ۱۸۷۰ء اور ۱۸۸۰ء کے درمیان صنعتی اجارہ داری کا یہ رجحان اسقدر عزم اور پختگی کے ساتھ اپنی منزلِ مقصود کی طرف گامزن تھا کہ کسی میں بھی اسے روکنے یا اس میں رخنہ اندازی کی جرأت نہیں تھی امریکی حکومت سے بھی اس بات کی امید نہیں کی جا سکتی کیونکہ وہ اس رجحان کی خود ہمت افزائی کر رہی تھی۔ مگر اس پالیسی پر عمل پیرا ہونے سے جو نتائج ظاہر ہوئے ان کا عوام پر گہرا اثر پڑنا لازمی تھا۔ یہی نہیں بلکہ ان اثرات کا ردِ عمل بھی ظاہر ہو کر رہا کہیں موافقت میں اور کہیں مخالفت میں۔

ایک طویل عرصہ سے امریکی مزدور اپنے آپکو حفاظتی ایسوسی ایشن اور یونین کی شکل میں منظم کرنیکی جد وجہد میں مشغول تھے تاکہ وہ ان صنعتی ٹھیکیداروں سے اپنے لئے زیادہ اجرتیں اور کام کا بہتر ماحول حاصل کر سکیں۔ عام طور سے ان مزدوروں کو اپنی روزی کمانے کے لئے ایسی فیکٹریوں اور ملوں میں سخت جانفشانی اور طویل عرصہ تک کام کرنا پڑتا تھا جس میں نہ صرف گنجائش کم تھی بلکہ حفظانِ صحت کا بھی فقدان ہوتا تھا۔ چنانچہ کام کے بہتر ماحول کیلئے

ان کی جدوجہد ایک قدرتی امر تھا۔

مزدوروں کی تنظیم 'نائٹس آف لیبر' نے سب سے پہلے قومی پیمانے پر شہرت حاصل کی۔ ۱۸۶۹ء میں قائم کردہ اس تنظیم کا دروازہ مختلف کاروباری طبقہ کے ہر مزدور کے لئے کھلا تھا' اور اسطرح یہ تنظیم صنعتی طرز کی بنگئی تھی۔ اس تنظیم نے جن باتوں کا مطالبہ کیا اس میں دن میں صرف آٹھ گھنٹہ کی ڈیوٹی۔ بچوں سے محنت لینے کے اصول کا خاتمہ اور عوامی ضرورت کی صنعتوں میں عوام کے مالکانہ حقوق شامل تھے۔ ۱۸۸۶ء میں جبکہ یہ تنظیم اپنے عروج پر تھی' سات لاکھ سے زائد افراد اس کے ممبر بن چکے تھے۔ موثر اسٹرائک کرانے میں ناکامی' ایسے مطالبات کا پیش کرنا جو خود مزدوروں کے نزدیک انتہاپسندی پر مبنی تھے اور جبلی تنظیمی کمزوریوں کے باعث یہ تنظیم اپنی موت آپ مرگئی۔

سگار بنانے والے ایک نوآباد کار 'سیمول گامپرز' کو اس سلسلے میں ۱۸۸۶ء میں زیادہ کامیابی حاصل ہوئی۔ مختلف دستکاری کی یونینوں کو جو آہستہ آہستہ منظر عام پر آرہی تھیں متحد کرکے ایک بڑی دفاعی انجمن میں تبدیل کرکے گامپرز نے ان دستکاروں کی اہمیت میں اضافہ کردیا یہاں تک کہ امریکن فیڈریشن آف لیبر کے ذریعہ ان کی آواز ابتک سنی جاتی ہے۔ اس انجمن کا نصب العین نائٹس آف لیبر' کے مقابلے میں زیادہ باعمل' قابل حصول اور اعتدال پسند تھا۔ اپنے کو تجارتی انجمنوں کے مفاد کیلئے وقف کرتے ہوئے امریکن فیڈریشن آف لیبر نے انتہاپسندی پر مبنی مطالبات پیش کرنے سے گریز کیا' سرمایہ دارانہ نظام کی توثیق کی اور صرف بہتر اجرت' کام کے کم اوقات اور اپنے مالکوں سے اجتماعی طور پر اپنے مطالبات پیش کرنے کے حقوق حاصل کرنے پر زور دیا۔

امریکی معاشرہ میں صرف مزدور طبقہ ہی ایسا عنصر نہیں تھا جس نے اجارہ داری کو چیلنج پیش کرنیکی ہمت کی۔ مغربی سرحدوں پر بھی بہت سے افراد نے ان کو نقصان پہونچانیوالی تجارتی بدعنوانیوں پر صدائے احتجاج بلند کی۔

اس واقعہ کے فوراً ہی بعد اچانک مغرب میں چاندی کے بڑے بڑے ذخائر دریافت ہونے لگے اور اس دھات کی قیمت سونے کے مقابلے میں بہت زیادہ گر گئی۔ اب چاندی کی کانوں کے مالک اس بات کے لئے کوشاں ہو گئے کہ چاندی کے سکے "ایک اور سولہ کے پرانے زرمبادلہ کے تناسب سے دوبارہ جاری کر دیئے جائیں۔ ان کا خیال تھا کہ اس طرح وہ سستی چاندی کے بدلے قیمتی سونا حاصل کر کے امیر کبیر بن جائیں گے۔ ان کی اس جدوجہد میں مغربی علاقوں کے کاشتکاروں نے انکی حمایت شروع کر دی جو یہ چاہتے تھے کہ چاندی کے سکے دوبارہ جاری ہو جائیں اور اسکی بنیاد پر افراطِ زر کے باعث سستے کاغذی نوٹ دوبارہ گردش میں آ جائیں ان کا خیال تھا کہ اس طرح انہیں اپنے قرضوں کی ادائیگی کا نہایت موزوں طریقہ ہاتھ آ جائیگا۔

ہیس کے دوران صدارت میں کانگریس نے چاندی کے تاجروں کی اس درخواست کو قبول کر لیا اور ہر سال بیس سے چالیس لاکھ ڈالر کی قیمت تک کی چاندی خریدنے کی اجازت دیدی۔ ۱۸۹۰ء میں "شرمن سلور پرچیز ایکٹ" کے تحت ایک مرتبہ پھر مغربی علاقوں کا یہ مطالبہ قبول کر لیا گیا کہ چاندی کے زیادہ سے زیادہ سکے رائج کئے جائیں۔ لیکن جیسا کہ پیشگوئی کی گئی تھی۔ سونے کی ذخیرہ اندوزی شروع ہو گئی اور وہ بازار سے غائب ہو گیا۔ چنانچہ سونے کو بالکل نایاب ہونے سے روکنے کے لئے شرمن ایکٹ کو منسوخ کرنا پڑا۔

۱۸۹۰ء کے لگ بھگ آزاد چاندی کے مسئلہ نے امریکی عوام کے لئے ایک ہمہ گیر اہمیت حاصل کر لی اور مشرق اور مغرب سیس مسئلہ پر ایک مرتبہ پھر ایک دوسرے سے اسی طرح الجھ گئے جس طرح تیس سال قبل غلامی کے مسئلہ نے ان کو ایک دوسرے سے دست و گریباں کر دیا تھا۔ ایک علاقائی تنازعہ بن جانے کے علاوہ اس جدوجہد نے زندگی اور موت کی جنگ کی شکل اختیار کر لی تھی۔ یعنی صنعتی اور زراعتی نظام کی جنگ۔ قرضداروں اور قرضخواہوں کی جنگ اور عوام اور اجارہ داروں کی جنگ۔ مختصراً یہ کہ آزاد چاندی کے مسئلہ کے تحت ان لاکھوں افراد نے بڑے پیمانے پر امریکی صنعتی ترقی کو ایک چیلنج پیش کر دیا جو، صحیح یا غلط، اپنے آپ کو اس صنعتی ترقی کا

بڑھتے ہوئے بینکنگ مفاد کے باعث مشرقی علاقے ایسا مستحکم قومی سکہ چاہتے تھے جسکا متبادل سونا محفوظ کر لیا گیا ہو۔ ایسا سکہ جو قومی قرضوں کو استحکام بخشے یہ افراد ایسے کاغذی سکے وافر تعداد میں چاہتے تھے جیسے خانہ جنگی کے دوران جاری کئے گئے تھے اور جو بعد میں حکومت نے واپس لیکر ضائع کر دئے تھے۔

مغربی علاقے مشرقی علاقوں کے مقروض تھے۔ انحطاط زر کے دوران ان لوگوں نے اپنی زراعت اور صنعت قائم کرنے کی خاطر یہ قرضے لیے تھے۔ انہوں نے محسوس کیا کہ اگر وہ افراطِ زر کے کاغذی نوٹوں سے اپنے قرضے ادا کریں جو ان کے پاس کافی تعداد میں تھے اور جنکی قوتِ خرید بھی کم تھی تو اس طرح ان کو معاشی بوجھ برداشت کرنا زیادہ مشکل نہ معلوم ہوگا۔ اس کے برعکس اگر ان کو اپنے قرضوں کی ادائیگی ایسے قیمتی سکوں میں کرنا پڑی جنکو سونے کی تائید حاصل تھی تو اس طرح پیدا ہونے والا معاشی دباؤ ان کے لئے ناقابلِ برداشت ہو جائیگا۔

ایسا طریقہ دریافت کرنے کی کوشش میں جسکے ذریعے سکے کی قیمت کو کم رکھا جا سکے، مغرب نے ایک ایسا حل پیش کیا جو انکے خیال میں نہایت مناسب تھا۔ پچھلے زمانہ میں ریاستہائے متحدہ میں سونے اور چاندی کے سکے رائج تھے اور سولہ آونس چاندی ایک اونس سونے کے برابر تصور کی جاتی تھی۔ تاہم ان دونوں دھاتوں کے تناسب کو برقرار رکھنا اور آپس میں قابل تبادل رکھنا ایک مشکل امر تھا کیونکہ ان دونوں دھاتوں کی تجارتی قیمت میں اتار چڑھاؤ ہوتا رہتا تھا۔ جب کبھی بھی ان میں سے کسی ایک کی قیمت بڑھتی تو اس دھات کے سکے بازار سے غائب ہو جاتے اور لوگ ان کو تاجروں اور سناروں کے ہاتھ اس سے زیادہ قیمت پر فروخت کر دیتے جو ان کو حکومت سے ملتی۔ ۱۸۷۳ء میں ایسا ہی ہوا جبکہ چاندی اتنی قیمتی اور کمیاب ہو گئی کہ چاندی کے سب سکے بازار سے غائب ہو گئے۔ چنانچہ خزانے نے چاندی کے سکے بنانا بالکل بند کر دئے اور صرف سونے کے سکے بنانا شروع کر دئے۔

۱۸۶۲ء کے 'ہومسٹڈ ایکٹ' کے تحت حکومت نے ہر اس مہم پسند شخص کو ایک سو ساٹھ ایکڑ آراضی کے مفت مالکانہ حقوق دینے کا اعلان کیا جو اس پر پانچ سال تک کاشتکاری کرتے رہیں اور اس طرح حکومت نے مغربی نوآبادیوں کی ہمت افزائی کی۔ حکومت کی پیشکش اُس وقت تک نہایت پُرکشش اور خیرہ کرنے والی تھی جب تک ریلوے کمپنیاں اور بڑے بڑے ٹرسٹ مقابلے میں نہیں آئے تھے۔ بڑے بڑے صنعتکاروں کے مقابلوں میں جنھوں نے ریلوے کمپنیوں کو رعایتی کرایوں پر انکی مصنوعات کو منڈیوں تک پہونچانے پر مجبور کر دیا تھا، ان نئے مغربی کاشتکاروں اور تاجروں کی حیثیت بہت مایوس کن تھی جو اپنے مال کو شاہراہوں کے ذریعہ بھیجنے کی کوشش کر رہے تھے۔ ان مہم جو نوآبادکاروں کی عسرت اور معاشی بدحالی کی وجہ اب ان کے دشمن ریڈانڈین نہیں رہے تھے بلکہ خود ان کے ہم پوشاک اور ہم وطن ان کو تباہی کی منزل پر پہونچانے کے درپے تھے۔

۱۸۷۰ء کے لگ بھگ 'گرینج' نامی کاشتکاروں کی ایک تنظیم قائم ہوئی جس نے ریلوے کمپنیوں میں اجارہ داروں کے اثر کو زائل کرنے اور مال برداری کے بڑھتے ہوئے کرایوں میں کمی کرنے اور اجارہ داروں کے ساتھ رعایت اور ترجیحی سلوک کے خاتمہ کے لئے جان توڑ کوشش کی۔ تقریباً بیس لاکھ ممبروں پر مشتمل اس تنظیم نے حکومت کی مجلس قانون سے سیاسی کارروائی کرنے کا مطالبہ کیا اور ان بدعنوانیوں کو بڑی حد تک ضابطہ میں لانے کیلئے متعدد قانون پاس کروانے میں کامیاب ہو گئے ان قوانین کو پاس کرا لینے کے باوجود درحقیقت ان کو بہت کم فائدہ حاصل ہوا کیونکہ ریاستوں کو صرف مقامی طور پر اپنی سرحدوں کے اندر تجارت کو منضبط کرنے کا اختیار تھا بین الریاستی تجارت کے لئے قاعدے مقرر کرنا وفاقی حکومت کا کام تھا جس پر ۱۸۸۰ء سے قبل تک توجہ نہیں دی گئی۔ چند بدعنوانیوں کا خاتمہ کر دیا گیا۔

مغربی آبادکاروں کے لئے انحطاط زر کا مسئلہ ایک دوسرے نزاع کا باعث بنا۔ اپنے

شکار سمجھتے تھے۔

ڈیماکریٹک پارٹی نے صرف ۱۸۸۴-۸ء اور ۱۸۹۲-۶ء تک ملک پر حکومت کی۔ 'گروور کلیولینڈ' ہی نے ان دونوں میعادوں میں ڈیماکریٹک پارٹی کی طرف سے صدارت کی ذمہ داری سنبھالی۔ کلیولینڈ تاحال وہ واحد امریکی صدر ہے جس نے پہلی میعاد کے بعد مخالف پارٹی سے شکست کھائی اور پھر چار سال بعد دوبارہ صدارتی انتخاب جیت کر برسرِ اقتدار آگیا۔

کلیولینڈ ایک مردِ آہن اور قابل منتظم تھا اور چند افراد کو خوش کرنے کے بجائے وہی اقدامات کرنا اس کا اصول تھا جنھیں وہ درست سمجھتا تھا۔ اس کے خیال میں جنوبی علاقہ کے دو قابل افراد کو اپنی کابینہ میں شامل کر لینا اور تنظیمی باغی ریاستوں سے چھینے ہوئے جنگی پرچم انکو واپس کر دینا ایک صحیح اقدام تھا۔ ان اقدامات پر ریپبلکن پارٹی نے بہت شور و غل مچایا۔ اس نے ایک قابل ریپبلکن کو بڑی تنخواہ والے انتظامیہ کے ایک عہدہ پر دوبارہ فائز کر دیا جس کے باعث ڈیماکریٹس اس کے مخالف ہو گئے۔ اس نے اس امر پر اصرار کیا کہ خانہ جنگی کے سابق فوجیوں میں سے صرف ان لوگوں کو پنشن دی جائیگی جو اس کے اہل ہوں گے اور اس طرح اس نے سابق فوجیوں کی طاقتور سیاسی تنظیم کو اپنی طرف سے برگشتہ کر لیا۔ اس کے علاوہ اپنی پارٹی کے انتخابی منشور سے جزوی طور پر منحرف ہوتے ہوئے اس بات کی سفارش کی کہ چاندی کی خرید بالکل بند کر دی جائے۔

اپنی پہلی صدارتی میعاد میں کلیولینڈ کے پیشِ نظر سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ اس فاضل کثیر رقم کا کیا کیا جائے جو ملک کے خوش حالی کے دور میں سرکاری خزانے میں جمع ہو گئی تھی۔ اس فاضل رقم کو کم کرنے کی ایک صورت یہ تھی کہ جزوی طور پر قومی قرضوں کی ادائیگی کر دی جائے۔ مگر ملک میں رائج سکوں کی بیشتر مقدار کا انحصار سرکاری ہنڈیوں اور قرضوں پر تھا۔ چنانچہ سرکاری ہنڈیوں کی ادائیگی کے ساتھ رائج سکوں کی مقدار میں کمی کرنا بھی ضروری تھا۔ مگر ایسے وقت میں حکومت انحطاطِ زر کو نامناسب خیال کرتی تھی۔ ایک دوسرا طریقہ یہ تھا

کہ فاضل سرمایہ کو داخلی ترقیاتی منصوبوں پر خرچ کیا جائے۔ ایک روائتی ڈیماکریٹ ہونے کے باعث کلیولینڈ کو یہ طریقہ ناپسند تھا۔ چنانچہ اس نے فیصلہ کیا کہ فاضل سرمایہ کو کم کرنے کا سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ صنعتی تحفظ کی خاطر عائد کردہ محصولات کی شرح میں نمایاں کمی کر دی جائے۔ جو صنعتکاروں کے حسب منشا تھا۔

اپنی تمام تر کوششوں کے باوجود کلیو لینڈ نہ صرف محصولات میں کمی کرانے میں ناکام رہا بلکہ اس تنازعہ کے باعث اسے ۱۸۸۸ء کے انتخابات میں صدارت سے بھی ہاتھ دھونا پڑا۔ اسکی یہ دلیل کہ محصولات کی زیادہ شرح کے باعث ملکی مصنوعات کی قیمتوں میں غیر معمولی اضافہ ہو گیا ہے اور اس طرح امریکی عوام کو مزید بوجھ برداشت کرنا پڑ رہا ہے، ریپبلکن کی اس دلیل سے رد کر دی گئی کہ عوام کی آمدنی اور روزگار میں اضافے کا باعث یہی زیادہ محصولات ہیں کیونکہ ان کے ذریعہ ملکی مصنوعات کو غیر ملکی مقابلوں سے تحفظ حاصل ہوتا ہے اور اس طرح ملکی صنعتیں اپنی پوری صلاحیت کے ساتھ کام کرتی ہیں۔ اگرچہ ۱۸۸۸ء میں کلیو لینڈ سب سے زیادہ مقبول قرار دیا گیا لیکن اس سے زیادہ اہمیت کے وہ ووٹر تھے جنکی اکثریت نے ریپبلکن پارٹی کے نمائندہ بنجمن ہیریسن کے حق میں ووٹ دئے جو صدر ولیم ہنری ہیریسن کا پوتا تھا۔

دوبارہ اقتدار سنبھالنے کے بعد ریپبلکن نے محصولات کی شرح میں مزید اضافہ کر دیا اور اس طرح حاصل کردہ فاضل رقم کو جنگی پنشنوں، عوامی منصوبوں اور بحریہ کو طاقتور بنانے میں صرف کیا۔ مگر یہ اقدامات بھی ملک کی اقتصادی خوشحالی میں ایک نئے سرد بازاری کے رجحان کو دبانے میں ناکام رہے جو سونے کے ذخائر میں کمی پیدا ہونے کے باعث نمودار ہوا تھا اور جس پر ملکی سکے کے استحکام کا انحصار تھا۔ چنانچہ ۱۸۹۳ء میں جبکہ بینک فیل ہو رہے تھے، کارپوریشن کے اسٹاک کی قیمتیں گر رہی تھیں اور رہن پر قرض دینے والے ادارے بند ہو رہے تھے عوام نے ایک مرتبہ پھر گروور کلیو لینڈ کی طرف توجہ کی۔

ان انتخابات کی ایک قابلِ ذکر بات یہ تھی کہ ایک تیسری جماعت بھی میدانِ سیاست

میں کو وٹری اور انتخابات میں دس لاکھ سے زیادہ ووٹ حاصل کر کے رپبلکن اور ڈیماکریٹس دونوں پارٹیوں کو خوفزدہ کر دیا۔ یہ پارٹی موجودہ حالات سے غیر مطمئن افراد، مغربی کاشتکاروں اور قرضداروں پر مشتمل تھی اور اپنے آپ کو عوامی پارٹی یا 'پاپولسٹ' کے نام سے منسوب کرتی تھی۔ لوا کے جنرل جیمس بی۔ ویور کے زیر قیادت اس پارٹی کے انتخابی منشور میں آزاد چاندی، قومی بینک کے طریق کار پر نظر ثانی اور ریلوے کمپنیوں اور دوسرے عوامی مفاد کے اداروں پر حکومت کا کنٹرول شامل تھا۔ اس پارٹی کو چار ریاستوں کنساز، اداہو کالوریڈو اور نیوادا میں کامیابی حاصل ہوئی۔ اس پارٹی نے دعویٰ کیا کہ اکثریت رکھنے والی کوئی بھی پارٹی عوام کے خواہشات کی صحیح ترجمانی نہیں کرتی ہے۔

۱۸۹۲-۹۶ء کے دوران صدر کلیو لینڈ نے قوم کو ایک مرتبہ پھر خوش حالی اور فارغ البالی کے اسی معیار پر لانے کی مردانہ وار جد وجہد کی جس پر وہ چند سال قبل تھی۔ وال اسٹریٹ کے کسی فرد سے رعایت سلوک نہ کرتے ہوئے بھی صدر نے جے۔ پی۔ مارگن اور دوسرے بینکاروں کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ تھوڑے منافع پر سرکاری ہنڈیوں کے عوض حکومت کے خزانے کو سونا مہیا کریں۔ اس تجارتی سودے پر پاپولسٹ پارٹی اور ڈیماکریٹس ممبروں کی ایک کثیر تعداد نے کلیو لینڈ سے اپنی ناراضگی کا اظہار کیا اور صدر پر الزام لگایا کہ وہ وال اسٹریٹ کا آلہ کار ہے اور ان کے ہاتھ میں کھیل رہا ہے۔

ملک کے مزدور اور کاشتکار طبقہ کی نظر میں جو سیاسی طور پر زیادہ سمجھدار ہوتا جا رہا تھا۔ حکومت کے اس اقدام کا مقصد سادہ دل عوام کے مفادات کو کچل کر ٹرسٹ اور کارپوریشن کو مزید فائدہ پہونچانا تھا۔

وفاقی عدالتوں کے بہت سے فیصلوں کے باعث اس طبقہ کے شبہات کو مزید تقویت پہونچی۔ مثال کے طور پر یہ فیصلہ کیا گیا کہ چودھویں ترمیمی آئین کے تحت، جس میں ریاستی حکومتوں سے کہا گیا تھا کہ وہ کسی بھی فرد کی جان، مال اور آزادی کو غیر قانونی نقصان نہیں

پہونچا سکتیں، کارپوریشن کو بھی ایک فرد تصور کیا جائے۔ اس طرح کوئی بھی ریاستی حکومت وفاقی حکومت کی اجازت کے بغیر ان کارپوریشنوں کی کارکردگی میں دخل نہیں دے سکتی تھی۔ چنانچہ حکومت کے مخالفین نے یہ دعویٰ کیا کہ اس اقدام کے ذریعہ کارپوریشنوں کو لامحدود اختیارات حاصل ہو گئے۔ کیونکہ وفاقی حکومت نے کسی موقع پر بھی ان کارپوریشنوں کے اختیارات کو کنٹرول کرنے کی سنجیدہ کوشش نہیں کی تھی۔

۱۸۹۶ء کے الیکشن میں یہ تنازع نقطۂ عروج پر پہونچ چکے تھے۔ بظاہر کلیولینڈ اور دوسرے اعتدال پسند ڈیماکریٹس ملک کو اقتصادی طور پر دیوالیہ ہونے سے بچانے میں ناکام ہو گئے تھے۔ سینٹ لوئیس کے اجتماع میں ریپبلکن نے اپنے مخالفین کے ریکارڈ کو فخریہ طور پر پیش کیا اور اوہیو کے گورنر ولیم میک کنیلے کو اپنا امیدوار نامزد کرتے ہوئے صدارتی منشور کا اعلان کیا۔ جس میں صرف سونے کے متبادل اور مستحکم سکہ کی اس وقت تک ضمانت دی گئی۔ جبتک حالات موافق نہ ہو جائیں۔ انہوں نے الزام لگایا کہ سستی چاندی کی بدولت ملکی سکہ کے معیار اور قومی اور بیرونی قرضوں کی ساکھ کو شدید نقصان پہونچا ہے جسکی بدولت تجارت کو مناسب طور پر جاری رکھنا محال ہو گیا ہے۔ ریپبلکن پارٹی نے دعویٰ کیا کہ اگر ایک مرتبہ حالات درست ہو جائیں تو ملک ترقی اور خوشحالی کے راستہ پر ایک مرتبہ پھر گامزن ہو جائیگا۔

ڈیماکریٹس نے شکاگو میں اجتماع کیا اور ہنگامہ خیز اور اشتعال انگیز کارروائیوں کے دوران نہ صرف کلیولینڈ انتظامیہ کی مذمت کی بلکہ سونے کے معیار کو برقرار رکھنے کی پالیسی کو بھی رد کر دیا۔ اس اجتماع نے ایک ایسے پروگرام کی منظوری دیدی جس کے تحت ایک اور سولہ کی نسبت سے غیر محدود تعداد میں چاندی کے سکّے جاری کرنا شامل تھا۔ یکے بعد دیگرے مندوبین نے وال اسٹریٹ کی کارپوریشنوں اور ٹرسٹوں کے خلاف زہرافشانی کی جو بقول

انکے عوام ، چھوٹے دوکانداروں، کاشتکاروں اور مزدوروں کو پیسے ڈال رہے تھے بڑے بڑے مفاد پرست عناصر کے خلاف اظہار رائے کرنیوالے ان افراد میں نبراسکا کے کانگریس مین چھتیس سالہ ولیم جیننگ برائن کو نمایاں حیثیت حاصل تھی جسکے زبردست جوش اور بہترین قوت تقریر نے اس کی کم عمری اور ناتجربہ کاری پر پردہ ڈالدیا تھا۔ ایک زبردست اور دل ہلا دینے والی تقریر میں جسکے باعث اسے صدارتی امیدوار نامزد کر لیا گیا، برائین نے اپنے ریپبلکن مخالفوں کو آگاہ کرتے ہوئے کہا آپ لوگ مزدوروں کے سر پر کانٹوں کا تاج ہرگز نہیں رکھ سکتے نہ ہی آپ لوگ سونے کی صلیب پر پوری انسانیت کی بھینٹ چڑھا سکتے ہیں۔

ان اجتماعات کے بعد صدارتی مہم کا جو سلسلہ شروع ہوا وہ امریکی تاریخ میں سب سے زیادہ ہنگامہ خیز اور شدید ثابت ہوا۔ جلد ہی پاپولسٹ پارٹی نے ڈیماکریٹس کیساتھ اشتراک کر لیا اور جنوب نے متفقہ طور پر اپنے ووٹ ڈیماکریٹس کے حق میں دینے کا فیصلہ کیا۔ برائین نے اپنی تقریروں سے سارے ملک میں آگ لگادی اور مقرر کی حیثیت سے نمایاں طور پر مقبولیت حاصل کی۔

برائین کی اس سحر انگیزی کو توڑنے کے لئے ریپبلکن نے سر دھڑ کی بازی لگادی اور اس مہم میں کروڑوں ڈالر کی رقم صرف کردی کیونکہ یہ ان کے لئے ایک ایسا مقابلہ تھا جسے وہ کسی قیمت پر بھی ہارنا نہیں چاہتے تھے۔ میک کنلے ایک خوش مزاج، قابل اور تجربہ کار شخص تھا جسے ایک بڑے تاجر مارک ہنا (مارک ڈالر) کی پشت پناہی حاصل تھی۔ صدارتی مہم کے آخری ہفتہ کے دوران اس تاجر نے اٹھارہ ہزار مقررین کو کرایہ پر حاصل کیا جنہوں نے ملک کے گوشے گوشے میں تقریریں کر کے عوام کو برائین کے ذریعہ پیش آنیوالے خطرات سے آگاہ کیا۔

انتخاب کے دن ایک کروڑ تیس لاکھ سے زیادہ ووٹر اپنے ووٹ ڈالنے پہونچے۔ ساٹھ لاکھ کے مقابلے میں ستر لاکھ ووٹ حاصل کر کے میک کنلے نے فتح حاصل کی۔ یہ ایک یادگار جدوجہد تھی جس میں شدید انتخابی جنگ لڑی گئی اور آخر وقت تک برابر کا مقابلہ رہا۔

مشرق نے اطمینان کی سانس لی اور اپنی فیکٹریوں اور اسٹوروں میں دوبارہ اپنے کاموں میں منہمک ہو گئے۔ مغرب نے مایوسی سے اپنے کندھوں کو جنبش دی اور دوبارہ کاشتکاری کی طرف متوجہ ہو گئے۔ اس کے باوجود ۱۸۹۶ء کی اس مہم کو کبھی بھی فراموش نہیں کیا گیا۔

حکومت کے ماضی کے اقدامات کے خلاف مخالف جماعت کے احتجاج نے اپنا شدید اثر دکھایا ایسا اثر جسے کامیاب جماعت نظر انداز کرنے کی ہمت نہیں کر سکتی تھی۔ جیسے جیسے امریکی جمہوری نظام اپنے موجودہ قالب میں ڈھلتا گیا عوام کی آواز دبنے کے بجائے ابھرتی گئی اور برسر اقتدار طبقہ میں زیادہ سے زیادہ اہمیت اختیار کر لی گئی۔

ختم

آٹھواں باب

امریکہ دُنیا کی بڑی طاقت کی حیثیت سے

۱۸۹۰ء میں امریکی سڑکوں پر کل پرزوں پر مشتمل ایک نئی مشین دوڑ رہی تھی جسے بغیر گھوڑے کی گاڑی کہا جاتا تھا اور جس کو دیکھ کر نہ صرف انسان ششدر رہ گئے بلکہ گھوڑے بھی خوف سے ہنہنانے لگے۔ یہ مشین دیکھنے میں بھدی اور انتہائی سُست رفتار تھی اور صرف ایسے چند امراء کی تفریح کا ذریعہ خیال کی جاتی تھی جو اسے خریدنے کی استطاعت رکھتے تھے۔ اُس وقت کسی شخص کے خواب و خیال میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ آئندہ چند سالوں میں ہی مشین خوبصورت شیشے کی موٹر کاروں کی شکل میں لاکھوں کی تعداد میں کارخانوں میں تیار ہونے لگے گی، ہر چار امریکی شہریوں میں سے ایک کے پاس موٹر ہو گی، پورے برِاعظم میں سڑکوں کے جال بچھ جائیں گے، دور دراز کے ناقابل رسا علاقوں میں بڑے بڑے شہر جنم لیں گے اور دور سے دور رہنے والا دیہاتی کسان بھی موٹر کے باعث شہر سے صرف چند گھنٹوں کے مقابلے پر ہو گا۔ امریکی قوم اب مشینی دور میں داخل ہو رہی تھی۔

نئی صدی کے آغاز کے ساتھ ساتھ بہت سی نئی اور حیرت انگیز ایجادوں کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔ شمالی کیرولینا کے مقام کٹی ہاک میں رائٹ بھائیوں نے ایک عجیب و غریب مشین کے ذریعہ جسے بعد میں ہوائی جہاز کہا گیا، زمین سے بلند ہو کر فضا میں پرواز کی اور اس طرح ہزاروں

برس پرانی انسانی خواہش کو تکمیل کا جامہ پہنایا۔ اس ایجاد کے چند برس بعد ہی یہ ہوائی جہاز جنگ میں گرفتار تباہ حال یورپی ممالک کی فضاؤں میں ایک دوسرے سے نبرد آزما تھے۔ جنگ کے خاتمے کے بعد ہی ہوائی جہاز سمندروں کی وسعتوں کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے مسافروں کو دنیا کے ایک خطے سے دوسرے خطے تک پہونچا کر انسانی خدمت کر رہے تھے۔

ایک نوجوان اطالوی سائنسداں "گگ لِلمو مارکونی" نے بحر اوقیانوس کو پار کر کے یورپ سے امریکہ تک بے تار کے پیغام رسانی کی اور اس طرح ریڈیو کی ایجاد ہوئی تھامس ایڈیسن نے ایک ایسے طریقے کی تکمیل کی جس کے ذریعہ بہت تیز رفتاری کے ساتھ تصاویر کھینچی جا سکتی تھیں اور اس طرح اسنے متحرک فلموں کی ایجاد اپنی قوم اور دنیا کے سامنے پیش کی۔ لفٹ ایجاد کئے گئے جس کی بدولت بڑے شہروں میں کئی کئی منزلہ عمارتوں کی تعمیر کا سلسلہ شروع ہو گیا جنھیں اسکائی کریپر کہتے ہیں۔ یہ اور اس طرح کی بہت سی امریکی اور غیر امریکی ایجادوں نے ۱۸۶۵ء کے بعد ملک کو ترقی دے کر جدید طرز کا بنا دیا۔ اور اس کو وہ شکل دیدی جو ہمکو آج نظر آتی ہے۔

ریاستہائے متحدہ امریکہ کا ترقی کر کے دُنیا کی بڑی طاقتوں میں شامل ہو جانا ایک فوری مگر ناگزیر تبدیلی تھی۔ امریکی عوام بےچین فطرت کے مالک ہیں۔ ترقی کی راہوں پر مسلسل گامزن رہنے کی فطرت کا باعث غالباً انکی وہ کاوشیں ہیں جو انہوں نے شمال امریکہ کے وسیع علاقوں کو آباد کرتے اور انہیں پیداواری علاقوں میں تبدیل کرنے کے سلسلے میں کیں۔ ۱۸۹۰ء سے قبل ہی جبکہ مغربی تجارتی منڈیاں انکے لئے بند ہو گئی تھیں، ان کی اس جبلی فطرت نے انہیں مجبور کر دیا تھا کہ وہ اپنی سرحدوں کو عبور کر کے دور دراز علاقوں میں نئی منڈیاں تلاش کریں۔ مثال کے طور پر ۱۸۵۳ء میں ہی انہوں نے جاپان کے ساتھ تجارت شروع کر کے اسے دُنیا کی تجارتی منڈیوں سے روشناس کرا دیا۔ اس کے علاوہ اصول منرو، پر عمل کرتے ہوئے مغربی نصف کرہ میں واقع ہمسایہ ممالک کی حفاظت کی ذمہ داری اپنے

سر لے لی۔

گذشتہ صدی کے آخری سالوں میں یورپ کے بڑے بڑے ممالک عالمی تجارتی منڈی میں ایک دوسرے سے بازی لیجانیکی کوشش کر رہے تھے۔ چنانچہ تجارت کی اس دوڑ میں امریکہ بھی شامل ہوگیا۔ دوسرے یورپی ممالک کے برعکس امریکہ کو ایسے علاقوں کی جستجو نہیں تھی جنکو وہ اپنی نوآبادیاں بنائے۔ یہاں تک کہ اس کو ایسے جزیروں کی بھی خواہش نہیں تھی جہاں وہ ایندھن کا ذخیرہ رکھ سکے تاکہ امریکہ اور یورپ کے درمیان چلنے والے تجارتی جہاز راستے کے لئے ایندھن لے سکیں۔ اس کے ساتھ ہی کیریبین سی میں بڑھتے ہوئے بیرونی اقتدار کی طرف سے امریکہ کے تردد میں اضافہ ہوتا جارہا تھا جہاں فرانس خاکنائے پانامہ میں ایک نہر کھود کر بحر اوقیانوس اور بحر الکاہل کو ملا دینے کے منصوبے بنا رہا تھا۔

عالمی سیاست میں اپنے ملک کی حیثیت کا احساس کرتے ہوئے امریکی عوام کے ذہنوں میں یہ سوال بار بار ابھر رہا تھا "کیا یورپ ہمارے نصف کرہ اور بحر الکاہل میں اپنے اقتدار کو وسعت دیتا رہے اور ہم خاموش تماشائی کی حثیت سے یورپ کے اس بڑھتے ہوئے اثر کو دیکھتے رہیں؟ اپنے مندروں کو ایسی بیرونی عسکری قوتوں کے سپرد کرنے کے بعد، جو کسی دن بھی ہماری دشمن بن سکتی ہیں، کیا ہم اپنے آپ کو محفوظ سمجھ سکتے ہیں؟"

اسپینی حکومت کے اقدامات کے باعث جو اپنی عمر کے آخری دور میں داخل ہوکر کمزور اور شکستہ ہوچکی تھی، ان سوالات نے غیر معمولی اہمیت اختیار کر لی۔ اسپین اسوقت تک کیوبا پر قابض تھا جو جزائر غرب الہند کا سب سے بڑا اور سب سے زیادہ دولتمند جزیرہ تھا اور فلوریڈا سے ۹۰ میل کے فاصلے پر واقع تھا۔ ۱۸۹۵ء میں اس جزیرہ میں چند واقعات کا ایسا سلسلہ پیش آیا جس نے دیکھتے ہی دیکھتے امریکہ کو دنیا کی عظیم طاقت بنا دیا۔

اسپینی دورِ حکومت بہت سخت تھا اور وہاں کے عوام پر غیر ضروری زیادتیاں روا رکھی جارہی تھیں۔ ان مظالم سے عاجز آکر وہاں کے عوام نے مسلح بغاوت کر دی۔ دو لاکھ افراد پر

مشتمل اسپینی باشندوں کی فوج نے حکومت پر حملہ بولدیا اور دونوں طرف سے سخت گھمسان کی جنگ کا آغاز ہو گیا۔ اس اچانک ہنگاموں کے باعث امریکی کاشتکاروں کی ایک کثیر تعداد لڑائی کے علاقوں میں محصور ہو گئی اور انکی جانوں کو خطرہ پیدا ہو گیا۔

مالی اور اخلاقی وجوہات کے باعث صدر میک کنلے نے اس خونریزی کو روکنے کی انتہائی کوشش کی مگر اسپینی حکومت نے واضح الفاظ میں انتباہ کر دیا کہ امریکہ کو اپنے کام سے کام رکھنا چاہئے۔ اس بات سے امریکی عوام میں اسپین کے خلاف غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی۔ ایک نئی قسم کی صحافت نے جو "زرد پریس" کے نام سے مشہور تھی اور جس کا انحصار صرف سنسنی خیز خبروں پر تھا" امریکی عوام کے ان جذبات کو اور ہوا دی۔ چنانچہ جس وقت اخباروں میں یہ خبر شائع ہوئی کہ امریکی جنگی جہاز "مین" بندرگاہ ہوانا پر تباہ ہو گیا جس کے ساتھ امریکی بحریہ کے دوسو ساٹھ ملاح اپنی جانیں گنوا بیٹھے تو سارا ملک بپھر گیا اور اسپین سے جنگ کرنے کا متفقہ مطالبہ کرنے لگا۔ یہ جہاز کس طرح تباہ ہوا اور کس نے تباہ کیا۔ یا کوئی اتفاقی اندرونی حادثہ اس کی تباہی کا باعث بنا۔ یہ ایک ایسا راز ہے جو اب تک حل نہ ہو سکا۔

آخری لمحات میں اسپین نے امریکہ سے ٹکراؤ کو روکنے کی کوشش میں کیوبا میں جنگ جنگ بندی سے متعلق تمام امریکی مطالبات مان لینے پر اپنی آمادگی ظاہر کی مگر اسپین کی اس پیش کش کو نظر انداز کر دیا گیا اور "مین کا حشر یاد رکھو" کے نعرے لگاتے ہوئے امریکی عوام اسپین کے خلاف جہاد میں کود پڑے تاکہ کیوبا کے عوام کو انکے آقاؤں کے ظلم و ستم سے نجات دلا کر ان کو آزادی سے روشناس کرائیں۔

۱۸۹۸ء کی امریکی اسپینی جنگ حیرت انگیز طور پر کم مدت میں اور یک طرفہ طور پر ختم ہو گئی۔ پہلی جھڑپ میں ایڈمرل جارج ڈیوی کی کمان میں امریکی بحریہ کے جہازوں کا ایک بیڑہ برطانوی بحری اڈے ہانگ کانگ سے روانہ ہوا۔ اور اسپینی حکومت کے زیر اقتدار جزائر فلپائن کی طرف اپنا رخ کیا۔ اس بیڑے نے اپنا ایک بھی جانی نقصان کئے بغیر منیلا

کی بندرگاہ میں اسپینی بحری بیڑہ کو مکمل طور پر تباہ کر دیا۔ اب فلپائن کے باشندے بے یار و مددگار، امریکی توپوں کی زد میں تھے اور امریکی فوجوں کی جزیرے پر پیش قدمی کے منتظر تھے۔

ادھر دوسری طرف مغربی محاذ پر امریکی فوجی دستے کیوبا میں داخل ہو گئے اور یکے بعد دیگرے کئی جھڑپوں کے بعد اسپینی افواج کو شکست دیدی۔ 'سان جوان ہل' کے مقام پر نیویارک کے ایک نوجوان اولوالعزم سیاست داں کرنل تھیوڈور روزویلٹ نے اپنے مشہور دستے 'رف رائیڈرز' کی مدد سے دشمن پر ایک بھرپور اور کامیاب حملہ کیا۔ اس کے چند ہی ہفتہ بعد کیوبا کے مقام 'سانٹیاگو' کے قریب امریکی بحریہ نے ایک اور اسپینی بیڑے کو مکمل طور پر تباہ کر دیا جس کے ساتھ ہی اسپینیوں کی قوت مدافعت جواب دے گئی اور انہوں نے ہتھیار ڈال دیے۔ اس جنگ میں صرف ۳ ماہ کی مدت صرف ہوئی اور اس مدت میں نہ صرف جزائر غرب الہند امریکی اقتدار تلے آ گئے بلکہ مشرق بعید میں منیلا پر بھی ستاروں اور پٹیوں کے پرچم لہرانے لگے۔

اب صلح کی میز پر امریکی حکومت کو نہایت اہم فیصلہ طلب مسئلہ یہ تھا کہ آیا امریکہ اسپین کو کیوبا کے علاوہ سارے مفتوحہ علاقے واپس کر دے یا دوسری سامراجی طاقتوں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ان علاقوں کو اپنی نوآبادیوں میں شامل کر لے۔ اس مسئلہ پر بڑی گرما گرم بحثیں ہوئیں۔ بہت سے امریکی باشندوں کا خیال تھا کہ دور دراز کے ایسے علاقوں پر قبضہ کر کے جو نہ آزاد ہو سکتے ہیں اور نہ ہی امریکی ریاستوں میں شامل کئے جا سکتے ہیں، امریکی حکومت اپنے بنیادی اصولوں کی خلاف ورزی کرے گی۔ اس کے برعکس چند کا نظریہ تھا کہ دنیا کی بڑی طاقت ہونے کی حیثیت سے یہ ناگزیر ہو گیا ہے کہ وہ اپنے زیر اقتدار علاقوں کو وسعت دے اور اپنی نوآبادیوں میں اضافہ کرے۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی انسانیت سے بعید تھی کہ مفتوحہ علاقوں کے ان مقامی باشندوں کو دوبارہ اسپین کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا جائے۔ صدر میک کنلے نے فیصلہ کیا کہ وہ ان نوآبادیوں کو اسپین کے حوالے نہیں کرے گا۔

اس فیصلہ کے نتیجہ میں اسپین پورٹو ریکو، گوائم اور فلپائن سے ریاستہائے متحدہ کے

حق میں دستبردار ہونے پر مجبور ہو گیا۔ اور سنہ ۱۹۰۱ء میں پلاٹ ترمیم' کے ذریعہ کیوبا امریکہ کے زیر حفاظت ایک آزاد جمہوریہ قرار دیدیا گیا۔ اس کے علاوہ امریکہ نے ہوائی پر قبضہ کر لیا جہاں امریکی تاجر اور عیسائی مشنیریاں بہت پہلے سے آباد ہو چکے تھے اور سنہ ۱۹۰۰ء میں اس علاقہ کو اپنی قلمرو میں شامل کر لیا۔

امریکہ کی نئی سلطنت میں فلپائین ہر لحاظ سے سب سے بڑی نو آبادی تھی جو چھتر لاکھ نفوس پر مشتمل تھی۔ اپنے لیڈر' ایمیلیو اگیو نالڈو' کے زیر قیادت فلپائن کے باشندوں نے اسپین کے ساتھ اپنی آزادی کی جنگ لڑی تھی۔ چنانچہ اسپین کے زوال کے بعد ان باشندوں نے اپنی سرگرمیاں اپنے نئے آقاؤں کی طرف منتقل کر دیں اور اس طرح ایک طویل جنگ کا سلسلہ شروع ہو گیا جس میں پہاڑوں اور جنگلوں کی خوفناک گوریلا جنگ بھی شامل تھی۔ اس صورت حال سے نپٹنے کے لئے امریکہ کو پچاس ہزار سے زائد فوج ان جزیروں میں روانہ کرنا پڑی جسکی مدد سے آخر کار فلپائن باشندوں کی بغاوت کو کچل دیا گیا۔

مزید براں چین کی گڑبڑ میں بھی امریکی حکومت نے جلد ہی اپنے آپ کو ایک فریق کی حیثیت سے مداخلت کرنیکی ضرورت محسوس کی۔ مغربی طاقتوں نے تجارتی مفاد کی خاطر اس بد قسمت قوم کو اپنے حلقہ اثر کے مختلف علاقوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ یورپی ممالک کے اس اقدام سے مشتعل ہو کر چینی عوام پر مشتمل ایک گروہ نے 'جو' باکسر' کہلاتا تھا' ان بدیسی لوگوں کو جان سے مار ڈالنے یا ملک بدر کر دینے کی کوشش کی۔ سنہ ۱۹۰۰ء میں باکسر کی اس بغاوت میں چینیوں نے پیکنگ کے برطانوی سفارت خانے پر حملہ کر دیا مگر بین الاقوامی فوج نے' جس میں پیکنگ کی امریکی فوج بھی شامل تھی' اس گروہ کو مار بھگایا۔ اس کے باوجود دوسری بیرونی طاقتوں کے مقابلے میں ریاستہائے متحدہ چینیوں کا بہتر دوست ثابت ہوا کیونکہ جس وقت چینی حکومت کو مجبور کر کے اس سے اس بات کا ہرجانہ طلب کیا گیا کہ اس نے باکسر کے اس گروہ کو بغاوت پر اکسایا تھا' تو امریکی حکومت نے اپنے حصے کی کل رقم ان چینی طالبعلموں پر صرف کر دی جو امریکی

کالجوں میں تعلیم پا رہے تھے۔ اسکے علاوہ امریکہ نے اپنا اثر استعمال کرکے بیرونی طاقتوں کو زیادہ کشادہ پالیسی اختیار کرنے پر رضامند کرلیا۔ اس پالیسی کے تحت چینی علاقے کو مختلف حلقۂ اثر میں تقسیم کرنا بند کردیا گیا اور چینی حکومت کو انتظامیہ اور اس کے زیر اقتدار علاقوں کا احترام لازمی قرار دیدیا گیا۔

داخلی طور پر ۱۹۰۰ء میں ترقی کے ہر میدان میں کامیابی امریکہ کے قدم چوم رہی تھی۔ کوئلہ، لوہا اور غلے کی پیداوار میں غیر معمولی اضافہ ہو رہا تھا۔ ملک کی برآمد درآمد کے مقابلے میں کئی گنا بڑھ گئی تھی اور الاسکا میں کثیر تعداد میں سونے کے ذخائر کی دریافت نے امریکی سکے کو اور بھی مستحکم کردیا۔ ان حالات کے تحت صدر میک کنلے کو "ولیم جینیگز بریان" کے مقابلے میں جو اس مرتبہ بھی ڈیماکریٹس کا امیدوار تھا، دوسری میعاد کے لئے دوبارہ منتخب ہوجانے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔ اعلیٰ پیمانے پر ہونیوالی تجارت کے باعث امریکی قوم بڑی تیزی سے ترقی کے منازل طے کرتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی۔

۱۹۰۰ء میں صدر میک کنلے کا نائب تھیوڈور روزویلٹ تھا۔ روزویلٹ "سان جان ہل" کا جنگی ہیرو اور امریکی تاریخ کی ایک زبردست شخصیت تھی۔ ٹیڈی روزویلٹ ایک کھاتے پیتے گھرانے میں پیدا ہوا، ہارورڈ یونیورسٹی سے گریجویٹ کیا اور اپنی گرتی ہوئی صحت کو بحال کرنے کیلئے کئی برس امریکی کاؤبوائے کی حیثیت سے گزارے۔ امریکی اسپینی جنگ کے خاتمے کے بعد وہ نیویارک کا گورنر منتخب ہوگیا۔ گورنر کی حیثیت سے اسکی ایمانداری اور اصلاحات کے باعث اسکے ریپبلکن ساتھی اس سے ناخوش ہوگئے اور انہوں نے اس کو اپنے درمیان سے ہٹا کر نائب صدر بنانے کی کامیاب کوشش کی۔ ان کے خیال میں اس حیثیت سے وہ ان کو مزید نقصان نہیں پہونچا سکتا تھا۔

جلد ہی صورت حال میں نمایاں تبدیلی پیش آئی۔ میک کنلے کی صدارت کی دوسری

میعاد کے ابھی صرف چھ ماہ ہی گزرے تھے کہ کسی قاتل کی گولی نے اس کو ہمیشہ کیلئے خاموش کردیا۔ اور اس طرح ۴۲ سالہ روز ویلٹ نے عہدۂ صدارت سنبھالکر ملک کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے لی۔ روز ویلٹ ایک عملی انسان تھا۔ چنانچہ اس نے بڑی تجارتوں میں باقاعدگی پیدا کرنے کے لئے اقدامات کئے۔ ایک مضبوط خارجہ پالیسی بنائی اور مغربی علاقے کی اس زمین کے تحفظ اور اسے دوبارہ قابلِ کاشت بنانے کے لئے مختلف اقدامات کئے جس کے بنجر ہو جانیکا اندیشہ پیدا ہو گیا تھا۔ اس قسم کے نئے اقدامات کا مقصد معاشرے کے ہر طبقے کے افراد کو فائدہ پہونچانا تھا۔ چنانچہ ان اقدامات کو 'منصفانہ سودا' کا نام دیا گیا۔

روز ویلٹ اوقاف اور کارپوریشن کا مخالف نہیں تھا۔ اس کے برعکس اس کا خیال تھا کہ یہ امریکی سرمایہ دارانہ نظام کا ایک لازمی اور قدرتی حصہ ہیں۔ اس نے جن لوگوں کی خاص طور سے سرکوبی کی ان میں قانون کو توڑنے والے اور اپنی دولت کے بل بوتے پر قانون کا مذاق اڑانے والے دولتمند شامل تھے جو اپنا مقصد نکالنے کے لئے رشوتوں اور دھوکوں کا سہارا لیتے تھے اور اس طرح عوام کے مفاد کے خلاف کام کرتے تھے۔

روز ویلٹ کے عہدہ صدارت سنبھالتے ہی یہ بات واضح ہو گئی کہ اسکے دل میں قوم کی خدمت کا صحیح جذبہ ہے۔ ۱۸۹۰ء میں کانگریس نے ایک بل پاس کیا تھا جس کا نام 'امتناع اتحاد تجارت ایکٹ' تھا۔ اس ایکٹ کے تحت تجارت میں گروپ بندی خلاف قانون قرار دیدی گئی تھی۔ بجائے اس کے کہ اس ایکٹ کے ذریعہ مختلف تاجروں کی گروپ بندی کو روکا جاتا، شرمن ایکٹ نچلے طبقہ کے افراد کو دبانے کیلئے استعمال کیا جانے لگا کیونکہ اس ایکٹ کے معنی یہ لئے گئے کہ مزدور کو ہڑتال کرنیکا کوئی حق نہیں ہے۔ تاہم روز ویلٹ نے اسکی تشریح مختلف کی۔

جس وقت 'شمالی بحرالکاہل' اور 'عظیم شمالی ریلوے' نے آپس میں ملکر ایک مشترکہ بورڈ بنایا جس کے ذریعہ مغربی علاقے کی بیشتر ریلوے لائینیں ایک انتظامیہ کے زیرِ انتظام

آگئیں، تو روزویلٹ نے شرمن ایکٹ کا سہارا لیکر ریلوے انتظامیہ کے خلاف عدالت میں مقدمہ دائر کر دیا تاکہ اس اجارہ داری کو توڑا جا سکے۔ اس مقدمے کا فیصلہ حکومت کے حق میں ہوا جس جس سے عوام میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور اس طرح پہلی مرتبہ شرمن ایکٹ پہ صحیح معنوں میں عمل کیا گیا۔

۱۹۰۲ء کے موسم گرما میں کوئلے کے کانکنوں نے بہتر ماحول اور مزید سہولتیں حاصل کرنے کے لئے ہڑتال کر دی اور کان کے مالکوں نے ثالث کا فیصلہ ماننے سے انکار کر دیا۔ جیسے جیسے سردی کا موسم آتا گیا، کوئلے کی فراہمی کم ہوتی گئی جس کے نتیجے میں کوئلے کی قیمتیں بڑھنے لگیں اور عوام سردی سے ٹھٹھرنے لگے۔ چنانچہ روزویلٹ نے پھر مداخلت کی اور کان کے مالکوں کو دھمکی دی کہ اگر انہوں نے مزدور یونین سے اپنے اختلافات طے کرنے کیلئے غیر جانبدار ثالث کا فیصلہ نہ مانا تو حکومت وفاقی فوج کی مدد سے کان کنی کا کام شروع کروا دیگی۔ آخر کار کان کنی کے مالکوں کو حکومت کی دھمکی سے مرعوب ہونا پڑا۔ کانوں میں دوبارہ کام شروع ہو گیا اور ثالثی کمیشن نے مزدوروں کی تنخواہوں میں دس فیصدی اضافے کا فیصلہ دیدیا۔

مغربی علاقے میں روزویلٹ نے ایک مرتبہ پھر ذاتی مفاد رکھنے والوں کے خلاف کارروائی کی اس نے عوامی زمینوں کے بڑے بڑے قطعات بیچنے کی مخالفت کر دی اور انہیں سرکاری تحویل میں لے لیا۔ یہ ایک ایسا اقدام تھا جسکی فارم کے مالکوں اور لکڑی کے تاجروں نے بڑی مخالفت کی۔ اس اقدام کی ضرورت اس لئے پیش آئی تاکہ ملک کے قدرتی وسائل کو ان مفاد پرست عناصر کے ہاتھ سے بچایا جا سکے جنہوں نے نہ صرف بڑے بڑے جنگلات کو کاٹ کر چٹیل میدانوں میں تبدیل کر دیا تھا بلکہ مویشیوں کی بڑی بڑی چراگاہوں کو بھی برباد کر دیا تھا۔ اسکے ساتھ روزویلٹ نے بیشمار بند تعمیر کروائے اور آبپاشی کے نئے نئے منصوبے بنائے تاکہ بیکار اور بنجر زمین کو دوبارہ قابلِ کاشت بنایا جا سکے۔

روزویلٹ نے جس طرح خانگی مسائل کو حل کرنے کی خاطر پوری سنجیدگی اور مستعدی

سے اقدامات کئے اسی طرح خارجی پالیسیوں کی طرف بھی اپنی پوری توجہ مرکوز کی۔ غیر سامراجی طاقتوں نے روزویلٹ کے ان اقدامات کو جلد بازی اور خلاف مصلحت کا نام دیا۔ ان طاقتوں نے اس کے اس اصول کو کہ "بات نرمی سے کرو مگر عمل میں سختی برتو" اس کی دوہری شخصیت کی ایک مثال سے تعبیر کیا۔ ان سب باتوں کے باوجود روزویلٹ دُنیا کی ممتاز شخصیت بنگیا اور بیرونی ممالک میں اس کی شہرت اور اثر ورسوخ بے انتہا بڑھ گیا۔

ریاستہائے متحدہ امریکہ کا مفاد اب بحرالکاہل کے اس پار کے ملکوں میں پھیلتا جارہا تھا۔ چنانچہ اب ایسی نہر کی ضرورت شدت سے محسوس کی جانے لگی جو بحرالکاہل اور بحر اوقیانوس کو ایک دوسرے سے ملادے۔ ایسی خاکنائے بنانے کی فرانسیسی کوشش ناکام ہو چکی تھی اور یورپ اور امریکہ کے مشرقی ساحل سے آنے والے جہازوں کو دوسرے ساحل پر پہونچنے کے لئے امریکہ کا پورا چکر لگانا پڑتا تھا۔ ۱۹۰۳ء میں کانگریس نے ایک ایسی خاکنائے بنانے کی منظوری دیدی۔ کولمبیا کے صوبے پنامہ کو اس مقصد کے لئے ترجیح دی گئی اور اس میں ناکامی کی شکل میں نکاراگوا کا علاقہ تجویز کیا گیا۔ فرانسیسیوں نے روزویلٹ کو اس بات پر آمادہ کرلیا کہ وہ انکی کمپنی اور سارا ساز و سامان خریدے تاکہ امریکہ کولمبیا سے نہر بنانے کے حقوق کی تجدید کرنے میں کامیاب ہونے کی صورت میں فوری طور پر کام شروع کر سکے۔

دوسری طرف کولمبیا کی حکومت روزویلٹ کی اس پیش کش سے مطمئن نہیں تھی کہ پچاس میل لمبی خاکنائے پانامہ کے لئے تھوڑی سی زمین کی پٹی کے عوض وہ امریکہ سے ایک کروڑ ڈالر نقد اور خاکنائے کا سالانہ کرایہ وصول کرتی رہے۔ حکومت کولمبیا کی نظر میں آتنی بڑی رعائت کی یہ قیمت بہت تھوڑی تھی۔ لیکن اس پیش کش کو ٹھکرانے کے باعث کولمبیا کو پانامہ سے ہمیشہ کیلئے ہاتھ دھونا پڑا۔ کیونکہ ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت کولمبیا میں انقلاب برپا کردیا گیا۔ اور اگرچہ امریکی جنگی جہاز مداخلت کیلئے بالکل تیار کھڑے تھے مگر اس انقلاب کو دبانے کی کوشش بالکل نہیں کی گئی۔ اس طرح پُراسرار طریقے سے انقلاب لانے کے بعد امریکی حکومت نے نئی جمہوری

حکومت سے دوبارہ گفت وشنید شروع کی اور پہلی پیشکش پر سمجھوتہ کر کے مطلوبہ رقم ادا کر دی۔ اس طرح خاکنائے پانامہ کی کھدائی کا عظیم منصوبہ شروع ہوا۔ وہ منصوبہ جو آج تک فن تعمیر کا شاہکار سمجھا جاتا ہے۔

امریکہ کے ان غیر اصولی اقدامات کو دھاندلی سے تشبیہہ دیکر ان کی مذمت کی جا سکتی ہے مگر ساتھ ہی ان کو اس بنیاد پر نظر انداز بھی کیا جا سکتا ہے کہ یہ اقدامات نہ صرف ترقی کی راہ میں دانستہ رکاوٹ کو دور کرنے کے لئے ضروری تھے بلکہ انکے پس پشت ایک عظیم مقصد حاصل کرنے کا جذبہ کارفرما تھا۔ یہ اقدامات اچھے ہوں یا بُرے مگر انکا ایک نتیجہ یہ ظاہر ہوا کہ جنوب کی چھوٹی چھوٹی ہمسایہ مملکتوں میں امریکہ کے خلاف بدگمانیوں میں اور اضافہ ہو گیا۔ اب انکو اپنے علاقوں میں امریکی اثر ورسوخ کے زیادہ بڑھنے کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔ ان ممالک کے خدشات جزوی طور پر اس وقت حقیقت میں تبدیل ہو گئے جب صدر روزویلٹ نے 'اصول منرو' کی بنیاد پر اپنے ضمنی اصولوں کا اعلان کیا۔

لاطینی اور جنوبی امریکہ کے بہت سے ممالک نے اپنے علاقوں کو ترقی دینے کی غرض سے یورپی ممالک سے قرضے لے رکھے تھے۔ چند مختلف وجوہات کی بنا پر یہ ممالک قرضے واپس کرنے میں ناکام رہے۔ چنانچہ ان یورپی ممالک کی بحری فوجیں اپنے قرضے وصول کرنیکی خاطر امریکی بندرگاہوں میں پہونچ گئیں۔ اس تصادم کو روکنے اور دیوالیہ ممالک پر یورپی قبضہ کی ممکنہ کوشش کو ناکام بنانے کی خاطر روزویلٹ نے اعلان کیا کہ آئندہ سے تمام قرضوں کی وصولیابی خود امریکہ کرے گا۔ اور ادائیگی نہ کرنے والے ممالک کے داخلی امور کا وہ اس طرح انتظام کریگا۔ کہ ان کی مالی حالت مستحکم ہو جائے۔ اصول منرو کی اس توسیع نے جس میں اس سے قبل دوسرے ممالک کے داخلی معاملات میں اس قسم کی امریکی مداخلت کے لئے کوئی دفعہ نہیں تھی۔ اگرچہ لاطینی امریکی حکومتوں نے سخت احتجاج کیا مگر اس پر عمل کرنے کے باعث مغربی نصف کرہ میں امن وامان اور استحکام پیدا ہو گیا۔

۱۹۰۴ء کے صدارتی انتخاب کے موقع پر ٹیڈی روزویلٹ کی مقبولیت نقطۂ عروج پر پہونچی ہوئی تھی۔ چنانچہ وہ ڈیماکریٹس کے قدامت پسند امیدوار "آلٹن پارکر" کے مقابلے میں بڑی آسانی سے کامیاب ہوگیا۔ اپنی صدارت کی دوسری میعاد میں روزویلٹ کی خارجہ پالیسی نمایاں حیثیت رکھتی ہے۔ ۰۵-۱۹۰۴ء میں اسے نہ صرف روس اور جاپان کے درمیان جنگ بندی کرانے میں کامیابی حاصل ہوئی (صلح کے معاہدہ پر نیو ہمپ شائر کے مقام پورٹس ماؤتھ میں دستخط ہوئے۔) بلکہ مراقش کے مسئلہ پر جرمنی اور فرانس کی ممکنہ جنگ کو روکنے میں بھی کامیاب رہا۔ داخلی امور میں روزویلٹ نے عوامی اعتماد حاصل کرکے نیکی پالیسی پر عمل جاری رکھا اور بہت سے نئے نئے قوانین وضع کئے جن کی مدد سے ریلوے کی کارکردگی میں تنظیم پیدا کی۔

زندگی کے ہر شعبہ میں اصلاحات کا دور دورہ تھا۔ مصنفین کے ایک گروہ نے مذبح خانوں اور غذائی فیکٹریوں میں گندگی اور خطرانِ صحت کے نقدان کے خلاف ایک مستقل مہم شروع کردی۔ چنانچہ کانگریس نے نئے قانون پاس کرکے ان فیکٹریوں کے غیر صحتمند ماحول کو ختم کردیا۔ مغربی علاقے میں ایک اور تحریک زور پکڑ رہی تھی۔ جس کا مقصد نہ صرف عورتوں کو ووٹ دینے کا حق دلانا تھا بلکہ انکی مانگ یہ بھی تھی کہ مجلس قانون ساز کے ارکان کا انتخاب براہ راست عوام کے ذریعہ ہو جس پر اسوقت تک بڑے بڑے سرمایہ دار قابض تھے۔ روزویلٹ جو ان اصلاحات کا حامی تھا اگر چاہتا تو ۱۹۰۸ء کے آئندہ صدارتی انتخاب میں دوبارہ کامیاب ہوسکتا تھا لیکن روزویلٹ نے اس بات کا تہیہ کرلیا تھا کہ وہ تیسری میعاد کے لئے صدارتی انتخابات میں حصہ نہیں لے گا۔ چنانچہ اس کے منتخب کردہ ولیم ہاورڈ ٹافٹ نے متعدد بار شکست خوردہ ولیم جننگز بریان کو شکست دیکر روزویلٹ کے جانشین کی حیثیت سے کرسئ صدارت سنبھالی۔

غیر معمولی طور پر ستحد، مدبر اور محنتی روزویلٹ کی صدارت کے بعد کوئی بھی صدر چاہے وہ کتنا ہی قابل کیوں نہ ہوتا اس کے مقابلے میں کمزور اور غیر موثر معلوم ہوتا۔ چنانچہ خوش مزاج اور تنومند ٹافٹ کے مقدر میں بھی ناکامی لکھی تھی۔ اگرچہ قانون اور سیاست کے میدان میں ٹافٹ کا

ریکارڈ بہت شاندار تھا مگر وہ عوام میں مقبول ہونے میں کامیابی حاصل نہ کر سکا۔ ٹافٹ نے روزویلٹ کی پالیسیوں پر عمل جاری رکھا اور سرمایہ داروں کی گروپ بندیوں کے خلاف عزم صمیم سے موثر کارروائی کرتا رہا۔ مگر کچھ ایسی قوتیں جو اسکے قبضہ اختیار سے باہر تھیں اسکے ان اقدامات میں مخل ہونے لگیں۔ ریپبلکن پارٹی اب دو گروہوں میں منقسم ہو گئی تھی۔ ایک گروپ جو آزاد خیال باغی کہلاتا تھا نہ صرف اس بات کا حامی تھا کہ روزویلٹ کے سارے داخلی پروگراموں پر عمل جاری رکھا جائے بلکہ انہوں نے مطالبہ کیا کہ ان پر ایک نئے عزم کے ساتھ زیادہ تیزی سے عمل کیا جائے محصولات میں فوری طور پر دوبارہ کمی کی جائے، مزدوروں کی موافقت میں نئے نئے قانون پاس کئے جائیں اور سرمایہ داروں کے خلاف آمدنی ٹیکس لگائے جائیں۔ دوسرا گروپ قدامت پسند تھا جو ہمیشہ سے روزویلٹ کو بدگمان نظروں سے دیکھتا تھا۔ اس گروپ کی کوشش تھی کہ ملک میں دوبارہ سرمایہ دارانہ نظام برسر اقتدار آجائے۔

صدر ٹافٹ اپنے پروگراموں کو جس سست روی سے عملی جامہ پہنا رہا تھا اس سے آزاد خیال گروپ میں بے چینی بڑھ گئی اور وہ اس پر قدامت پسند ہونے کا الزام لگانے لگے جب وہ محصولات میں کمی کرنے میں ناکام رہا اور اس نے روزویلٹ کے چند معتمد اور خاص لوگوں کو ہٹا کر انکی جگہ قدامت پسند کو اپنی کابینہ میں لے لیا تو ان آزاد خیال باغیوں نے انتظامیہ کے خلاف بغاوت کر دی اور وسکنسن کے سینیٹر رابرٹ ایم۔ لافیلیٹ کی قیادت میں نیشنل ریپبلکن پروگریسو لیگ کے نام سے ایک نئی پارٹی بنالی۔

ریاست وسکنسن کے گورنر کی حیثیت سے لافیلیٹ نے ترقی پسند اصولوں کی وضاحت کی تھی اور ان کو عملی جامہ بھی پہنایا تھا۔ جہاں تک ممکن تھا ملک کی ریلوے اور تجارت عوامی مفاد کے حق میں منضبط کر دی گئی تھی مزدوروں کے حقوق کی حفاظت کی گئی تھی اور قومی پیمانے پر آمدنی ٹیکس لگائے تھے۔ مزید براں ترقی پسند یعنی پروگریسیو پارٹی کے حامیوں نے براہ راست

عوامی ووٹوں کے ذریعہ حکومت کرنے کی پالیسی کی حوصلہ افزائی کی اور اس طرح عوام کو ریاست کی مجالس قانون ساز پر پورا اختیار دیدیا۔ 'پیش قدمی کے اختیارات' کے نام سے شہریوں کی ایک جماعت کو اس بات کا حق دیا گیا کہ وہ اپنے پسندیدہ قوانین کو منظور کرانے کے لئے درخواست دے سکتے تھے اور مجلس مقننہ کو اس پر عمل کرنے کیلئے مجبور کر سکتے تھے۔ ووٹروں کو اس بات کا حق حاصل تھا کہ رائے شماری کے ذریعہ ان اقدامات کو منظور یا نامنظور کر دیں جن پر قبل سے عمل ہو رہا ہو۔ 'حق معزولی' کے تحت کسی بھی ایسے افسر کو اس کے عہدے سے ہٹایا جا سکتا تھا جسکے خلاف شہریوں کی بیشتر تعداد نے شکایت کی ہو اور براہ راست 'ابتدائی حقوق' کے تحت کسی بھی قومی سیاسی اجتماع کے لئے نمائندوں کے انتخاب کا حق پارٹی کے قائدین کے بجائے شہریوں کو دیدیا گیا۔ عوامی مقبولیت کے ان اصولوں کی توسیع اس پروگرام کا بنیادی مقصد تھا جو ترقی پسند جماعت کے حامی ریپبلکن پارٹی کے ذریعہ پورے ملک میں رائج کرنے کے خواہشمند تھے۔

اسی دوران، جبکہ ترقی پسندوں کی تحریک زور پکڑ رہی تھی، تھیوڈور روزویلٹ افریقہ کا شکاری اور یورپ کا سیاسی طویل دورہ کر کے امریکہ واپس آئے۔ اس سوال کے جواب میں کہ آیا انکی ہمدردیاں اپنے رفیق ٹافٹ کے ساتھ ہیں یا ترقی پسند ریپبلکن کے ساتھ، روزویلٹ نے ترقی پسندوں کی حمایت کا اعلان کیا۔ اس وقت لافلیٹ کی مایوسی کی انتہا نہ رہی جب اس نے دیکھا کہ ترقی پسند گروپ نے پروگریسو پارٹی کو چھوڑ کر اپنے پرانے صدر روزویلٹ سے اپنی وفاداری کا اعلان کر دیا حالانکہ لافلیٹ کی نظر میں روزویلٹ اپنے ساتھی ٹافٹ سے زیادہ آزاد خیال نہ تھا۔ اس ترقی پسند گروپ نے ۱۹۱۲ء کے ریپبلکن اجتماع میں اس فیصلہ کے ساتھ شرکت کی کہ وہ روزویلٹ کو تیسری میعاد کے لئے اپنا صدارتی امیدوار نامزد کریں گے۔

روزویلٹ اور ٹافٹ جو اس سے قبل ایک دوسرے کے گہرے رفیق تھے، اب صدارتی امیدوار کی نامزدگی کے سلسلے میں ایک دوسرے کے سخت دشمن بن گئے۔ روزویلٹ کی زبردست مقبولیت اور پرکشش شخصیت کے باوجود پہلی قرعہ اندازی میں ٹافٹ نے روزویلٹ کو

شکست دیدی اس کارروائی سے برہم ہو کر روزویلٹ اجتماع سے اٹھکر چلا گیا اور اپنی ایک تیسری جماعت بنانیکا اعلان کیا۔ اس طرح جی۔او۔پی میں اسی طرح پھوٹ پڑ گئی جس طرح ۱۸۶۰ء میں ڈیماکریٹ پارٹی میں پڑی تھی۔

دو ماہ بعد روزویلٹ کے ساتھیوں نے دوبارہ اجتماع کیا اور اپنی گرمجوشی اور وفاداری کا اظہار کرتے ہوئے اپنے محبوب لیڈر کو پروگریسو یا "بل موز" پارٹی کا صدارتی نمائندہ منتخب کر لیا۔ کچھ لوگوں نے روزویلٹ کو اسکے اس بیان کی طرف توجہ دلائی جس میں اُسنے آئندہ صدارتی انتخاب میں حصہ نہ لینے کا فیصلہ کیا تھا۔ روزویلٹ نے اسکی وضاحت یہ کی کہ وہ لگاتار دو میعاد سے زیادہ مدت کے لئے صدارت کا عہدہ قبول نہیں کریگا۔ پروگریسو پارٹی نے منشور کا اعلان کرتے ہوئے ایسی عوامی حکومت قائم کرنیکا عہد کیا جیسی لافلیٹ نے وسکنسن میں رائج کی تھی۔ انہوں نے سنیٹر کے براہ راست انتخاب، اجارہ داریوں کیلئے مناسب قوانین اور سخت حفاظتی تدابیر اختیار کرنیکے پروگرام کی حمایت کی۔

ریپبلکن پارٹی میں اس طرح تفریق پڑ جانے پر سارے ملک کے ڈیماکریٹس نے خوشی منائی۔ بیس سال بعد ان کو یہ پہلا موقع ملا تھا کہ وہ دوبارہ اقتدار میں آنیکی تمنا پوری کر سکیں۔ سوال یہ تھا کہ آیا "برائن" کو ایک مرتبہ پھر صدارتی امیدوار بننے کا موقع دیا جائے۔ اس عظیم مقرر کو متعدد بار شکست ہو چکی تھی۔ بالٹیمور کے اجتماع میں ڈیماکریٹک پارٹی کے ممبروں کو یہ فیصلہ کرنا دشوار معلوم ہو رہا تھا کہ وہ ایوان کے اسپیکر چیمپ کلارک اور نیوجرسی کے گورنر ووڈرو ولسن میں سے کس کا انتخاب کریں۔ آخر کار برائن کی حمایت سے چھیالیسویں قرعہ اندازی میں ولسن کو صدارتی نمائندہ منتخب کر لیا گیا۔

ڈیماکریٹس کے نئے نمائندہ ولسن نے، جسکی پیدائش ریاست ورجینیا میں ہوئی تھی، پرنسٹن کالج سے گریجویٹ کی ڈگری حاصل کی تھی اور نیوجرسی کا گورنر بننے سے قبل وہ اس کالج کا پروفیسر اور صدر رہ چکا تھا۔ وہ نہ صرف، ادیب اور عینیت پسند تھا، بلکہ پروگریسو

کی مانند وہ سرمایہ داری، اجارہ داری اور تجارتی گروہ بندیوں کا سخت مخالف تھا۔ اُسنے واضح الفاظ میں پرزور اعلان کیا کہ "ریاست ہائے متحدہ کی حکومت ملک کے مفادات کی رضاعی اولاد ہے اور اسکو من مانی اقدامات کرنیکی کوئی اجازت نہیں ہے۔" اسکے ساتھ ہی اسنے حکومت کے انتظامیہ میں مکمل طور پر تنظیم نو کا وعدہ بھی کیا۔ ولسن کے اس اعلان کے ساتھ ہی روزویلٹ کے حامیوں کی یہ توقع ختم ہوگئی کہ آزاد خیال ڈیماکریٹس پروگریسو پارٹی کو ووٹ دیں گے۔ اس طرح نومبر کے انتخابات میں ولسن نے زبردست کامیابی حاصل کی۔ ولسن کو تقریباً ساٹھ لاکھ سے زائد ووٹ ملے جبکہ اسکے مقابلے میں روزویلٹ کو چالیس لاکھ سے زائد، ٹافٹ کو پینتیس ۳۵ لاکھ اور سوشلسٹ پارٹی کے نمائندہ ڈی۔ ڈِبس کو تقریباً دس لاکھ ووٹ ملے۔

خوشگوار حیرت ان امریکی باشندوں کا انتظار کر رہی تھی جنھیں یہ خوف تھا کہ انکا کالج پروفیسر صدر، کانگریس کی سیاسی ادھم چوکڑی سے نپٹنے میں ناکام رہے گا۔ ولسن اگرچہ عوام میں مقبول نہیں تھا مگر وہ ایک مضبوط قوت ارادی کا مالک تھا۔ صدارتی مہم کے دوران کی گئی ان متعدد تقریروں میں 'جونئی آزادی' کے عنوان سے شائع کی جاچکی تھیں' اسنے عوام سے جتنے بھی دعوے کئے تھے ان سب کو نہایت مستعدی سے عملی جامہ پہنایا گیا۔

صدارتی حلف اٹھانے کے فوراً ہی بعد اُسنے کانگریس کا ایک مخصوص اجلاس طلب کیا۔ اس اجلاس میں تقریر کرتے ہوئے اُسنے قانون سازوں سے کہا "محصولات میں لازمی طور پر ترمیم کرنیکی ضرورت ہے۔ ہمیں ایسے سارے قوانین منسوخ کرنا ہیں جنکے ذریعہ کسی کو تھوڑی سی بھی رعایت ملنے کا گمان ہو۔" اس اپیل کے ردّ عمل میں ایوان اور سنیٹ نے 'انڈر ووڈ محصولات' کا بل پاس کیا اور اس طرح پچاس سال میں پہلی مرتبہ محصولات میں کمی کے رجحان کا اظہار کیا گیا۔ اس بل کے ذریعہ بیرونی صنعت کاروں کو موقع دیا گیا کہ وہ امریکی منڈیوں میں اپنے مال کی قیمتوں میں مناسب کمی کر کے قومی صنعت کے ساتھ مقابلہ

کر سکیں۔ محصول میں کمی کے باعث سرکاری آمدنی میں جو کمی واقع ہوئی اس کو پورا کرنے کیلئے صدر نے آمدنی ٹیکس میں اضافہ کر دیا۔ یہ اضافہ اس سولھویں آئینی ترمیمی بل کے ذریعہ ممکن ہوا جسکی توثیق تمام ریاستوں نے ٹافٹ حکومت کے خاتمہ کے فوراً بعد ہی کر دی تھی۔

تین ماہ بعد سترھویں ترمیمی بل کی توثیق بھی کر دی گئی جس کے ذریعہ عوام کو اس بات کا حق مِل گیا کہ وہ امریکی سینٹروں کا براہِ راست انتخاب کر سکیں۔ اگرچہ یہ بل حریت پسندی کے اس دور کے عین مطابق تھا جس سے پوری قوم گزر رہی تھی مگر ساتھ ہی اس بل نے مجلسِ مقننہ کے اراکین اور ان سیاستدانوں کے مفاد پر کاری ضرب لگائی جو اس سے قبل ریاستوں کی مجالس قانون ساز کیلئے' سینٹروں کا انتخاب براہِ راست اپنی نگرانی میں کرتے تھے۔

ولسن کا دوسرا اقدام اس فرسودہ بینکنگ نظام کو از سرِ نو ترتیب دینا تھا جسکے تحت چند سرمایہ داروں کے ذاتی مفادات بینک کے بیشتر قرضوں کو کنٹرول کرتے تھے۔ ولسن نے اس بات پر اصرار کیا کہ ان قرضوں پر کنٹرول چند افراد کا نہیں بلکہ عوام کا ہونا چاہئے اور یہ اختیارات حکومت کو حاصل ہونا چاہئے تاکہ یہ بینک کاروبار اور انفرادی صنعتوں کے مفاد کے لئے ایک آلہ کار کی حیثیت سے کام کریں نہ کہ خود مختار اداروں کی حیثیت سے۔ "وفاقی رزرو ایکٹ" کے تحت پورے ملک کو بارہ ضلعوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ ہر ضلع میں ایک صدر بینک قائم کیا گیا جس کو اس بات کا اختیار حاصل تھا کہ کاروباری حالات کے تحت وہ جسقدر سکہ چاہیں جاری کریں اور اس کے دوران کو منضبط کریں۔ سرمایہ کی فراہمی قومی بینکوں کے ذریعہ کی گئی جو اس کے ممبر بن گئے' اور سارے نظام کی باقاعدہ نگرانی کا کام واشنگٹن میں تشکیل کردہ' مرکزی فیڈرل رزرو بورڈ کے سپرد کیا گیا جو خزانہ کے سکریٹری' سکہ کے کمپٹرولر اور صدر کے مقرر کردہ دوسرے چھ اراکین پر مشتمل تھا۔ نئے بینکنگ نظام نے نہ صرف ملکی سکہ کو استحکام بخشا اور اس میں زیادہ لچک پیدا کی بلکہ یہ ملک کے اس بڑے نظام کا ایک مستقل حصہ بنگیا جو زر کی مقدار اور اس کی قیمت کو منضبط کرنے اور استحکام پیدا کرنے کے لئے مقرر کیا گیا تھا۔

اس طرح صدر ولسن کی درخواست پر کانگریس نے ایسے نئے نئے قوانین جاری کرنیکا سلسلہ شروع کر دیا جو مفاد عامہ کے حق میں تھے۔ کلیٹن کے تجارتی گروپ بندی کی مخالفت نے قانون کے ذریعہ مزدوروں کے ہڑتال کرنیکے حق کو تسلیم کرلیا گیا اور تاجروں کا وہ حق جسکے تحت وہ ایک دوسرے کے بورڈ کے ڈائریکٹر بن جاتے تھے، اور بھی محدود کر دیا گیا۔ اس طریق کار کے تحت بڑے بڑے تاجر اپنی کمپنیوں کو ایک دوسرے سے الحاق کرکے گروپ بندیاں کرلیتے تھے۔ ایک وفاقی تجارتی کمیشن بنایا گیا تاکہ وہ تجارت میں ناانصافانہ اور دوسرے غیر قانونی مروج طریقوں کی تفتیش کرے اور انکو درست کرنیکے لئے اپنی سفارشات حکومت کو پیش کرے۔ کاشتکاروں کے لئے دفاقی زرعی بینک کھولے گئے جہاں سے وہ بہت ہی معمولی سود پر قرضے لے سکتے تھے۔ تجارتی جہازوں کے ملاحوں اور دوسرے ملازمین کی تنخواہوں میں اضافہ کیا گیا اور انکے کام کرنیکے لئے بہتر ماحول پیدا کیا گیا۔

ولسن نے ایک موقع پر کہا۔ "یہ قسمت کی ستم ظریفی ہوگی اگر میری حکومت کو بیشتر خارجہ پالیسی سے متعلق امور کو سرانجام دینا پڑا۔" صدر ولسن امریکہ کی آئینی تاریخ کا ماہر تھا لیکن بین الاقوامی امور سے متعلق اسکا تجربہ بہت محدود تھا۔ واقعی یہ قسمت کی ستم ظریفی تھی کہ ولسن کو ایسے دور میں اپنے ملک کی خدمت کا موقع ملا جب بین الاقوامی سیاست ایک عظیم تغیر کے دور سے گزر رہی تھی۔

سب سے پہلے میکسیکو کے انقلاب نے صدر ولسن کو پریشانی میں مبتلا کر دیا۔ جابر 'ایڈولف ہیورٹا' نے ۱۹۱۳ء میں اس ملک کے اقتدار پر قبضہ کرلیا اور اپنے حریف جنرل وینس ٹیانو کیرانزا کو شکست دیکر حکومت پر اپنا قبضہ مضبوط کرلیا۔ یورپ کی ان حکومتوں نے، جنکا میکسیکو میں کثیر سرمایہ لگا ہوا تھا، ہیورٹا کی حکومت کو تسلیم کرلیا کیونکہ اس نے ملک میں امن وامان قائم کرلیا تھا اور میکسیکو کے استحکام اور استقامت کی خاطر انہوں نے امریکہ سے بھی یہی مطالبہ کیا کہ وہ ہیورٹا کی حکومت کو تسلیم کرلے۔

مگر ہیورٹا کی اس سفاکانہ حرکت کے باعث عنیت پسند ولسن کو سخت دھچکا پہونچا اور اس نے ہیورٹا سے استعفےٰ دینے کا مطالبہ کیا۔ یکے بعد دیگرے متعدد حادثات جنم لیتے رہے یہاں تک کہ امریکی فوجوں نے ویرا کروز کی بندرگاہ پر قبضہ کر لیا۔ ایسی صورت حال پیدا ہونیکے بعد ہیورٹا کو کیرانزا کے حق میں اقتدار سے دستبردار ہونا پڑا۔ مگر ویرا کروز پر امریکی قبضہ کے باعث مغربی نصف کرہ کے ممالک کو سخت صدمہ پہونچا اور وہ خوفزدہ ہوگئے۔

میکسیکو کی نئی حکومت نے امریکی عسکری سامان کی مدد سے ملک کو امریکہ کے ساتھ یکجا کرنیکی پرزور کوشش کی۔ کیرانزا کے اس رویہ سے اس کا نیا حریف پنچو ولا' اسقدر مشتعل ہوا کہ حملہ آوروں کی ایک جماعت کے ساتھ "امریکیوں کو قتل کرو" کے نعرے لگاتا ہوا امریکی سرحد پار کر گیا اور لاتعداد امریکی فوجیوں اور شہریوں کو تہ تیغ کر دیا۔ امریکی فوج نے ولا کا پیچھا کیا اور کئی ماہ تک میکسیکو میں اسکی تلاش جاری رہی۔ مگر امریکہ کو اس کوشش میں ناکامی ہوئی اور آخر کار اسکی تلاش کی مہم کو ختم کرنا پڑا۔

اگرچہ میکسیکو کا مسئلہ حکومت امریکہ کے لئے بہت پریشانی کا باعث بنا تھا مگر اسکے باوجود جو مشکلات ولسن کو یورپ میں پیش آئیں انکے مقابلے میں میکسیکو کے مسئلہ کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔ اگست ۱۹۱۴ء میں طاقتور جرمنی نے اس بات کا دعویٰ کیا کہ فرانس' برطانیہ اور روس براعظم یورپ میں اسکی سرحدوں کے چاروں طرف ناکہ بندی کر رہے ہیں اور ساری دُنیا میں اسکی استعماری تحریک کو پھیلانے میں رکاوٹ ڈال رہے ہیں۔ چنانچہ اس نے اپنے حلیف آسٹریا اور ہنگری کی مدد سے جارحانہ اقدامات کا سلسلہ اچانک شروع کر دیا۔ تاکہ اس طرح یورپ میں طاقت کا توازن بگاڑ کر رکھ دے۔ پہلی جنگ عظیم کی فوری وجہ آسٹرین تخت کے ولیعہد کا سیاسی قتل تھا جو ایک سربی محب وطن کے ہاتھوں پیش آیا۔ آسٹریا نے سربیہ کو اس حرکت کی سزا دی۔ روس فوراً ہی بلقان میں اپنے سرا.ٹی ساتھیوں کی مدد کے لئے پہونچ گیا جبکہ جرمنی نے آسٹریا کی حمایت کی۔ اس طرح یکے بعد دیگرے

ممالک جنگ میں شامل ہوتے گئے۔ اٹلی نے برطانیہ اور فرانس کے ساتھ ملکر روس کی حمائت کا اعلان کر دیا۔ ترکی اور بلغاریہ نے وسطی طاقتوں کا ساتھ دیا۔ امریکہ نے یورپ سے دستبرداری کے منرو اصول، پر عمل کرتے ہوئے اپنی غیر جانبداری کا اعلان کر دیا۔

جنگ کے آغاز میں جرمنوں کو غیر معمولی کامیابی حاصل ہوئی۔ کمزور اور مجبور بلجیم کی سرزمین کو روندتے ہوئے تقریباً پیرس کی سرحدوں تک پہونچ گئے جہاں پر انکی مزاحمت کی گئی اور انکی اس پیشقدمی کو روکدیا گیا۔ اپنے ممالک کے دفاع کی خاطر اتحادیوں نے جس ہمت اور جانبازی سے قیصر ولیم کے زبردست فوجی حملوں کا مقابلہ کیا، اسکی خبریں اخباروں کے ذریعہ امریکی عوام تک پہونچتی رہیں جس کے باعث برطانیہ اور فرانس کے ساتھ ان کی ہمدردیاں بڑھ گئیں جن سے انکا ماضی میں قریبی تعلق رہا تھا۔

نپولین کی جنگوں کے دوران پیش آنے والے واقعات کی مانند اس مرتبہ بھی شریک جنگ ممالک نے ایک دوسرے کی بندرگاہوں کی ناکہ بندی کا اعلان کر دیا۔ اور جنگی علاقوں میں داخل ہونے والے غیر جانبدار امریکی جہازوں پر قبضہ کرنا شروع کر دیا جو سامان حرب و رسد لے کر آرہے تھے۔ برطانوی بحریہ نے، جسکا سمندر پر قبضہ تھا، ان امریکی جہازوں کو صرف ضبط کرنے پر اکتفا کی جو دشمن کے لئے سامان لے جا رہے تھے۔ اس کے برعکس جرمنوں نے اپنی آبدوزوں کی مدد سے ان کو تباہ کرنا شروع کر دیا۔ جرمنوں کی آبدوز کشتیاں نہائت خاموشی سے سمندر کی تہہ سے سطح پر ابھرتیں، تارپیڈو سے حملہ کر کے جہازوں کے پیندے میں سوراخ کر دیتیں اور ملاحوں اور مسافروں کو مرنے کیلئے بیچ سمندر میں چھوڑ کر فرار ہو جاتیں۔

امریکی عوام کی برانگیختی کی ایک وجہ تو ان چند جہازوں کی تباہی تھی جنپر آبدوزوں سے حملے کئے گئے تھے اور دوسری وجہ ان امریکی مسافروں کی موت تھی جو بیرونی ممالک کے مسافر بردار جہازوں کے ڈوبنے سے پیش آرہی تھی۔

ان جہازوں میں سے ایک برطانیہ کا "لوسی ٹانیہ" تھا۔ یہ جہاز "جو سمندر کی ملکہ کہلاتا تھا" ساڑھے بارہ سو افراد کو لیکر سمندر کی تہہ میں چلا گیا جس میں ایک سو چودہ امریکی باشندے تھے۔ اگرچہ جرمنوں نے اس جہاز کو تارپیڈو کے ذریعہ ڈبونے پر افسوس ظاہر کیا اور معافی مانگ لی مگر ساتھ ہی ساتھ انہوں نے اس بات کی طرف بھی اشارہ کیا کہ یہ جہاز مسافروں کے علاوہ اتحادیوں کے لئے عسکری سامان لے کر جا رہا تھا۔

امریکی جہازوں کے خلاف آبدوزوں کی اس جنگ پر صدر ولسن نے جرمنی سے متعدد بار احتجاج کیا۔ جواب میں اگرچہ ہر مرتبہ جرمنی نے غیر واضح طور پر امریکہ سے معافی لی۔ مگر ساتھ ہی ساتھ اس قسم کی کارروائی کا بار بار اعادہ کر کے امریکہ کو اشتعال بھی دلاتا رہا۔ جرمنی اس بات پر سخت ناراض تھا کہ امریکہ اتحادیوں کو مسلسل بڑے بڑے قرضوں کی پیشکش کر رہا تھا جس کے ذریعہ وہ خوراک اور عسکری سامان خرید کر تازہ دم فوجیں محاذ پر لا رہے تھے اور اس طرح ایک نئے عزم سے ہارتی ہوئی جنگ کا نقشہ بدل رہے تھے۔ اس مقابلے میں وسطی طاقتیں غیر جانبدار اسکینڈنیوین بندرگاہوں کے ذریعہ نہائت قلیل مقدار میں امریکی رسد حاصل کرنے میں کامیاب ہو رہی تھیں۔ جرمن کا امریکی جہازوں کو ڈبونے کا سلسلہ جتنی تیزی سے بڑھتا رہا، اتنی ہی شدت سے امریکی رائے عامہ جرمنی کے خلاف ہوتی گئی۔ تاہم ۱۹۱۶ء میں امریکی عوام نے "چارلس ایوان ہگس" کے مقابلے میں ولسن کو صرف اس لئے دوبارہ صدر منتخب کر لیا کہ اسنے امریکہ کو عالمی جنگ میں شمولیت سے باز رکھا تھا۔

لیکن ریاستہائے متحدہ کی قسمت میں زیادہ عرصہ تک جنگ سے علیحدہ رہنا مقصود نہ تھا۔ جرمنی کے اس خفیہ منصوبہ کا امریکہ کو علم ہو گیا جسکے تحت اسنے میکسیکو اور جاپان کو اس بات کی ترغیب دینے کی کوشش کی تھی کہ امریکہ کی جنگ عظیم میں شمولیت کی صورت میں وہ ممالک امریکہ پر حملہ کر دیں۔ اسی منصوبہ کے تحت امریکہ میں جاسوسی کرنا

اور امریکی جنگی فیکٹریوں میں توڑ پھوڑ کرنا اور انہیں تباہ کرنا بھی شامل تھا جسکا ثبوت جلد ہی فراہم ہو گیا۔ جب جرمنی نے اپنے نئے منصوبہ کا اعلان کیا جس کے تحت برطانیہ کو جنگ میں شکست فاش دینے کی خاطر غیر محدود طور پر آبدوز جنگ کا حکم دیدیا گیا، تو صدر ولسن نے امریکی کانگریس سے فوری عمل کی درخواست کی۔ چنانچہ کانگریس نے ۶ اپریل ۱۹۱۷ء کو اعلان جنگ کر دیا۔

ان فوری وجوہات کے علاوہ جنکے باعث امریکہ جنگ میں مداخلت کرنے پر مجبور ہو گیا، ایک بنیادی وجہ یہ تھی کہ صدر ولسن کے دل میں اسبات کا یقین پختہ ہوتا جارہا تھا کہ یہ جنگ دراصل چند ملکوں کی جنگ نہیں بلکہ دو اصولوں کی جنگ ہے جس میں ایک طرف دُنیا کی وہ جمہوری قومیں ہیں جو اپنا وجود برقرار رکھنے کی جدوجہد میں مشغول ہیں اور دوسری طرف وسطی ممالک پر مشتمل وہ استبدادی قوتیں ہیں جو اپنی جارحانہ فوجی کارروائیوں کے ذریعہ جمہوریت کو ہمیشہ کے لئے صفحۂ ہستی سے نابود کرنے کی کوشاں ہیں۔ ولسن نے فیصلہ کیا کہ امریکہ کا کارمنصبی یہ ہے کہ وہ جمہوری قوتوں کی مدد کرے تاکہ وہ کسی قبضہ اور نفرت کے بغیر استبدادی قوتوں پر فتح حاصل کریں اور اسکے بعد وہ ایک ایسی انجمن اقوام کی بنا ڈالے جس میں فاتح اور مفتوح دونوں ایک دوسرے سے آپس میں گلے ملیں اور اس طرح جمہوری عالمی بھائی چارہ کا ایک نیا بیج بویا جائے۔ اسکا خیال تھا کہ اس انجمن اقوام کی بدولت ان سب برائیوں کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو جائیگا جو جنگ کی بنیادی وجوہات ہوتی ہیں۔ مثلاً قومیت، شہنشاہی نظام اور بین الممالک معاہدوں کے ذریعہ طاقت کا توازن برقرار رکھنا وغیرہ۔ ولسن نے ۱۹۱۸ء میں جنگ بندی کے معاہدے کیلئے ممکن شرائط کا جو چودہ نکاتی خاکہ پیش کیا وہ انہیں اصولوں پر مبنی تھا۔

ان اونچے خیالات سے متاثر ہو کر ریاستہائے متحدہ نے عالمی جنگ میں شرکت کی اور اتحادیوں کا ساتھ دیا جن پر روسیوں کی شکست اور پسپائی کے باعث سخت دباؤ پڑ رہا تھا۔

صدر ولسن کو وسیع اختیارات دیدئیے گئے جس کے تحت اسنے مزدوروں اور صنعتی قوتوں کو یکجا کر کے صنعتی اور عسکری پیداوار بڑھانے کی انتہائی کوشش کی۔ مزدوروں اور صنعتکاروں نے صدر ولسن کے اس اقدام میں اس کے ساتھ مکمل تعاون کیا۔ جبکہ صنعتکاروں نے قیمتوں کے کنٹرول اور دوسری پابندیوں کو منظور کر لیا، مزدوروں نے ہڑتال کرنے کے حق سے غیر سرکاری طور پر دستبرداری کا اعلان کر دیا۔

اگرچہ امریکہ اپنے اتحادیوں کو کروڑوں ڈالر کے قرضے اور سامان رسد و حرب پر مشتمل متعدد جہاز مہیا کرنے پر قادر تھا، مگر ان کی امداد کے لئے فوجی سپاہیوں کی فراہمی اس کے لئے ایک پیچیدہ مسئلہ بن گیا۔ امریکہ کی فوج بہت مختصر تھی اور نئے سرے سے سپاہیوں کی بھرتی کرنا، انکو جنگی تربیت دینا اور ہزاروں میل کے فاصلے سے جنگی محاذ پر اس فوج کو پہونچانا ایک ناقابل حل مسئلہ تھا۔ اسکے باوجود اس مشکل کام کو نہائت تیز رفتاری، مستعدی اور خوش اسلوبی سے پورا کیا گیا۔ جرمن، آسٹریا اور ہنگری نژاد امریکی باشندوں نے امریکی ساتھیوں کے ساتھ شانہ بشانہ فوج میں بھرتی ہونا قبول کر لیا۔ ایک سال کے اندر ہی فرانس میں امریکی جنگی مہم کی اس فوج کی تعداد سات لاکھ تک پہونچ گئی جسکی کمان جنرل جان جے۔ پرشنگ کر رہا تھا اور چھ ماہ بعد اسی فوج کی تعداد بیس لاکھ تک پہونچ گئی۔

جس سرعت سے امریکہ نے اپنی فوجی قوت میں اضافہ کیا اس سے وسطی طاقتیں حیرت زدہ رہ گئیں اور جنگ کو جلد سے جلد ختم کرنے کی آخری کوششوں میں انہوں نے ۱۹۱۸ء کے موسم بہار میں ہر محاذ پر جان توڑ حملے شروع کر دئے۔ اتحادی فوجوں کے سپریم کمانڈر فرانس کے مارشل فاچ نے ان امریکی فوجوں کو محاذ کے متعدد مقامات پر دفاعی مورچوں پر لگا دیا۔ ان امریکی جوانوں نے چیٹو تھیری اور بیلوووڈ کے مقامات پر دشمنوں کے مقابلے میں نہایت دلیری اور شجاعت کا مظاہرہ کیا اور اپنے اتحادی ساتھیوں

سے دادِ شجاعت حاصل کی۔

دشمنوں کی یلغار کو کامیابی سے روک لینے کے بعد امریکی فوجوں کو دوبارہ یکجا کردیا گیا اور محاذ کا ایک حصہ انکے سپرد کردیا گیا تاکہ وہ اپنے جنگی منصوبوں کے تحت پیش قدمی کریں۔ انہوں نے نہائت تندی سے حملہ کیا۔ سینٹ می ہل' کے مقام پر جرمنی کے مضبوط دفاع کو توڑتے ہوئے وہ غنیم کے علاقوں میں گھس گئے اور' میوز آرگون' کے محاذ پر اپنے بارہ لاکھ جوانوں کی مدد سے مشین گنوں کی بوچھار کے آگے سینہ سپر کرتے ہوئے سارے علاقے کو تاراج کردیا۔ جرمنی فوج کو ہر محاذ پر شکست ہوئی اور وہ پیچھے ہٹتے چلے گئے یہانتک کہ ۱۱ر نومبر ۱۹۱۸ء کو صلح نامہ پر دستخط ہونے کے ساتھ ہی جنگِ عظیم کا خاتمہ ہوگیا۔ اگرچہ امریکہ نے اس جنگ میں بڑی تاخیر سے شرکت کی تھی اور مقابلتاً اس کا نقصان بھی کم ہوا تھا مگر اس کے باوجود امریکہ کی فوجی' مالی اور عسکری امداد کے دباؤ کے باعث براعظم یورپ میں جنگ کا پانسہ پلٹ گیا اور اس کا فیصلہ اتحادیوں کے حق میں ہوا۔ اور اس طرح جیسا کہ امریکی عوام کو امید تھی ایک مرتبہ پھر دُنیا میں جمہوریت کی بقا کا سامان پیدا ہوگیا۔

اس عارضی صلح نے عالمی کشمکش کا خاتمہ کردیا اور جرمنی کو ان علاقوں سے دستبردار ہونے پہ مجبور ہونا پڑا جن پر اُسنے دورانِ جنگ قبضہ کرلیا تھا۔ مگر ابھی پائیدار امن کیلئے بہت سی باتیں تھیں۔ صدر ولسن نے اس بات کا تہیہ کرلیا تھا کہ صلح نامہ میں ان چودہ نکات کی شمولیت ضروری ہے جنکے تحت مختلف ممالک میں خفیہ معاہدوں کے خاتمہ' تخفیفِ اسلحہ' سمندری اجارہ داری کے خاتمے اور سب سے زیادہ اہم انجمن اقوام کے قیام کے مطالبے شامل تھے۔ سنہ ۱۹۱۹ء کے آغاز میں صدر ولسن نے بحری راستے کے ذریعہ پیرس کا سفر کیا تاکہ صلح کی بات چیت میں وہ بذاتِ خود شرکت کرسکے۔

امریکی آئین کے تحت صدر کسی ملک سے اسی صورت میں معاہدہ کرسکتا ہے جبکہ اسے سینٹ کے دو تہائی ارکان کی تائید حاصل ہو۔ سنہ ۱۹۱۸ء کے کانگریس کے انتخابات میں صدر ولسن نے امریکی عوام سے اپیل کی کہ وہ ڈیماکریٹک سینیٹ کا انتخاب کریں تاکہ اسطرح اسے اپنے منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے میں سہولت حاصل ہوجائے۔ اور غالباً اس وجہ سے کہ اسکی اپیل میں التجا سے

زیادہ مطالبہ کا عنصر غالب تھا، عوام نے اسے ناپسند کیا اور انتخابات میں اسے ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔ کانگریس میں ری پبلکن پارٹی نے اپنی اکثریت کے باعث اقتدار حاصل کر لیا۔ اس وفد میں جو امن کانفرنس میں شرکت کرنے جارہا تھا، سینٹ کے نمائندوں کو شریک نہ کر کے ولسن نے کانگریس کو اپنا اور مخالف بنا لیا۔

کانفرنس کے مقام پر ولسن نے چار بڑوں کے جن نمائندوں سے ملاقات کی ان میں برطانیہ کے جارج لائیڈ، فرانس کے کلیمنکیو کے اور اٹلی کے آرلینڈو شامل تھے ان لیڈروں کے خیالات، جن کے وطن کو اس جنگ میں ناقابل تلافی نقصان برداشت کرنا پڑا تھا، ولسن کے خیالات سے بالکل مختلف تھے جو شکست خوردہ غنیم کو زیادہ سے زیادہ مراعات دینے کا حامی تھا۔ اسکے حلیف ممالک کا مطالبہ تھا کہ جرمنی کو اپنے گناہوں کا کفارہ ادا کرنا چاہئے۔ اسے نہ صرف اپنے کوئلے اور لوہے کی کانیں بطور تاوان دینا پڑیں گی بلکہ اپنی نو آبادیوں سے بھی دستبردار ہونا پڑے گا ان میں سے بیشتر مطالبوں کو ولسن نے منظور کر لیا تاکہ وہ اپنے مجوزہ انجمن اقوام کے منصوبے کو عملی جامہ پہنا سکے۔

جیسا کہ معاہدہ ورسیلز میں طے پایا اور تمام ممالک نے اس کو منظور کیا، انجمن اقوام کے تحت نو اراکین پر مشتمل ایک مجلس انتظامیہ قائم کی گئی جس میں برطانیہ، فرانس، اٹلی اور جاپان مستقل نمائندوں کی حیثیت سے شامل کر لئے گئے۔ اس انجمن کے بیشتر فیصلے تمام مستقل اراکین کی متفقہ منظوری کے بعد ہی قابلِ عمل تصوّر کئے جاتے تھے۔ جارحانہ اقدام کو خلاف قانون قرار دیا گیا۔ کسی ایک ملک پر دوسرے ملک کے جارحانہ حملے کی صورت میں مجلس انتظامیہ کو یہ فیصلہ کرنیکا اختیار تھا کہ جارح ملک کے خلاف کیا اقدامات کئے جائیں۔ اگر اجتماعی طور پر اس ملک کا اقتصادی بائیکاٹ کرنے کے بعد بھی مطلوبہ کامیابی حاصل نہ ہو تو پھر یہ کونسل فوجی اقدام کی سفارش بھی کر سکتی تھی۔ مجلس انتظامیہ کے علاوہ انجمن اقوام کے تحت ایک مشاورتی کونسل، ایک بین الاقوامی ادارۂ محنت اور ایک بین الاقوامی عدالت انصاف کا قیام بھی عمل میں آیا تاکہ دو ملکوں کے مابین جھگڑوں میں ثالثی فیصلہ کیا جاسکے۔

جون ۱۹۱۹ء میں معاہدہ ورسیلز پر اتحادیوں اور جرمنی کے دستخط ہو گئے جسکے تحت انجمن اقوام کا وجود عمل میں آیا تھا۔ دستخط کرتے وقت جرمنی نے اس بات پر احتجاج کیا کہ اتحادیوں نے ولسن کے اس منصوبہ کو جس کے تحت جائز امن کا قیام ظہور میں آتا یکسر بدل ڈالا۔ صدر ولسن نے اس معاہدے پر اس احساس کے تحت سب سے پہلے اپنے دستخط ثبت کئے کہ اس نے عالمی فلاح کیلئے اپنی حتی الامکان کوششیں صرف کر دیں اور اس معاہدے کے ذریعے مستقبل کی جنگوں کا قلع قمع ہو گیا اپنے دستخط کرنے کے بعد ولسن نے سینٹ کو اس معاہدے کی اطلاع دیدی اور اس معاہدے کی توثیق کرنیکی ہدائت کی۔

ولسن کی اس ہدایت پر سینٹ نے عمل کرنے سے انکار کر دیا۔ ولسن کے اس اقدام سے انہوں نے نہ صرف اپنی سبکی اور ہتک محسوس کی بلکہ بہت سے سینٹروں کو اس معاہدے کی بعض دفعات پر اصولی طور سے اعتراض تھا اور چند سینیٹر تو انجمن اقوام کے ایک سرے سے مخالف تھے۔ انہوں نے سوال کیا کہ اس معاہدے کے تحت ہمیں اپنی خود مختاری سے جزوی طور پر دستبردار ہونا پڑے گا؟ برطانیہ اور اسکے حواریوں کو مجلس انتظامیہ میں چھ ووٹ کیوں دے گئے جبکہ امریکہ کو صرف ایک ووٹ دینے کا حق تھا۔ اگر امریکہ انجمن اقوام کا ممبر بن گیا تو کیا اسطرح وہ اقوام عالم میں متعدد فوجی کارروائیوں کے جھمیلوں میں گرفتار نہ ہو جائیگا۔؟ میسے چوسیٹز کے ہنری کیبٹ لاج کے زیر قیادت ری پبلکن پارٹی نے مطالبہ کیا کہ اس معاہدے کی توثیق سے قبل اسمیں متعدد تبدیلیاں کی جائیں۔

ولسن اپنے مطالبہ سے ذرہ برابر بھی ہٹنے کے لئے تیار نہ تھا۔ اسنے اس بات پر زور دیا کہ اس معاہدے میں مزید تبدیلیاں کرنیکی صورت میں یہ کمزور پڑ جائیگا۔ چنانچہ وہ پیرس سے اپنے وطن واپس روانہ ہوا تاکہ سینٹ کے مقابلے میں وہ اپنے کیس کو امریکی عوام کے سامنے آخری فیصلے کیلئے پیش کر سکے۔ کام کی زیادتی اور جسمانی و ذہنی تکان کے باعث اس تقریری مہم میں صدر ولسن پر اعصابی دورہ پڑا اور اس طرح وہ سیاست میں مکمل طور پر عمل کے سامنے پھر کبھی نہ آسکا۔

سینٹ نے ولسن پر الزام لگایا کہ اس نے معاہدے کے سلسلے میں سینٹ سے سمجھوتہ کرنے سے قطعی انکار کر دیا چنانچہ سینٹ نے اس معاہدے کو مکمل طور پر رد کر دیا جسکی اس دوران میں دوسرے ممالک نے توثیق کر دی تھی۔ اس واقعہ کے دو سال بعد ریاستہائے متحدہ نے جرمنی سے علیحدہ طور پر امن کا معاہدہ کر لیا۔

ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بین الاقوامی امن کے قیام کے کاز کے زبردست حامی کی حیثیت سے امریکہ جو کردار ادا کر رہا تھا، امریکی عوام اب اس سے تنگ آ چکے تھے۔ چنانچہ انہوں نے 'ووڈرو ولسن' کے ان الفاظ کی طرف کوئی توجہ نہ دی جو اس نے مرتے وقت اپنی قوم سے کہے تھے۔ "ہمیں تمام عالم کی لیڈر شپ حاصل کرنے کا سنہری موقع ملا تھا جسے ہم نے ضائع کر دیا۔ اور جلد ہی اس کا المناک پہلو ہمارے سامنے آ جائیگا۔"

نواں باب

حالات کا معمول پر آنا اور نیو ڈیل

جنگ کے خاتمے اور ۱۹۱۸ء کے صلح نامے کے بعد امریکیوں کو جن حالات کا سامنا کرنا پڑا وہ بہت تکلیف دہ تھے۔ اپنی تعمیری جدوجہد جاری رکھنے کی خاطر امریکی حکومت نے قومی قرضوں کو ایک ارب ڈالر سے ناقابلِ یقین حد تک بڑھا کر پچیس ارب پچیس کروڑ ڈالر تک پہونچا دیا۔ تاہم حکومت کو امید تھی کہ دس ارب ڈالر کی وصولی کے بعد، جو اُسنے اپنے اتحادیوں کو بطور قرض دئے ہوئے تھے، خسارہ بڑی حد تک پورا ہو جائیگا۔

کمیونسٹوں نے ۱۹۱۷ء میں حکومت پر قبضہ کر کے زار روس کی بادشاہت کو ختم کر دیا، روس پر اپنے اقتدار کو مضبوط کر لیا اور سوچے سمجھے منصوبوں کے تحت زیرزمین تحریکوں کے ذریعہ ساری دُنیا میں اشتمالی تحریک کو پھیلانا شروع کر دیا جسکے باعث امریکی عوام میں خوف وہراس کی لہر دوڑ گئی۔ اس بات کا فیصلہ کرنا مشکل ہو گیا کہ کون شخص اشتمالیوں کا ایجنٹ ہے اور کون نہیں خاص طور سے بائیں باز و والی ایک جماعت کے باعث جس کا نام عالمی صنعتی مزدوروں کی جماعت تھا اور جس کا حلقۂ اثر دن بدن بڑھتا جا رہا تھا، اشتمالی اور غیر اشتمالی کی تفریق اور بھی مشکل ہو گئی تھی۔ جنگ کے فوراً بعد اور مکمل امن قائم ہونے سے قبل کے صنعتی ہیجانی دور میں مزدور طبقہ میں بےچینی

اور بے اطمینانی کی کیفیت پیدا ہو گئی تھی جسکی لپیٹ میں پورا امریکہ آگیا تھا۔ چنانچہ اس سلسلے میں بہت سے تحریک پسندوں اور انتہا پسندوں کو یا تو جیل میں ڈال دیا گیا اور انہیں جلاوطن کر دیا گیا۔ مزدوروں کی اس شورش کی بنیادی وجہ عام استعمال کی چیزوں کی قیمتوں کا ایکا یک بڑھ جانا تھا قیمتوں میں یہ اضافہ دوران جنگ عام چیزوں کی کمیابی کے باعث پیش آیا۔ بڑھتی ہوئی مہنگائی کے باعث اپنے معیارِ زندگی کو برقرار رکھنے کی خاطر مزدوروں نے زیادہ تنخواہ کا مطالبہ کیا۔ چنانچہ جان ایل۔ لیوینر کی قیادت میں کوئلے کی کانوں میں کام کرنیوالے مزدوروں نے ہڑتال کر دی۔ یہ ہڑتال کئی ماہ جاری رہی اور بالآخر حکومت اسکا تصفیہ کرنے میں کامیاب ہو گئی۔

جبکہ ملک صنعتی بحالی کے اس دور سے گزر رہا تھا، ۱۹۱۹ء میں ریاستہائے متحدہ نے اٹھارواں آئینی ترمیمی بل منظور کر لیا۔ اس بل کے تحت شراب کی تیاری اور اس کے بیچنے پر پابندی عائد کر دی گئی۔ اس بل کا مقصد خواہ کتنا ہی نیک کیوں نہ ہو مگر یہ لوگوں کو شراب پینے سے روکنے میں قطعی ناکام رہا۔ اب شراب استعمال کرنیوالوں کو زیادہ لطف آنے لگا کیونکہ اس میں شراب بندی کے قانون کو توڑنے کی چاشنی بھی شامل ہو گئی۔ شراب کی غیر قانونی تجارت کی اجارہ داری حاصل کرنے کے لئے لاقانونی افراد ایک دوسرے سے جھگڑتے اور قتل کرتے رہے۔

پورا ملک اخلاقی تنزلی کی طرف گامزن تھا۔ فوج سے واپس آئے ہوئے افراد کو اپنی گذشتہ زندگی میں دُنیاوی لذتوں کے نقدان کا شدید احساس تھا۔ چنانچہ وہ پچھلی کمی کو پورا کرنے کی انتہائی کوشش میں مصروف تھے۔ لیکن جنگ کے فوراً بعد کے مختصر مگر شدید ناساز گار اور بحرانی حالات بھی امریکی عوام کے حوصلوں اور ولولوں کو زیادہ عرصہ تک دبانے میں ناکام رہے اگرچہ اسکے اثرات سے کاشتکار محفوظ رہ سکے اور آئندہ کئی سال تک وہ مصائب برداشت کرتے رہے۔

۱۹۲۰ء کے صدارتی انتخاب کا محور یہ سوال تھا کہ آیا ولسن کے نئی آزادی کے منصوبہ پر، جس میں انجمن اقوام کا قیام بھی شامل تھا، عمل درآمد جاری رکھا جائے یا ریپبلکن پارٹی کے اس منشور کو اپنا لیا جائے جو عام حالت دوبارہ بحال کرنے کی موافقت میں تھا اس منشور

کے تحت امریکی حالات کو دوبارہ جنگ سے قبل کے حالات کی سطح پر لانا، امریکی صنعتوں کے تحفظ کی خاطر محصولات میں اضافہ، بین الاقوامی معاملات میں کم سے کم دخل اور اپنے مفادات کو سب امور پر ترجیح دینا شامل تھا۔ اس انتخاب کی خصوصیت یہ بھی تھی کہ مردوں کے دوش بدوش اس مرتبہ عورتیں بھی ووٹ دینے جا رہی تھیں۔ سالہا سال کی جدوجہد کے بعد آخر کار ۱۹۲۰ء کے انیسویں آئینی ترمیمی بل کے ذریعہ وہ ووٹ دینے کا حق حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئی تھیں۔

انتخابات کے نتائج کے واضح طور پر ثابت کر دیا کہ امریکی عوام ڈیماکریٹک پارٹی کی عینیت پسندی اور اقوام عالم کے تحفظ کی خود ساختہ ذمہ داری سے اکتا چکے ہیں۔ ری پبلکن پارٹی کے امیدوار اوہیو کے سینیٹر وارن جی۔ ہارڈنگ نے اپنے حریف گورنر جیمس ایم۔ کاک کو جو اوہیو سے ہی تعلق رکھتا تھا، زبردست اکثریت سے شکست فاش دی۔ ہارڈنگ ایک چھوٹے قصبہ کے اخبار کا ایڈیٹر تھا اور خوبصورت، تنومند اور دلاویز شخصیت کا مالک تھا وہ ایک ایسی شخصیت کی نمائندگی کرتا تھا جو اپنے ملک کو محفوظ اور ترقی کے راستے پر گامزن کر کے خوشحالی کی منزل پر پہونچانے کا متمنی ہو۔

ریپبلکن پارٹی نے برسر اقتدار آتے ہی اپنے کئے ہوئے انتخابی وعدوں کو ایفا کرنے کا سلسلہ شروع کر دیا۔ انہوں نے محصولات میں خاطر خواہ اضافہ کر دیا اور اس طرح ریاستہائے متحدہ کے اطراف اقتصادی رکاوٹوں کی ایسی دیوار کھڑی کر دی جسکو آسانی سے عبور نہ کیا جا سکتا تھا ملک کے اندرونی حالات پر ان اقدامات کا بہت مفید اور خاطر خواہ اثر ہوا۔ صنعتکاروں کی آمدنی میں اضافہ ہوا۔ فیکٹریوں میں مال کی تیاری کئی گنا بڑھ گئی اور روزگاروں کی تعداد پہلے کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہو گئی۔ لیکن دوسری طرف یوروپی ممالک کے لئے امریکی صنعتی منڈیوں کا دروازہ بند ہو گیا اور اس طرح وہ اپنا تیار مال برآمد کرنے میں ناکام رہے جسکے ذریعہ وہ ڈالر کما کر امریکی قرضہ اتارنے کا منصوبہ بنا رہے تھے۔ چنانچہ امریکی ماہران اقتصادیات نے امریکی حکومت کو بار بار آگاہ کیا کہ اگر وہ یوروپی ممالک کو دئے ہوئے قرضے واپس لینے کی

خواہشمند ہے تو اس کو درآمدی محصولات میں مناسب کمی کرنا پڑے گی۔

اسکے علاوہ بیرونی ممالک سے اپنے تعلقات کو محدود کرنے کی پالیسی پر عمل کرتے ہوئے حکومت نے تارکانِ وطن پر سخت پابندیاں عائد کر دیں غیر ملکی نو آبادیوں کا وہ سیلاب جو اس صدی کے اوائل میں نیویارک کی بندرگاہوں پر واقع مجسمہ آزادی' کے قرب سے مسلسل گزرتا رہتا تھا اب گھٹ کر محض چند افراد تک محدود ہو گیا۔ تارکانِ وطن کے امریکہ میں داخلے پر پابندی کی وضاحت کرتے ہوئے حکومت نے یہ جواز پیش کیا کہ اس طرح امریکی باشندوں کے لئے روزگار کے زیادہ بہتر مواقع فراہم ہونگے۔ تارکان وطن کے قوانین کے سخت بنانے میں نفرت اور ناپسندیدگی کا وہ جذبہ بھی کارفرما تھا جو امریکی عوام کے دلوں میں غیر ملکی شے کے خلاف پیدا ہو گیا تھا۔

اسکے باوجود ریاست ہائے متحدہ نے دوسری بڑی طاقتوں کے ساتھ ملکر دنیا کے مختلف ممالک میں ہتھیاروں کی دوڑ کو بند کرنے اور عالمی امن کے قیام کی کوششیں جاری رکھیں۔ اس مقصد کے لئے اس نے ان طریقوں کو اپنایا جس کے ذریعہ امریکی حکومت پر کسی قسم کی ذمہ داری عائد نہ ہو انجمن اقوام کے دائرے سے باہر رہتے ہوئے صدر ہارڈنگ کے قابل وزیر خارجہ چارلس ایوانز ہیوگیس نے بیرونی نمائندوں کو ۲۲-۱۹۲۱ء کی واشنگٹن کانفرنس میں شرکت کی دعوت دی اس کانفرنس میں ایک سمجھوتہ ہوا جس کے تحت ہر بڑی طاقت نے پہلے سے مقررہ کردہ تناسب کے مطابق اپنے اپنے بحریہ میں تخفیف کر دی۔ اس کے علاوہ متعدد معاہدوں کے ذریعہ چین اور مشرق بعید میں بڑی بڑی طاقتوں کے مفاد کی تشریح کی گئی تاکہ اس سلسلے میں مزید جھگڑوں کو روکا جاسکے۔ ایک اور معاہدہ کے تحت دوران جنگ تجارتی اور مسافر بردار جہازوں پر آبدوزوں کے ذریعہ حملہ کرنا ممنوع قرار دیدیا گیا۔

ہارڈنگ کی حکومت کیلئے واشنگٹن کانفرنس ایک کارنمایاں کی حیثیت رکھتی تھی۔ مگر کچھ عرصہ بعد اس سے حاصل کئے گئے مثبت نتائج فراموش ہوتے گئے اور اس جگہ انتظامیہ میں بڑھتی ہوئی بدعنوانیوں اور دوسری افواہوں کا چرچا عام ہوتا گیا اغاثہ جنگی کے فوراً بعد کے گرانٹ،

انتظامیہ میں جو خرابیاں پیدا ہوگئی تھیں، موجودہ حکومت کے چرچے ان سے بھی بازی لے گئے۔ قومی رضاکاروں کے محکمہ کے ڈائرکٹر پر سرکاری رقم میں سے دو لاکھ ڈالر خرد برد کرنے کا الزام پایا گیا اور اسے وفاقی اصلاحی قید خانہ بھیج دیا گیا۔ دوسرے دو بدعنوان سرکاری افسران نے اپنے جرموں کے خلاف تفتیش سے بچنے کی خاطر خودکشی کر لی۔ ٹی پاٹ ڈوم' کا واقعہ تو بدعنوانی کا بدترین مظاہرہ تھا۔ اس بات کا انکشاف ہوا کہ سکریٹری امور داخلہ 'البرٹ فال' نے صدر کو اس بات پر آمادہ کر لیا کہ تیل کے ذخائر پر مشتمل سارے علاقے بحریہ کے انتظامیہ سے لیکر وزارت داخلہ کے سپرد کر دے جائیں۔ فال نے ان میں سے کچھ علاقے جن میں ٹی پاٹ ڈوم اور وائیومنگ کے علاقے بھی شامل تھے، تیل نکالنے والی پرائیویٹ کمپنیوں کو پٹہ پر دیدے۔ ان کمپنیوں نے حاصل کردہ بیش قیمت رعائتوں کے عوض فال کو کثیر رقم بطور رشوت پیش کی۔ عوامی اعتماد اور سرکاری دولت کے بیجا مصرف کے اس سنگین مظاہرے پر فال کو ایک سال قید اور ایک لاکھ ڈالر کا جرمانہ برداشت کرنا پڑا۔

سنہ ۱۹۲۳ء میں الاسکا کے دورے سے واپس آتے ہوئے صدر ہارڈنگ کا اچانک انتقال ہو گیا اور اسطرح اسکو ان پریشانیوں سے نجات مل گئی جو انتظامیہ کی بڑھتی ہوئی بدعنوانیوں اور رشوت ستانی کی گرم بازاری کو اس کے نام کے ساتھ منسلک کئے جانے کے باعث اس کو پیش آرہی تھیں۔ ہارڈنگ کی موت کے بعد نائب صدر کالون کولج اس کا جانشین بنا۔ کالون کولج نیو انگلینڈ کا تند خو اور خاموشی پسند فرد تھا۔ اسکی ایمانداری اور دیانت داری کی شہرت غیر مشتبہ تھی اور اسکی پالیسی قدامت پسندی پر مبنی تھی۔

سنہ ۱۹۲۰ء کا دور ملک کے لئے خوش حالی اور فارغ البالی کا دور تھا۔ اب حکومت کے لئے یہ ممکن ہو گیا تھا کہ آمدنی ٹیکس میں خاطر خواہ تخفیف کرنے کے بعد بھی قومی آمدنی میں بیش بہا اضافہ کیا جا سکے۔ ملکی خزانہ دولت سے پُر تھا اور قومی قرضہ چھبیس ارب ڈالر سے گھٹ کر صرف سولہ ارب ڈالر رہ گیا تھا۔ ان امید افزا حالات سے مطمئن ہو کر صدر کالج نے اقتصادی پالیسی سے

متعلق نرم رویہ اختیار کر لیا تاکہ ملک کے اقتصادی معاملات حالات کے مطابق اپنے ڈھانچے کی خود تشکیل کر سکیں۔

یہ سنہری دور اس زمانے کے معیار کے مطابق صنعتی پیداوار میں بے انتہا ترقی کے باعث ایک انفرادی حیثیت رکھتا تھا۔ موٹر کاریں، ریفریجریٹر، کپڑا دھونے کی مشینیں، ریڈیو اور دوسری ہر قسم کی مشینیں ایسے کارخانوں میں کثیر تعداد میں تیار ہونا شروع ہو گئیں جہاں فنی کاریگر ایک قطار میں کھڑے ہو کر سلسلے وار اپنے فن کی مہارت کا اظہار کرتے۔ صنعتی پیداوار سائنسی طور پر اس اعلیٰ معیار پر پہونچ گئی تھی جہاں ایک ایک لمحے اور ایک ایک حرکت سے مثبت نتائج برآمد ہوتے تھے۔

ان مصنوعات کی کھپت زیادہ تر اسی مزدور طبقے میں تھی جو انہیں تیار کرتا تھا چنانچہ یہ خیال کیا جاتا تھا کہ مصنوعات کی ان منڈیوں کی توسیع کے لئے یہ ضروری ہے کہ مزدوروں اور کاریگروں کی اُجرت میں اضافہ کیا جائے تاکہ وہ ان مصنوعات کی زیادہ مقدار خرید سکیں اور اس طرح اُن چیزوں کی مانگ بڑھنے کے ساتھ ساتھ پیداوار میں مزید اضافہ کیا جا سکے۔ مانگ اور پیداوار کے اضافے کا یہ چکر لامحدود تصور کیا جا رہا تھا اور نہائت فخر سے اس بات کی پیش گوئی کی جا رہی تھی کہ جلد ہی "غریب خانوں" کا خاتمہ ہو جائیگا اور ہر گیراج میں دو دو موٹریں رکھی جانے لگیں گی۔

خوش حالی اور اعلیٰ معیار قائم کرنیکی اس مہم کو مزید تقویت پہونچانیکی غرض سے صنعتکاروں نے اپنی اپنی صنعتوں کی تشہیر کے لئے ہر ممکن طریقے سے کام لینا شروع کر دیا صابن کے پوڈر اور سگریٹوں کے نت نئے طریقوں سے اشتہارات ریڈیو اور اخبارات میں دئے جانے لگے۔ اور ان چیزوں کو عوام میں زیادہ سے زیادہ مقبول بنانے کی خاطر خریداروں کی حس کو طرح طرح سے اُجاگر کرنیکی کوشش کی جانے لگی۔ خریداروں کو اس بات کا یقین دلایا جانے لگا کہ فرنیچر جیسی بڑی بڑی چیزوں کی خریداری کیلئے اب ان کو یک مشت کثیر رقم دینے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ نہائت آسان اقساط پر یہ چیزیں خریداروں کو فیضانہ طور پر پیش کی جانے لگیں۔

خریداروں کیلئے تمام آسانیاں فراہم ہو جانے کے بعد اگرچہ ملکی منڈیوں میں امریکی تیار مال کی کھپت بہت بڑھ گئی، مگر اس کے باوجود یہ منڈیاں اتنی بڑی نہ تھیں کہ ملک کی ساری صنعتی پیداوار کی ان میں کھپت ہو جائے۔ اس بات کی شدت سے ضرورت محسوس کی گئی کہ ان مصنوعات کو بیرونی منڈیوں میں پہنچایا جائے تاکہ صنعتکاروں کو وہ زائد منافع حاصل ہو سکے جو صنعتی ترقی کو قائم رکھنے کیلئے ضروری تھا۔ مگر اس کے ساتھ ہی یہ مسئلہ درپیش تھا کہ مصنوعات کی ادائیگی کس طرح ہو۔ اس کا ایک طریقہ یہ تھا کہ محصولات میں کمی کر کے آزاد تجارت کی اجازت دیدی جائے۔ تاکہ بیرونی ممالک کو اسبات کا موقع ملے کہ وہ امریکی منڈیوں میں اپنی مصنوعات فروخت کر سکیں اور اس کے بدلے میں امریکی اشیاء خرید سکیں۔ ایک دوسری ترکیب یہ تھی کہ امریکہ کے ان دست نگر ممالک کو مزید قرضے دئے جائیں جو مالی اعتبار سے قریب قریب دیوالیہ ہو رہے تھے تاکہ ان رقوم سے وہ ان امریکی مصنوعات کو خریدنے کے قابل ہو جائیں جو ان کو پیش کی جائے۔ ابھی تک حکومت کی بنیادی پالیسی یہی تھی کہ ہر حال میں قومی صنعت کا تحفظ کیا جائے۔ چنانچہ امریکی حکومت نے دوسری ترکیب کو اپنایا۔ بیرونی اقوام کو مزید قرضے دئے گئے اور اسطرح ان ممالک نے امریکی ڈالر سے امریکی مصنوعات خریدنے کا سلسلہ شروع کر دیا۔

سنہ ۱۹۲۴ء کے صدارتی انتخاب میں ریپبلکن پارٹی کو بہت معمولی سی مزاحمت ہوئی۔ ڈیماکریٹک پارٹی کے قدامت پسند امیدوار جان ڈبلیو۔ ڈیوس کے مقابلے میں کالون کالج کو دوسری میعاد کیلئے صدر منتخب کر لیا گیا۔ اس دوران ایک اور جماعت سیاست کے میدان میں آ کودی تھی جسے ریپبلکن اور ڈیماکریٹک دونوں پارٹیوں کے منشور سے اختلاف تھا اور جو ان پارٹیوں کے طرز عمل سے ناخوش تھی۔ اس جماعت نے، جو اپنے کو حریت پسند کہتی تھی اور جسے سوشلسٹ پارٹی کی حمایت حاصل تھی، پروگریسو پارٹی کے نام سے ایک علیحدہ پارٹی بنالی تھی اور جنگجو لافلیٹ کی قیادت کی قیادت میں سیاسی میدان میں سرگرم عمل تھی۔ ریلوے نظام پر مالکانہ حقوق اور کاشتکاروں کو وفاقی امداد اس پارٹی کے پروگرام کا اہم جز تھے۔ پروگریسو پارٹی کے منشور سے عوام کی

دلچسپی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اس پارٹی کو صدارتی انتخاب میں صرف پچاس لاکھ ووٹ ملے جبکہ ہج کو ایک کروڑ ساٹھ لاکھ اور ڈیوس کو اسی لاکھ ووٹ حاصل ہوئے۔

اس انتخابی نتیجہ کے باوجود سارے ملک میں بے اطمینانی کی کیفیت طاری تھی اور احتجاجی آوازیں بلند ہونا شروع ہو گئی تھیں جن میں دم بدم اضافہ ہو رہا تھا۔ کاشتکاروں کی حالت قابل رحم تھی۔ جنگ عظیم کے دوران پیداوار میں زیادہ سے زیادہ اضافہ کرنے میں انکی حوصلہ افزائی کی گئی تھی اور نئی مشینوں اور جدید سائنسی طریقوں کو اپنا کر انہوں نے غذائی پیداوار میں کافی حد تک اضافہ کر لیا تھا۔ مگر جنگ کے خاتمے کے بعد امن کے اس دور میں انکے پیدا کردہ غلے کی مانگ گھٹ گئی اور اب وہ اپنے گیہوں اور دوسری اجناس کو نہایت کم قیمت پر بیرونی منڈیوں میں فروخت کرنے پر مجبور تھے۔ مجوزہ 'ناری ہاگن' بل کے ذریعہ اس بات کا مطالبہ کیا گیا کہ حکومت فاضل پیداوار کی فروخت میں مالی امداد دیکر کاشتکاروں کو انکی پیداوار کا معقول معاوضہ دلائے۔ مگر حکومت نے یہ تجویز رد کر دی۔ اس مطالبہ کی مخالفت کرتے ہوئے صدر کالج نے اعلان کیا کہ وہ اس بات کا حامی ہے کہ کاشتکاروں کو خود اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کے لئے حکومت ان کو مالی امداد دے۔ ساتھ ہی صدر نے ان نتائج سے بھی آگاہ کیا جو "مانگ اور بہم رسانی" کے فطری قانون میں حکومت کی مجوزہ مالی امداد کے ذریعہ مداخلت کے باعث ظہور میں آسکتے تھے۔

کالج کی دوسری میعاد صدارت کے آخری سالوں کی یادگار میں ہوائی سفر کا وہ کارنامہ بھی شامل ہے جو چارلس اے لینڈ برگ نے ایک نشست کے طیارہ میں نیو یارک سے پیرس تک بلا رکے پرواز کر کے انجام دیا۔ یہ ایک تاریخی کارنامہ تھا۔ کیلگ برائنڈ' معاہدہ کی توثیق، جسکے ذریعہ جنگ کو ممنوع قرار دیدیا گیا۔ اس دور کا دوسرا اہم واقعہ تھا۔ تقریباً انسٹھ ممالک نے امریکہ اور فرانس کی اس اجتماعی اپیل کی حمایت کا اعلان کیا جس کے ذریعہ اس بات کا عہد کیا گیا تھا کہ آئندہ یہ ممالک دفاعی مقاصد کے علاوہ کبھی بھی ایک دوسرے کے خلاف ہتھیاروں کا استعمال نہیں کریں گے۔ اس عہد نامے پر دستخط ہونے کے ساتھ ہی دنیا میں پائیدار امن کے قیام

کا قوی امکان ہو گیا اور امن پسند اقوامِ عالم کی کوششوں کو مزید تقویت پہونچی جو ایک پائیدار امن قائم کرنے میں کوشاں تھے۔

۱۹۲۷ء میں پریس رپورٹروں کے ایک سوال کے جواب میں کہ "کیا آپ آئندہ چار سال کی میعاد کے لئے دوبارہ صدر بننا پسند کرینگے؟" کم سخن کالج نے بتایا کہ وہ اس مرتبہ انتخاب لڑنیکا کوئی ارادہ نہیں رکھتے ہیں۔ چنانچہ ریپبلکن پارٹی نے کولج کی جگہ وزیرِ تجارت ہربرٹ سی۔ ہوور کو اپنا صدارتی امیدوار نامزد کیا۔ ہوور کان کنی کا انجنیئر تھا اور امریکی تجارت کی توسیع کی خاطر کئی سال بیرونی ممالک میں رہا تھا اور اس طرح بیرونی منڈیوں کا اسے براہِ راست وسیع تجربہ حاصل تھا۔ ہوور قواعد اور قوانین پر سختی سے عمل کرنیکا قائل تھا اور اصولوں پر سمجھوتہ پسند نہیں کرتا تھا۔ پارٹی کے اراکان کے نزدیک وہ ایک قابل منتظم تھا اور انکا خیال تھا کہ ہوور کے دوران صدارت میں ملک خوشحال اور فارغ البالی میں موجودہ دور سے بھی بڑھ جائے گا اور کامیابیوں کی نئی چوٹیاں سر کرے گا۔

ڈیماکریٹک پارٹی کے ارکان کی نظر انتخاب نیویارک کے گورنر الفرڈ ای۔ اسمتھ پر پڑی جو ایک خوش باش سیاستداں تھا اور نیویارک شہر کے مشرقی علاقہ کے نچلے طبقہ سے تعلق رکھتا تھا اسمتھ نے، جو 'خوش باش فوجی' کے لقب سے مشہور تھا، اپنی صدارتی مہم میں وفاقی آبی طاقت کی ترقی پر زور دیا مگر اصل مسئلہ جو صدارتی انتخاب کا محور تھا اول تو اسمتھ کا رومن کیتھولک ہونا تھا اور دوئم یہ حقیقت کہ اسمتھ شراب اور دوسری نشہ آور الکوہل سے متعلق شراب بندی کے قوانین میں ترمیم کا حامی تھا۔ ان دونوں حقائق کے باعث نہ صرف جنوبی باشندوں کو سخت صدمہ پہونچا جو خانہ جنگی میں پیش آئے ہوئے واقعات کے باعث ابتک ڈیماکریٹس کے حامی تھے، بلکہ امریکہ کے دوسرے مقامات پر پروٹسٹنٹ بھی اسکو تشویش کی نظر سے دیکھ رہے تھے اس پیش گوئی کا اندازہ اظہار کیا جا رہا تھا کہ اگر اسمتھ کو صدارتی انتخاب میں کامیابی ہو گئی تو ریاستہائے متحدہ کی حکومت کی پالیسیاں اٹلی کے شہر ویٹیکن میں مقیم پوپ کے

کے تابع ہو جائیں گی۔

انتخاب کے دن ووٹروں نے زبردست اکثریت سے ہور کی پالیسیوں کی توثیق کر دی اور بہت سی جنوبی ریاستوں نے بھی ایام تعمیر نو کے بعد سے پہلی مرتبہ ریپبلکن پارٹی کے امیدوار کو ووٹ دئے۔ اس بات کا اعلان کرتے ہوئے کہ "مجھے ملک کے مستقبل کے بارے میں کوئی خوف نہیں ہے اور مجھے اس سے روشن امیدیں وابستہ ہیں" نئے صدر نے خود اعتمادی کے جذبہ سے کرسئ صدارت سنبھالی۔

ہر طرف اعتماد اور خوشحالی کا دور دورہ تھا اور اب عوام نے نہائت قلیل عرصہ میں کثیر دولت کمانے کا ایک نیا طریقہ دریافت کر لیا تھا۔ بڑے بڑے کارپوریشنوں کی ہنڈیاں نیویارک کے اسٹاک ایکسچینج اور وال اسٹریٹ کے دوسرے بازاروں میں برائے فروخت موجود تھیں۔ صنعتی اور تجارتی ترقی کے ساتھ ساتھ انکی قیمتوں میں بھی اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ ملک کے کسی حصہ سے بھی خط یا ٹیلیفون کے ذریعہ کسی دلالی فرم کو اسٹاک خریدنے اور انہیں جمع کرنیکی ہدائت دی جا سکتی اور تقریباً ہر روز ان اسٹاک اور شیرز کی قیمتوں میں مزید اضافہ ہو رہا تھا۔ یہ کمیشن ایجنٹ اپنے کمیشن کی خاطر اسٹاک کی خرید فروخت کے سلسلہ میں نو آمیز سٹہ بازوں کی ہمت افزائی کر رہے تھے اور نہائت قلیل منافع کی خاطر بھی اپنے گاہکوں کا اسوقت تک پیچھا نہیں چھوڑتے تھے جبتک سودا مکمل نہ ہو جائے اور اُن کو اپنا منافع نہ مِلجائے۔ اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ نہ صرف امریکی عوام بلکہ بیرونی سرمایہ کار بھی اسٹاک اور شیرز خریدنے کی دوڑ میں شامل ہو گئے جس کے باعث ان اسٹاکوں کی قیمتیں آسمان پر پہونچ گئیں اور اپنی اصلی قیمت سے کئی گنا زیادہ بڑھ گئیں۔

۱۹۲۹ء کے موسم خزاں میں جبکہ اسٹاک کی قیمتیں اپنے انتہائی عُروج پر پہونچی ہوئی تھیں اور بینک کے اہلکار دونوں ہی اس بات پر تعجب کا اظہار کرتے رہے کہ قیمتوں کی یہ گرم بازاری کبتک قائم رہ سکے گی، وہ عظیم سانحہ پیش آیا جو ان حالات میں غیر متوقع نہ تھا۔

غیر محتاط سٹہ بازی اور اسٹاک کی قیمتوں کے مصنوعی چڑھاؤ کے باعث ملک کا اقتصادی ڈھانچہ دفعتاً بیٹھ گیا۔ غیر یقینی کیفیت اور کساد بازاری کے باعث اسٹاک مارکیٹ کی ساکھ کا بالکل خاتمہ ہو گیا۔ اس سانحہ کے باعث ملک کی اقتصادی حالت اس تیزی سے مائل بہ تنزل ہوئی کہ وہ قوم جو ابتک خوش حالی اور فارغ البالی کے دور سے گزر رہی تھی، یکایک اقتصادی تباہی کے دہانے پر پہونچ گئی۔ اسٹاک مارکیٹ میں زوال کا پہلا سانحہ ۱۹ اکتوبر کو پیش آیا۔ اسکے بعد انتشار، پریشانی اور غیر یقینی کیفیت کا لامتناہی سلسلہ شروع ہو گیا۔ کمیشن ایجنٹوں نے اپنے گاہکوں سے زیادہ منافع کا مطالبہ کیا اور جب وہ اسے حاصل کرنے میں ناکام رہے تو انہوں نے اپنی ہنڈیوں کو اونے پونے داموں پر فروخت کر دیا۔ اسٹاک کی قیمتیں دھڑادھڑ گرنا شروع ہو گئیں یہاں تک کہ صرف دس دن کی مختصر مدت میں وہ اپنی ابتدائی قیمت کا صرف پانچواں حصہ رہ گئیں اور اس طرح لاکھوں اسٹاک ہولڈرز دیوالیہ ہو گئے۔

معاشی خوش حالی کے نشہ سے سرشار قوم نے ایک جھرجھری لی اور وہ اقتصادی تباہی کے اس عظیم انقلاب سے پیدا شدہ نتائج کا تجزیہ کرنے پر مجبور ہو گئی۔ یہ بات تو یقینی تھی کہ اس سانحہ میں قوم کی کثیر رقم ڈوب گئی تھی۔ "مگر کیا اس سے ان صنعتوں کو بھی نقصان پہونچا تھا جو قوم کی معاشی خوش حالی کیلئے اساسی اور بنیادی حیثیت رکھتی تھیں؟ کارخانوں کو کوئی گزند نہیں پہونچا تھا اور وہ اسی طرح مستعد قائم تھے تاکہ اشارہ ملتے ہی دوبارہ عوام کی خدمت شروع کر دیں۔ بظاہر عوام کی بچائی ہوئی رقوم کی عارضی تباہی کے علاوہ ملک کو کوئی نقصان نہیں پہونچا تھا۔ پھر اتنی پریشانی کی کیا بات اور اسقدر چیخ و پکار کس لئے؟"

رجائیت پسندوں نے ملک کے موجودہ اقتصادی بحران کا تجزیہ کرتے ہوئے اسطرح اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ انہیں اسبات کا قطعی احساس نہیں تھا کہ اس بحران کی بنیادی وجہ خود معاشی تقسیم کا ناقص نظام تھا اور اب ان منڈیوں میں عوام کی قوت خرید باقی نہ رہی تھی جہاں تاجر

اپنی مصنوعات کو فروخت کرنیکی ناکام کوشش کر رہے تھے۔ اسٹاک مارکیٹ کی تباہی کے باعث ان تجارتی منڈیوں کا توازن بھی برقرار نہ رہ سکا اور وہ بھی کساد بازاری کا شکار ہو کر نہائت تیزی سے زوال پذیر ہونے لگیں۔ صنعتوں پر اسٹاک مارکیٹ کے بحران کا شدید اور واضح اثر اسوقت محسوس ہوا جب لوگوں نے نئی موٹروں کی خریداری کے آرڈرز منسوخ کرانا شروع کئے اور نئے ملبوسات کی جگہ پرانے کپڑوں سے کام چلانے پر اکتفا کی۔ مصنوعات کی مقدار نہائت تیزی سے گھٹنے لگی۔ کارخانے بند ہو گئے اور لاکھوں کی تعداد میں بیروزگار افراد مفت خوراک حاصل کرنیکی خاطر گھنٹوں قطار میں کھڑے رہتے۔ ۱۹۳۲ء کے اختتام تک ایک کروڑ بیس لاکھ سے زائد افراد بیروزگاری اور نا امیدی کا شکار ہو چکے تھے۔ بینک دیوالیہ ہو رہے تھے۔ رہن کا سلسلہ بند کر دیا گیا تھا اور ملک جس تباہی سے دوچار ہو رہا تھا اس پر قابو پانے اور اس سے بچنے کے آثار دور دور تک نظر نہیں آ رہے تھے۔

اس معاشی کساد بازاری کا شکار دوسرے بیرونی ممالک بھی ہو گئے کیونکہ چچا سام نے، جو اب تک نہائت فیاضی سے ان ممالک کی معاشی امداد کر رہے تھے، دفعتاً اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور نہ صرف قرضوں کا سلسلہ یکدم بند کر دیا بلکہ "اسمتھ ہالے ایکٹ" کے ذریعہ محصولات میں اس حد تک اضافہ کر دیا جتنا پہلے کبھی نہ ہوا تھا۔ امریکہ کے اس انتہائی اقدام کے باعث جرمنی کا اقتصادی نظام بھی درہم برہم ہو گیا اور وہ معاشی طور پر قریب قریب دیوالیہ ہو گیا۔ کوئی اور صورت نہ دیکھ کر جرمن قوم 'ایڈولف ہٹلر' نامی متشدد اور فاشسٹ شخص کی طرف متوجہ ہو گئی اور اپنی ساری امیدیں اس شخص سے وابستہ کر دیں جسنے اپنی قوم کو اس معاشی بحران سے بسلامت باہر نکال لینے کا وعدہ کیا۔ اپنی برآمدات میں اضافہ کرنے کی کوشش میں برطانیہ نے اپنے سکہ میں سونے کے تناسب کے معیار میں تخفیف کر دی تاکہ اس طرح غیر ملکی باشندوں کو ایک اونس سونے کے بدلے انگریزی سکوں کی زیادہ تعداد حاصل ہو سکے۔ دوسری طرف بحرالکاہل کے اس پار جاپان نے

جو چھ کروڑ محنتی باشندوں پر مشتمل تھا اور کثرت آبادی کا شکار تھا، اس عالمی اقتصادی بحران سے فائدہ اٹھاتے ہوئے منچوریا پر حملہ کر دیا اور اسے چین سے چھین کر اپنی مملکت میں شامل کر لیا۔ جاپان کا یہ جارحانہ اقدام کیلگ برائینڈ" معاہدے اور دوسرے سمجھوتوں کی کھلم کھلا خلاف ورزی تھی۔

معاشی بحران کے آغاز میں صدر ہوور نے امریکی عوام کو اس بات کی یقین دہانی کرانے کی کوشش کی کہ دراصل اس واقعہ کی کوئی سنگین اہمیت نہیں ہے۔ اس حقیقت سے آگاہ کرتے ہوئے کہ قوم اس سے قبل بھی اس قسم کے بحرانوں کا شکار ہو چکی ہے، صدر ہوور نے روشن مستقبل کی پیشینگوئی کی اور عوام کو یقین دلایا کہ خوش حالی اور فارغ البالی کی منزل زیادہ دور نہیں ہے۔ مگر جیسے جیسے عوام میں پریشانیوں اور افلاس کا سلسلہ بڑھتا گیا، مسٹر ہوور نے ریپبلکن پارٹی کے اس روایتی اصول کو ترک کر دیا جسکے تحت معاشی قوتوں کو اپنا راستہ خود منتخب کرنے کے لئے آزاد چھوڑ دیا گیا تھا۔ اس اصول سے انحراف کرتے ہوئے صدر ہوور نے مثبت اقدامات کرنے کے ایک واضح پروگرام پر عمل پیرا ہونا شروع کر دیا۔ اس نے بیرونی جنگی قرضوں کے باضابطہ التوا کا اعلان کیا۔ اس نے کانگریس کو ایک "تعمیر نو مالی کارپوریشن" کے قیام پر آمادہ کر لیا جس کا مقصد فیل ہوتے ہوئے بینک، ریلوے نظام اور دوسری صنعتوں کو مالی امداد دینا تھی۔ ایک اور کارپوریشن کا قیام عمل میں لایا گیا جس کا نام "قرضیاتی کارپوریشن برائے مالکان مکان" تھا، یہ کارپوریشن ان باشندوں کو انفرادی طور پر قرضے دیتی تھی جو اپنے مکانوں سے بیدخل ہونیکے خطرہ سے دوچار تھے۔

ان اقدامات کے باوجود ہوور کا یہ پروگرام اس قوم کو ناکافی محسوس ہوا جو اپنی خود اعتمادی کھو بیٹھی تھی اور ایک ایسی منزل کی طرف لڑکھڑاتی ہوئی بڑھ رہی تھی جہاں افراتفری اور ابتری کے علاوہ کچھ اور نظر نہیں آ رہا تھا۔ چنانچہ ۱۹۳۲ء کے صدارتی انتخاب کے وقت جب صدر ہوور دوسری میعاد کے لئے پھر ریپبلکن پارٹی کے امیدوار کی حیثیت سے عوام کے سامنے آیا تو یہ ناگزیر نتیجہ پہلے ہی اخذ کر لیا گیا تھا کہ اسکا وقت پورا ہو چکا ہے۔

زبردست اکثریت سے کامیاب ہو کر ڈیماکریٹس دوبارہ برسر اقتدار آ گئے اور انکے صدارتی امیدوار نیویارک کے گورنر 'فرنکلین ڈیلانو روزویلٹ' نے کرسی صدارت سنبھالی۔ انتظامیہ کا یہ سربراہ تھیوڈور روزویلٹ کا دور کا چچازاد بھائی تھا۔ اس کا تعلق ایک دولتمند اور امیر خاندان سے تھا۔ فرنکلین روزویلٹ ہارورڈ کا گریجویٹ تھا اور صدر ولسن کے زمانے میں بحریہ کا نائب سکریٹری رہ چکا تھا۔ سنہ ۱۹۲۰ء کے صدارتی انتخاب میں ڈیماکریٹس نے اسے نائب صدر کے لئے اپنا امیدوار بھی منتخب کیا تھا۔ بچپن ہی میں فالج کا شکار ہو جانے کے باعث روزویلٹ اپنے پیروں کے آزادانہ استعمال سے محروم ہو چکا تھا اور بڑی مشکلوں سے وہ تھوڑا بہت پیدل چل پاتا تھا۔

دوطرفہ تجارتی معاہدے، کاشتکاروں اور بے روزگاروں کو وفاقی مالی امداد، بینکوں اور اسٹاک مارکٹوں پر حکومت کا کنٹرول شراب بندی کے قوانین کی تنسیخ اور سرکاری اخراجات میں تخفیف۔ یہ وہ اقدامات تھے جو ڈیماکریٹک پارٹی کے انتخابی منشور کا اہم جز تھے اور جن پر عمل کرنیکا عوام سے وعدہ کیا گیا تھا۔ آخری اقدام کے علاوہ باقی وعدوں پر اس تندہی سے عمل کیا گیا کہ عوام بھی حیران رہ گئے۔ بڑے بڑے مفاد پرستوں کو ہٹا کر اب انکی جگہ ایک عظیم حکومت نے لے لی تھی۔ ایسی حکومت جو عوام کی زندگیوں اور انکے مسائل میں براہ راست برابر کی شریک ہو گئی تھی، انکو مالی امداد دے رہی تھی، ٹیکسوں میں اضافہ کر دیا تھا، صنعتی کاریگروں کی اجرت اور مصنوعات کی قیمتوں کو منضبط کر کے ایک معیار پر لے آئی تھی اور کاشتکاروں کو اس بات کا مشورہ دے رہی تھی کہ وہ کتنی زمین پر کاشت کریں۔ یہ سارے اقدامات اس 'نیوڈیل' کا ایک جز تھے جنکا صدر نے عوام سے وعدہ کیا تھا۔

مارچ سنہ ۱۹۳۳ء کے افتتاحی اجلاس میں تقریر کرتے ہوئے روزویلٹ نے عوام کو آگاہ کیا کہ "اب ہماری زندگی میں لفظ خوف کے علاوہ کوئی چیز قابل خوف نہیں۔ ایک طرف تو صدر کا یہ اعلان جاری ہو رہا تھا اور دوسری طرف ملک ایک نئے مالی بحران سے دوچار ہو رہا تھا جسکے

باعث لوگوں میں خوف وہراس پھیل رہا تھا۔ سارے ملک میں بینک بند ہو گئے تھے اور سکہ کا کاروبار غیر یقینی حالت میں اور وہ بھی صرف نقد شکل میں ہو رہا تھا۔ اس بحرانی کیفیت پر قابو پانے کیلئے صدر نے فوری طور مثبت اقدامات کئے اور اُسنے تمام بینکوں میں چھٹی کا اعلان کر دیا تاکہ ان بینکوں کی مالی حالت اور ساکھ کی باقاعدہ جانچ پڑتال کی جاسکے جن بنکوں کی مالی حالت بہتر تھی اور ان میں اپنے پیروں پر کھڑا ہونیکی صلاحیت تھی ان کو ضرورت کے مطابق مزید قرضے دیکر دوبارہ کاروبار شروع کرنیکی اجازت دیدی گئی۔ جنمیں اتنی سکت نہیں تھی ان کو بند کر دیا گیا۔

اسکے فوراً ہی بعد چند فوری اقدامات کے ذریعہ روزویلٹ نے ملک کا تمام سونا اور چاندی عوام سے واپس لے لیا اور اسے حکومت کے خزانے کی تحویل میں دیتے ہوئے اعلان کر دیا کہ اب کاغذی نوٹوں کو سونے اور چاندی میں تبدیل کرنیکی اجازت نہیں رہی۔ اس طرح ملک میں سکوں کے سلسلے میں سونے کا معیار ختم کر دیا گیا۔ اسکے باوجود یہ حقیقت کہ حکومت کی تحویل میں سونے اور چاندی کے بڑے بڑے ذخیرے ہیں، ملک میں سکہ کی قیمت کو کافی حد تک مستحکم کیے رہی حالانکہ ڈالر کی سونے کی قوت خرید کم ہو گئی تھی اور کثیر تعداد میں کاغذی نوٹ جاری کر دیئے گئے تھے۔ حکومت نے اپنی نگرانی میں اور بڑی احتیاط سے ایک خاص مقدار میں افراط زر کی اجازت دیدی۔ اسے امید تھی کہ اس اقدام سے وہ چیزوں کی قیمتوں میں اضافہ کر کے تجارت کو سہارا دیکر اپنے پیروں پر کھڑا کرنے میں کامیاب ہو جائیگی۔

عوام کو اس بحرانی کیفیت سے نکالکر حالات معمول پر لانے کیلئے صدر نے یہ تجویز پیش کی کہ نہ صرف تاجروں اور بڑے بڑے سرمایہ کاروں کی مدد کی جائے جن سے توقع تھی کہ وہ آگے چلکر فیاضی اور وسیع القلبی کا ثبوت دیتے ہوئے اپنے سے کمتر افراد کی مدد کرینگے، بلکہ عوام کے ان ضرورت مند افراد کی مدد کر کے کم آمدنی گروپ والوں کی قوت خرید میں بھی اضافہ کیا جائے جن کو ابتک قطعی طور پر نظر انداز کیا جاتا رہا تھا۔ مختصراً یہ کہ قوم کو اپنے پیروں پر کھڑا کرنے کیلئے

موجودہ معاشی ڈھانچے کے دونوں سروں پر مالی امداد سے آبیاری کرنیکی ضرورت تھی۔

بڑے بڑے صنعت کاروں کی امداد کیلئے "تعمیر نو مالی کارپوریشن موجود تھی جسے کافی ترقی دیدی گئی تھی تاکہ وہ فیل ہوتی ہوئی صنعتوں کو مالی امداد کا سہارا دیکر انہیں دوبارہ صنعتی میدان میں اپنے قدم جمانے کا موقع دے سکے۔ صنعتوں کے لئے مالی کارپوریشن سے بھی زیادہ اہم جو چیز ثابت ہوئی وہ قومی صنعتی بحالی کا ایکٹ' تھا جس کا مقصد تجارت میں قیمتوں میں مقابلے کے رجحان کو کم کرنا تھا۔ اس طرح کساد بازاری کے زمانے میں قیمتوں میں مزید تخفیف کے رجحان کا خاتمہ کر دیا گیا۔ سنہ ۱۹۳۳ء میں جب قومی صنعتی بحالی کے اس ایکٹ پر عمل درآمد شروع ہوا تو اسے انتظامیہ اور مزدور دونوں کا اعتماد حاصل تھا۔

اس ایکٹ کے تحت ہر صنعت کے بڑے بڑے اہلکاروں نے باہمی سمجھوتے سے کچھ اصول مرتب کئے اور ان پر عمل پیرا ہونیکا وعدہ کیا۔ اپنی مصنوعات کو مقرر کردہ قیمتوں پر فروخت کرنا، تجارت میں ایمانداری کو برقرار رکھنا اور کاریگروں اور مزدوروں کی اجرت اور کام کرنے کے اوقات میں یکسانیت پیدا کرنا اس سمجھوتے کے بنیادی نکات تھے۔ اس اخلاقی سمجھوتے کو صدر کی جانب سے مقرر کردہ ماہرین کے بورڈ کے سامنے نظر ثانی کیلئے پیش کیا گیا تاکہ اس سمجھوتے کے نکات قابل اطمینان ہوں تو ان پر عمل پیرا ہونیکی اجازت دیدی جائے اور انتظامیہ برائے قومی بحالی' کے ذریعہ انکا نفاذ کر دیا جائے۔ صنعتکاروں کو اس طرح گروپ بندی کرنے اور اپنے مفادات کی حفاظت کرنیکا دوبارہ موقع مل گیا۔ اسکے بدلے میں حکومت نے صنعتکاروں سے وعدہ لیا کہ وہ مزدوروں کے اس حق کو مان لیں گے کہ وہ اپنے مطالبات منوانے کیلئے اپنی یونین کے ذریعہ انتظامیہ سے گفت و شنید کر سکتے ہیں۔

معاشی ڈھانچے کے دوسرے سرے پر بھلائے ہوئے عوام تھے جنکی بہبودی کے لئے وفاقی حکومت نے بہت سی مختلف تجاویز پر عمل کرتے ہوئے کئی ایجنسیاں تشکیل کیں۔ ان ایجنسیوں کے قیام کی سفارش ماہران اقتصادیات اور کالج پروفیسروں پر مشتمل ایک کمیٹی نے کی جو صدر کو

مشورے دینے کیلئے قائم کی گئی تھی۔ تاریخ میں پہلی مرتبہ حکومت نے ضرورت مند افراد کی براہ راست امداد کیلئے ایک فنڈ قائم کیا جسکی تقسیم ایک سرکاری ادارے کے ذریعہ کی گئی۔ اس ادارے کا نام "انتظامیہ برائے وفاقی ہنگامی امداد" تھا۔ تاہم جہاں تک ممکن تھا براہ راست امداد سے احتراز کیا گیا اور بیروزگاروں کو حکومت کے قائم کردہ "ورکس پروگریس ایڈمنسٹریشن"، "سویلین کنزرویشن کارپس" اور اسی قسم کے دوسرے پروگراموں میں روزگار کے مواقع فراہم کئے گئے۔ سڑکوں کی تعمیر، جنگلوں کی کاشت اور عوامی عمارتوں کی تعمیر کے سلسلے میں بہت سا مفید کام انجام دیا گیا۔ پڑھے لکھے اوسط طبقے سے متعلق افراد مثلاً کلرک، مصنف، آرٹسٹ اور موسیقاروں کے لئے انہیں سے متعلق روزگار فراہم کئے گئے۔

کاشتکاروں کی امداد کیلئے 'قانون انضباطِ زراعت' رائج کیا گیا۔ اس قانون کے تحت غیر محدود کاشت پر پابندی لگادی گئی تاکہ ملک میں فاضل غلّے کی پیداوار کے باعث قیمتوں میں کمی کے رجحان کو روکا جاسکے۔ کاشتکاروں کو معاوضہ دیا گیا تاکہ وہ غلّہ اور مویشی ایک مقررہ تعداد سے زیادہ نہ بڑھائیں۔ قابل کاشت اراضی کو خالی چھوڑ دیا گیا اور فاضل غلّہ کو تباہ کر دیا گیا۔ حکومت کی اس پالیسی پر کڑی نکتہ چینی کی گئی۔ ریاست ہائے متحدہ اور دوسرے بیرونی ممالک میں لاکھوں کروڑوں افراد بھوک کا شکار تھے مگر وہ غلّہ خریدنے کی استطاعت نہیں رکھتے تھے۔ اس کے باوجود سیاسی طور پر ایسی کوئی صورت ممکن نظر نہیں آتی تھی جسکے ذریعہ ان بھوکے افراد کی مدد کی جاسکتی۔

حکومت نے دریائے ٹینے سی کی وادی میں ایک عظیم منصوبہ کا آغاز کیا جسکے تحت جنوب کے وسطی علاقے کی تقریباً چھ لاکھ چالیس ہزار مربع میل زمین کو ترقی دیکر قابلِ استعمال بنانے کی کوشش کی گئی۔ پہلی عالمی جنگ کے دوران حکومت نے ریاست الباما کے مقام 'مسل شولس' میں ایک بند اور گولہ بارود کے کئی کارخانے تعمیر کئے تھے۔ جنگ کے خاتمے کے بعد حکومت نے ان کارخانوں کو فروخت کرنیکی ناکام کوشش کی۔ چنانچہ ۱۹۳۳ء میں حکومت نے اپنی نگرانی میں "ٹینے سی ویلی اتھارٹی" کے نام سے ایک خودمختار ادارہ قائم کیا۔ اس ادارے کے قیام کا مقصد وادی میں موجود

بند اور کارخانوں کو دوبارہ استعمال میں لاکر کھاد اور بجلی تیار کرتا تھا۔ چنانچہ اس منصوبے پر عمل درآمد کرتے ہوئے اس ادارے نے مزید بند اور بجلی گھر تعمیر کئے تاکہ اس وادی کے پسماندہ علاقے کو ترقی دی جاسکے۔ ان اقدامات کے باعث کثیر مقدار میں سستی بجلی فراہم ہونا شروع ہوگئی اور دریاؤں کی مسلسل طغیانیوں کو، جو اس علاقے کی ترقی میں رکاوٹ بنی ہوئی تھیں، روکدیا گیا۔ کاشتکاری کے ماہرین کو خاص طور سے مقرر کیا گیا جنہوں نے اس علاقے کے باشندوں کو زمین بہتر بنانے اور کاشت میں اضافے کے جدید سائنسی طریقوں سے روشناس کرایا۔ چند سال کے اندر ہی وہ وادی جو کہ ابتک پسماندہ علاقوں میں شمار ہوتا تھا، دیکھتے ہی دیکھتے کارخانوں اور ملوں سے گونجنے لگی اور وہ زمین جو بنجر کہلاتی تھی سونا اگلنے لگی۔

مستقبل کی ضرورتوں کا خیال کرتے ہوئے نیوڈیل کے تحت ایک نیا قانون سماجی حفاظتی ایکٹ' پاس کیا گیا جسکے ذریعہ عوام کو روزمرہ کی عام تکلیفوں اور پریشانیوں سے محفوظ رکھنے کا انتظام کیا گیا۔ روز ویلٹ کے اس پروگرام میں، جسپر آجتک عمل ہو رہا ہے، مزدوروں کی بے روزگاری کا انشورنس، بڑھاپے کے لئے پنشن، دست نگر بچوں کے لئے امداد اور ضرورت مندوں، اندھوں اور بیماروں کے لئے وظیفے شامل ہیں۔ ضرورت مندوں کے لئے اس حفاظتی اقدام کا خرچ وفاقی حکومت کے قائم کردہ فنڈ سے پورا ہوتا ہے جس کا انتظام اور تقسیم ریاستوں کے ذریعہ انجام دیا جاتا ہے۔ وفاقی حکومت کے علاوہ اس فنڈ میں جزوی طور پر مزدور، آجر اور ریاستی اور بلدیاتی حکومتوں کی امداد بھی شامل ہے۔

۱۹۳۰ء میں ہی حکومت کے اہلکاروں نے اس حقیقت کا آزادانہ اعتراف کرلیا تھا کہ نیوڈیل پروگرام کا بیشتر حصہ تجرباتی ہے اور وقت کی اشد ضرورتوں کو پورا کرنے کی خاطر بہت جلدی میں تیار کیا گیا ہے۔ واشنگٹن سے جاری کردہ حب الوطنی پر مشتمل اس پروگرام کا عوام پر کیا ردّعمل ہوا؟ اس پروگرام کا بیشتر حصہ عوام نے نہائت ممنونیت کا ساتھ قبول کرلیا اور فرینکلن ڈی۔ روز ویلٹ ان لاکھوں افراد کا محبوب ہیرو بنگیا جن کو اسنے کم از کم عارضی طور پر پریشانیوں اور مصیبتوں سے نجات دلائی تھی۔ خاص طور سے کاشتکار اور مزدور اسکے گرد جمع ہوگئے تھے۔

اس کے برعکس امریکی عوام کی اقلیت کی ایک کثیر تعداد نے، جو خاص طور پر تاجروں اور صنعتکاروں پر مشتمل تھی، جلد ہی نیو ڈیل کے ان پروگراموں میں دلچسپی لینا چھوڑ دی اور انہوں نے اس پروگرام کی نہ صرف مخالفت شروع کردی بلکہ اس سے اپنی سخت نفرت کا اظہار کیا۔ اس حقیقت سے انکار نہیں تھا کہ حکومت ضرورتمند افراد کی امداد کر رہی تھی اور اس کا یہ جذبہ قابل ستائش تھا۔ اس کے علاوہ خود تجارت اور صنعت نے کھوئی ہوئی ساکھ دوبارہ حاصل کرنا شروع کردی تھی مگر سوال یہ تھا کہ ڈالر کہاں سے آرہے تھے؟ اگرچہ ٹیکسوں میں خاطر خواہ اضافہ ہوگیا تھا مگر اسکے باوجود کسی بھی ٹیکس پروگرام سے یہ امید نہیں کی جاسکتی تھی کہ اس کے ذریعہ ان لاتعداد منصوبوں کی تکمیل کا عظیم مالی بوجھ برداشت کیا جاسکیگا جن کی منصوبہ بندی کمیشن کے اعلیٰ دماغ سفارش کر رہے تھے۔ قومی سکوں میں سونے کا معیار ختم کر دیا گیا تھا اور قومی قرضہ میں ہر سال کروڑوں ڈالر کی تعداد میں اضافہ ہو رہا تھا۔ چنانچہ ماہرین معاشیات اس بات کی پیشینگوئی کر رہے تھے کہ جس فضول خرچی اور ناعاقبت اندیشی سے قومی دولت برباد ہو رہی ہے اس سے قوم بہت جلد معاشی تباہی کے دہانے پر پہونچ جائیگی۔

نیو ڈیل کے مخالفوں اور نکتہ چینوں نے اسی سرگرمی سے اسکی مذمت کرتے ہوئے نیو ڈیل کو اشتراکیت اور غیر امریکیت سے تعبیر کیا۔ اپنے نقطہ نظر کی وضاحت کرتے ہوئے انہوں نے مزید کہا کہ اپنی تمام خوبیوں کے باوجود ٹینے سی ویلی اتھارٹی کا مقصد آزاد تجارت کے بنیادی نظام پر ایک کاری ضرب لگانا ہے۔ انہوں نے سوال کیا کہ حکومت کو اس بات کا کیا حق ہے کہ وہ ملک کے بڑے علاقہ کو اپنی تحویل میں لے لے اور وہاں اتنی سستی بجلی پیدا اور فراہم کرنا شروع کردے کہ پرائیویٹ بجلی کمپنیاں اس کا مقابلہ نہ کرسکیں اور مالی طور پر دیوالیہ ہو جائیں۔ انہوں نے الزام لگایا کہ ٹینے سی، ویلی اتھارٹی تمام ملک کے ٹیکس دہندگان پر ایک بوجھ ہے اور وہ اس کثیر رقم سے بظاہر کوئی فائدہ نہیں اٹھا رہے ہیں جو اس اتھارٹی پر نہایت فیاضی سے خرچ کی جا رہی ہے۔

نیو ڈیل کے اصولوں پر اپنی ناپسندیدگی کے اظہار کے ساتھ ہی تاجروں کی ایک کثیر تعداد

ان کے معاملات میں حکومت کی دخل اندازی کی پالیسی کی شدت سے مخالفت کی جس کے ذریعہ بقول انکے حکومت انکا گلا گھونٹ رہی تھی۔ مثال کے طور پر وال اسٹریٹ نے اس بات پر شدید احتجاج کیا کہ سیکیوریٹیز اور ایکسچینج کمیشن' نے ان کے کاروبار پر سخت پابندیاں عائد کر رکھی ہیں صنعت کاروں نے صدائے احتجاج بلند کی کہ 'قومی لیبر ریلیشن ایکٹ' کے تحت مزدوروں کو اسقدر وسیع حقوق دیدئے گئے ہیں کہ وہ اجتماعی طور پر اپنے مطالبات پیش کر کے صنعتکاروں کو انہیں منظور کرنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ صنعتکاروں نے مزید الزام لگایا کہ ایسے متعدد کیسوں میں جہاں مزدوروں اور انتظامیہ کے جھگڑوں میں حکومت نے ثالثی کے فرائض انجام دئے سارے فیصلے مزدوروں کی تنظیم کے حق میں دئے گئے جو اب دو بڑی جماعتوں کے تحت منظم طور پر ترقی کر رہے تھے یعنی "مزدوروں کی امریکن فیڈریشن" اور "نئی صنعتی تنظیم کی کانگریس"۔

اپنی تمام مخالفت کے باوجود نیو ڈیل کے مخالفین ۱۹۳۶ء کے صدارتی انتخاب میں زیادہ قوت حاصل نہ کر سکے۔ پچھلے چار سالوں کی کارکردگی کا جائزہ لیتے ہوئے عوام نے صدر روز ویلٹ کا ساتھ دیا اور کثیر اکثریت سے روز ویلٹ کو دوبارہ صدارت کے عہدہ پر نامزد کر دیا۔ روز ویلٹ کے مخالف کنساز کے گورنر الفرڈ ایم۔ لینڈن کو صرف دو ریاستوں 'مین' اور 'ورمانٹ' میں کامیابی حاصل ہوئی۔

عوام کی زبردست تائید حاصل کرنیکے بعد روز ویلٹ نے اپنی دوسری صدارتی میعاد کے آغاز سے ہی سپریم کورٹ سے ٹکر لینے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ سپریم کورٹ نے جو بیشتر قدامت پسند ججوں پر مشتمل تھی، نیو ڈیل کے تحت کئے گئے بہت سے اقدامات کو غیر قانونی قرار دیدیا تھا جن میں قومی صنعتی بحالی کا قانون اور قانون انضباط زراعت بھی شامل تھا۔ عدالت کو وسیع النظر بنانیکی خاطر صدر روز ویلٹ نے یہ تجویز پیش کی کہ عدالت کا ہر جج ۷۰ سال کی عمر میں ریٹائر کر دیا جائے اور صدر کو یہ بھی اختیار دیا جائے کہ ہر اس جج کی جگہ جو ریٹائر ہونے سے انکار کر دے وہ ایک مزید جج کی تقرری کرتا رہے یہاں تک کہ عدالت میں

ججوں کی تعداد پندرہ تک پہونچ جائے۔

روز ویلٹ کی اس تجویز پر عوام نے اسکی حمائت کرنے سے انکار کر دیا۔ بیشتر افراد کا خیال تھا کہ اس تجویز پر عمل کرنے سے انتظامیہ میں روک تھام اور توازن قائم رکھنے کے بنیادی اصولوں کا انتظام درہم برہم ہو جائیگا۔ اس تجویز کو رد کرتے ہوئے سینٹ نے اس حقیقت کی طرف توجہ دلائی کہ انتظامیہ کے ان اقدامات سے عدلیہ کی آزادی خطرے میں پڑ جائیگی۔ اسکے باوجود انتظامیہ اور عدلیہ کی اس جدوجہد میں درحقیقت روز ویلٹ کو نمایاں کامیابی حاصل ہوئی کیونکہ اس دن کے بعد سے عدالت نے یہ خطرہ محسوس کرتے ہوئے کہ اسکی آزادی پر مزید حملوں کی کوشش نہ کی جائے نیو ڈیل کی پالیسیوں پر حکومت کی موافقت میں فیصلے دینا شروع کر دئے۔

اسی دوران ۱۹۳۷ء کی اول نصف مدت میں تجارتی منڈیوں میں مصنوعات کی قیمتوں میں کافی اضافہ ہوا مگر موسم گرما کے آغاز کے ساتھ ہی قیمتوں میں کمی کا رجحان بڑھنے لگا اور دیکھتے ہی دیکھتے نہ صرف مصنوعات کی قیمتیں خطرناک حد تک گر گئیں بلکہ بیروزگاری میں بھی شدید اضافہ ہو گیا۔ تجارت میں کساد بازاری اور قیمتوں کے اُتار کی ایک بنیادی وجہ صدر کی ان استبدادی پالیسیوں کی طرف سے صنعت کاروں اور تاجروں کی بے اعتمادی تھی جسکا اظہار صدر کی ان کوششوں سے ہوا تھا جو اس نے عدالت کے نظام کو تبدیل کرنے کے سلسلے میں کی تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ زمانۂ امن میں کثیر رقوم خرچ کرنے کے باوجود نیو ڈیل قومی معیشت کو مستحکم خوش حالی مہیا کرنے میں ناکام رہی۔ اسکے باوجود فراموش کردہ عوام کی موافقت میں نئے نئے قانون وضع کر کے نیو ڈیل نے اپنی مقبولیت برقرار رکھی۔ کوئی شخص بھی یقینی طور پر یہ بات نہیں بتا سکتا کہ آیا جنگ سے قبل کے سیاسی حالات میں ایک 'اصرافی پروگرام' ملک کے کساد بازاری کے مسئلہ کو کس طرح حل کر سکتا تھا کیونکہ دوسری جنگِ عظیم میں امریکہ کی شمولیت کے باعث حکومت نے اس سے بڑے بڑے پروگراموں کو ختم دینا شروع کر دیا اور بیروزگاری'

بھوک اور افلاس کا اچانک خاتمہ کر دیا۔

کئی صورتوں میں حکومت کی خارجہ پالیسی اتنی ہی موثر ثابت ہوئی جتنے اسکے داخلی پروگرام تھے۔ مغربی نصف کرہ میں لاطینی اور جنوبی امریکہ سے متعلق تھیوڈور روز ویلٹ کی سخت روی کی پالیسی کو اس کے جانشین صدر ہوور نے ترک کر کے ہمسایہ ممالک کیساتھ اچھے تعلقات برقرار رکھنے کی پالیسی پر عمل کرنا شروع کر دیا تھا۔ صدر روز ویلٹ نے اچھے ہمسائیگی کی اس پالیسی کو برقرار رکھا۔ چنانچہ اب اپنے ہمسایہ جمہوری ممالک کے داخلی امور میں امریکی مداخلت کے باعث پیدا ہونیوالی چپقلشوں کا خاتمہ ہو گیا۔ کیوبا پر سے امریکی تحفظ کا خاتمہ کر دیا گیا اور اسے مکمل آزادی دیدی گئی۔

دوسرے علاقوں میں بھی امریکہ نے اپنا اعتماد اور وقار بحال کرنیکی کوشش کا ثبوت دیا اور فلپائنز سے اس بات کا وعدہ کیا کہ جس وقت بھی وہ اپنے معاملات خود سنبھالنے کے قابل ہو جائیں گے ان کو آزادی دیدی جائیگی۔ اس کے ساتھ ہی سکریٹری آف اسٹیٹ "کارڈل ہل" نے ڈیماکریٹس کے سامنے محصولات کے مسئلہ کا حل بھی پیش کر دیا۔ ہل نے کانگریس سے بیرونی ممالک سے باہمی تجارتی سمجھوتے کرنیکا اختیار حاصل کر لیا۔ ان سمجھوتوں کے تحت امریکہ کی بین الاقوامی تجارت ایک مرتبہ پھر بحال ہو گئی۔

اس دوران ساری دنیا میں جنگ کے بادل نہایت تیزی سے چھا رہے تھے۔ یورپ میں ایڈولف ہٹلر نے جو جرمنی کا فاشسٹ مطلق العنان حاکم بن بیٹھا تھا، اس بات کا عہد کیا کہ ورسیلز معاہدے کے تحت جرمنی کا جتنا بھی نقصان ہوا وہ اسے دوبارہ حاصل کر لیگا چاہے اسکے لئے طاقت کا استعمال ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔ اس کا حلیف اٹلی کا ڈکٹیٹر 'میسولینی' اتھوپیا کیخلاف جارحانہ جنگ میں مشغول تھا۔ اسپین ایک خونریز خانہ جنگی کے دور سے گزر رہا تھا جس میں فاشستوں کو مکمل طور پر فتح حاصل ہو رہی تھی اور ایشیا میں جاپان چین پر چڑھائی کرنیکا منصوبہ بنا رہا تھا۔

بلشیتر مدت تک امریکی عوام عالمی سیاست کی اس صورت حال کو بڑی بے تعلقی سے نظر انداز کرتے رہے۔ لوگوں کے دلوں میں ابھی تک پہلی عالمی جنگ سے متعلق بڑی شدید مایوسی کا جذبہ چھایا ہوا تھا۔ جنگ کے مخالفوں کا خیال تھا کہ پہلی عالمی جنگ نوآبادیاتی طاقتوں کی کشمکش کا نتیجہ تھا۔ چنانچہ ریاست ہائے متحدہ کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ ۱۹۳۰ء میں جب وہ بین الاقوامی معاہدات منظرِ عام پر آئے جو اسلحہ ساز ممالک نے ایک دوسرے سے کر رکھے تھے تو امریکہ میں جنگ کے مخالفین کے جذبات اس شدت سے بھڑک اٹھے کہ کانگریس نے دو نئے قوانین پاس کئے جن سے اس بات کا تحفظ کیا گیا کہ ملک دوبارہ بیرونی ممالک کے جھگڑوں میں ملوث نہ ہو۔ پہلے قانون 'جانسن ایکٹ' کے تحت ان ممالک کو مزید قرضے دینے پر پابندی عائد کر دی گئی جنہوں نے پچھلے معاہدوں کی خلاف ورزیاں کی تھیں اور دوسرے قانون 'غیر جانبداری ایکٹ' کے تحت مستقبل کی جنگوں کے شریک ممالک کے ہاتھ جنگی ساز و سامان کی فروخت پر پابندیاں عائد کر دی گئیں اور امریکی عوام کو متنبہ کر دیا گیا کہ وہ ان جنگی ممالک کے جہازوں پر سفر نہ کریں ورنہ حکومت انکی حفاظت کی ذمہ دار نہ ہوگی۔

صدر روزویلٹ نے اس وقت تو ان معاہدوں کی توثیق کر دی جس وقت کانگریس نے انہیں پاس کیا تھا مگر جب ہٹلر نے رہائی لینڈ کو دوبارہ مسلح کرنا شروع کر دیا اور سارے یورپ کو تاخت و تاراج کرنیکے ارادے ظاہر کئے تو صدر نے ۱۹۳۷ء میں "جارحانہ قوتوں کا قرنطینہ کرو" کے موضوع پر تقریر کرتے ہوئے اس بات سے خبردار کیا کہ "بین الاقوامی لاقانونیت کا مرض بڑی تیزی سے پھیل رہا ہے۔ کسی شخص کو بھی یہ تصور نہ کرنا چاہئے کہ امریکہ اس سے محفوظ رہیگا۔" ہٹلر کا جرمنی میں بڑے پیمانے پر یہودیوں کا قتل عام اسکی جارحانہ فوجی پیشقدمیاں اور جمہوریت سے تنفر کے باعث جرمنی کے پچھلے دشمن ممالک کے دلوں میں یہ خوف بڑھتا گیا کہ عنقریب وہ عظیم پیمانے پر جنگی تباہ کاریوں کی ابتداء کرنیکا ارادہ رکھتا ہے۔ چنانچہ میونخ کانفرنس میں اسے خوش کرنیکی کوشش کی گئی جو ناکام رہی۔ آخرکار جب فیوررہر ہٹلر نے پولینڈ پر حملہ کیا

اور ستمبر ۱۹۳۹ء میں برطانیہ اور فرانس نے ہٹلر کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا تو صدر روزویلٹ نے کانگریس سے درخواست کی کہ وہ جنگی قوتوں کے قرنطینہ کے قانون کو کالعدم قرار دیدے تاکہ امریکہ اپنے حلیفوں کو سامان حرب پہونچا سکے۔ کانگریس نے صدر کی یہ درخواست اس شرط پر منظور کر لی کہ اسلحہ کی یہ فروخت زرنقد کی شکل میں ہونا چاہیئے۔

اسطرح دوسری عالمی جنگ کی ابتدا ہوئی اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ تاریخ ۱۹۱۴ء کے گذشتہ واقعات کو دُہرا رہی ہے۔ لیکن اس مرتبہ واقعات کے رونما ہونیکی شکل مختلف تھی۔ نوماہ کی خاموش تیاریوں کے بعد جرمن نازیوں نے فرانس، نشیبی ممالک، ڈنمارک اور ناروے پر اچانک حملہ کر دیا۔ اسکی فوجیں ان ممالک میں درانہ گھستی چلی گئیں اور انہیں مغلوب کر کے ہتھیار ڈالنے اور گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا۔ اس کے بعد ڈنکرک کے مقام پر برطانیہ کو زبردست شکست دیکر انہیں یورپ کے براعظم سے باہر نکالدیا۔

اب جرمنی اور اٹلی کی مشترکہ قوت کے سامنے برطانیہ تنہا رہ گیا تھا اور یقینی طور پر اس بات کا گمان غالب تھا کہ جلد ہی وہ بھی یا تو ہتھیار ڈالدیگا اور یا اس کی فوجیں بری، بحری اور ہوائی حملوں کے ذریعہ پیس کر رکھدی جائینگی۔ برطانیہ کی اپنے مورچوں پر آخری وقت تک جمع رہنے کی اس کوشش کی خبریں امریکی عوام تک اخبارات اور لندن ریڈیو کے ذریعہ برابر پہونچ رہی تھیں۔ مگر وہ اس بات پر متفق نہ ہوسکے تھے کہ ان کو کون سا راستہ اختیار کرنا چاہیئے۔ جنگ میں مداخلت کے حامیوں کا نظریہ تھا کہ " برطانیہ کی جنگ ہماری جنگ ہے۔ اگر اسے شکست ہوگئی تو جرمنی کی فہرست پر ہمارا دوسرا نمبر ہے " اس کے جواب میں مداخلت کے مخالفین کا نعرہ تھا کہ " امریکہ کو بہرحال اس جنگ سے الگ رہنا چاہیئے اور امریکہ کے لئے اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ فتح کس کی ہوتی ہے "

صدر روزویلٹ کی تمام ہمدردیاں برطانیہ کے ساتھ تھیں۔ ستمبر ۱۹۴۰ء میں اپنے اختیارات سے کام لیتے ہوئے اسنے اپنے پچاس تباہ کن جہازوں کا برطانیہ سے سودا کر لیا جنکی اسے

شدید ضرورت تھی۔ اس کے بدلے میں امریکہ کو برطانیہ کے نوآبادجزیروں میں اپنے بحری اڈے قائم کرنیکا حق مِلگیا۔ بہت سے امریکیوں نے صدر روزویلٹ کے اِس اقدام کی مخالفت کی اور اسے غیر جانبداری کی پالیسی کی خلاف ورزی قرار دی۔ مگر اس کے ساتھ ہی امریکیوں کی اتنی ہی بڑی تعداد نے اس اقدام کی حمائت کی۔ کانگریس نے ایک قانون پاس کیا جسکے تحت حفاظت خود اختیاری کیلئے فوج میں نسا؛ کیا جانے لگا اور بہت سے کارخانوں کو سامان حرب تیار کرنیوالے کارخانوں میں تبدیل کر دیاگیا۔

جنگی تیاریوں کے اس ہیجانی دور میں جس سے ہر شخص ناآشنا تھا، ۱۹۴۰ء کے صدارتی انتخابات کرائے گئے۔ تیسری میعاد کیلئے انتخاب میں حصّہ نہ لینے کی روائت کی کامیابی سے خلاف ورزی کرتے ہوئے روزویلٹ نے وینڈیل ولکی کو شکست دیدی جو عوامی افادیت کی ایک ممتاز شخصیت تھی اور جو کچھ عرصہ پیشتر ٹینسی ویلی اتھارٹی کے خلاف جدوجہد کرنے کے باعث سیاسی لیڈر کی حیثیت سے عوام کے سامنے آیا تھا۔ اگرچہ دونوں لیڈر داخلی امور پر ایک دوسرے سے اختلاف رائے رکھتے تھے مگر خارجی پالیسی سے متعلق دونوں کے خیالات متفق تھے۔ دونوں کا نظریہ تھا کہ جنگ سے الگ رہتے ہوئے برطانیہ کو ہر ممکن امداد دینا چاہیئے۔

۱۹۴۱ء کے گزرنے کے ساتھ ساتھ جرمنی اور اٹلی کے خلاف جدوجہد میں کامیابی حاصل کرنے کے احکامات کم ہوتے گئے۔ جاپان مشرق بعید پر اپنا اقتدار قائم کرنے پر مصر تھا اور "مشترکہ خوشحالی کا علاقہ برائے عظیم مشرقی ایشیا" کے تحت نازیوں کا حلیف بنگیا تھا۔ یورپ میں جرمنی نے یونان اور یوگوسلاویا کو روند ڈالا تھا اور نہ صرف روس کے خلاف اعلان جنگ کر دیا تھا بلکہ اسکے علاقے میں دُور تک داخل ہوگیا تھا۔ رود بار انگلستان کے اس پار برطانیہ ابتک اپنے دشمنوں کیخلاف مورچہ آرا تھا اور حملے سے ابتک محفوظ رہنے کے باوجود وہ سخت خوفزدہ تھا۔

تیسری میعاد کے آغاز پر صدر روزویلٹ نے کانگریس کو آگاہ کرتے ہوئے کہا کہ ہر حقیقت پسند شخص جانتا ہے کہ اسوقت دُنیا کے ہر حصّے میں جمہوری طرز زندگی جارحانہ حملوں کا شکار ہو رہی ہے .....

میں افسوس کے ساتھ یہ اطلاع دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ ہمارے ملک کا مستقبل اور اس کی سلامتی اور ہماری جمہوریت ہر جگہ داؤں پر لگی ہوئی ہے۔ ......" اسکے بعد صدر نے اس بات پر زور دیا کہ ضروری اشیاء کی تیاری میں ہر ممکن کوشش کی جائے تاکہ انکی مدد سے استبدادی قوموں کی جارحانہ پیشقدمی کو روکا جاسکے۔ ساتھ ہی صدر نے عالمی بہبودی کے لئے ایک پروگرام کا خاکہ پیش کیا جس کی بنیاد چار قسم کی آزادیوں پر قائم کی گئی تھی یعنی تقریر اور اظہار رائے کی آزادی، مذہبی آزادی، افلاس سے آزادی اور جارحانہ قوتوں کے خوف سے آزادی۔

صدر روزویلٹ کی تجویز پر کانگریس نے فوری طور پر لینڈ لیز ایکٹ کا قانون پاس کر دیا جس کے تحت کروڑوں ڈالر کی مالیت کے سامان کی تیاری اور اسے برطانیہ اور روس میں تقسیم کرنیکی اجازت دیدی گئی تاکہ استبدادی قوتوں کا کامیابی کے ساتھ مقابلہ کیا جاسکے۔ اس بات پر سمجھوتہ ہو گیا تھا کہ جنگ کے بعد بچا ہوا کارآمد سامان یا تو واپس کر دیا جائیگا یا خرید لیا جائیگا اور جسقدر سامان استعمال میں آگیا ہوگا اسے معاف کر دیا جائیگا۔ ان سب اقدامات کا مقصد صرف یہ تھا کہ سمندر پار کے حلیف ممالک کو جلد سے جلد عسکری سامان کی امداد بروقت پہونچا کر ان کو شکست سے بچایا جائے۔ اس طرح نہ صرف ان ممالک کی ادائیگی کی صلاحیت کو جانچنے کی ضرورت نہیں پڑی بلکہ ان پر جنگی قرضوں کا بوجھ بھی نہیں پڑا جو جنگ کے بعد حلیف ممالک سے بہتر تعلقات قائم کرنے میں رکاوٹ ثابت ہوتے۔

حلیف ممالک کو بطور قرض دی جانیوالی ان اشیاء کو اپنے مقام تک پہونچانے میں امریکی تجارتی جہازوں اور امریکی بحریہ نے سرگرمی سے حصہ لیا جس کے باعث جرمن آبدوز کشتیوں سے کئی مقامات پر جھڑپیں پیش آئیں۔ بحر اوقیانوس میں اپنے قدم مضبوطی سے جمانے کی خاطر ریاست ہائے متحدہ نے اپنی فوجیں گرین لینڈ، آئس لینڈ اور شمالی آئرلینڈ کی ان بندرگاہوں پر متعین کر دیں جو بحری راستے میں واقع تھیں۔

اگست ۱۹۴۱ء میں صدر روزویلٹ نے برطانیہ کے وزیراعظم ونسٹن چرچل سے سمندر میں

کسی جگہ پر ملاقات کی اور "بحر اوقیانوس کا منشور" تیار کیا۔ اس منشور میں جنگِ عظیم میں فتح حاصل کرنے اور زمانۂ مابعد جنگ کے منصوبوں کا خاکہ پیش کیا گیا۔ دونوں رہنماؤں نے اس بات کا اعلان کر کے کہ وہ اجتماعی تحفظ بین الاقوامی اقتصادی امداد اور تخفیف اسلحہ کے حامی ہیں، موجودہ اقوامِ متحدہ کا سنگِ بنیاد رکھا۔

اگرچہ بحر اوقیانوس کے علاقے میں امریکہ اور جرمنی میں کشمکش بڑھتی جا رہی تھی مگر آخرکار امریکہ پر جو جنگ مسلط کی گئی وہ بالکل ہی مخالف سمت سے آئی۔ امریکہ نے جاپان کو جو فرانس کے انڈوچین اور تھائی لینڈ میں پیشقدمی کر رہا تھا، اس بات کی تنبیہہ کی کہ وہ سرزمین ایشیا پر اپنی فتوحات کا سلسلہ فوراً بند کر دے۔ چنانچہ جاپانیوں نے اپنے دو نمائندے واشنگٹن روانہ کیے جنکا مقصد ایک سمجھوتے کے بارے میں گفت و شنید کرنا تھا۔

اِدھر جبکہ گفت و شنید جاری تھی، جاپان کی بحری اور ہوائی فوج کی ایک کثیر تعداد نے امریکی جزیرے ہوائی کی بندرگاہ 'پرل ہاربر' کی طرف پیشقدمی کی اور ۷ دسمبر ۱۹۴۱ء کو امریکی بری اور بحری فوجوں اور ہوائی اڈوں پر ایک شدید حملہ کیا۔ یہ حملہ اچانک اور قطعی غیر متوقع تھا جسکے لئے امریکی فوجیں بالکل تیار نہیں تھیں۔ دشمن کی بمباری کے باعث ایک ایک کر کے امریکی جنگی جہاز سمندر کی تہہ میں بیٹھتے چلے گئے اور دو ہزار سے زائد افراد مارے گئے۔ اس حملے کے ساتھ ہی فلپائن، گوام اور دوسرے امریکی اڈوں پر بھی حملے کئے گئے۔ اس بات کا یقینی طور پر ابتک فیصلہ نہ ہو سکا کہ آیا پرل ہاربر کی دفاعی فوج کے سربراہ اپنے فرائض کی طرف سے غافل تھے یا واشنگٹن کے حکام نے اس اچانک حملے کے امکان کی طرف سے ان کو واضح طور پر آگاہ نہیں کیا تھا۔

۸ دسمبر کو صدر کی درخواست پر کانگریس نے جاپان کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔ برطانیہ نے بھی امریکہ کا ساتھ دیا۔ چنانچہ جرمنی اور اٹلی نے امریکہ کیخلاف جنگ کا اعلان کر دیا اور اسکے ساتھ ہی یہ جدوجہد ایک نیا موڑ لیکر دوسری عالمی جنگ کی شکل میں نمایاں ہو گئی جس کی بربریت اور خوفناکی کی نظیر تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے۔

دسواں باب

عہدِ حاضر

اگرچہ اپنے منشور کے تحت اقوامِ متحدہ کا ادارہ جون ۱۹۴۵ء سے پہلے قیام میں نہ آیا لیکن اسکی داغ بیل بہت پہلے پڑ چکی تھی۔ یکم جنوری ۱۹۴۲ء کو امریکہ اور فسطائی قوتوں کے خلاف لڑنیوالی بچیس دوسری قوموں نے واشنگٹن کے ایک جلسہ میں حصول فتح اور منشور اوقیانوس کی بنیادوں پر قیامِ امن کا عہد کیا تھا۔ اس عہد اور جنگ کے خاتمے کے درمیان ہولناک جنگ کے ساڑھے تین برسوں کی مدت حائل ہے۔

جہاں تک امریکہ کا تعلق ہے دوسری جنگِ عظیم کے مقابلہ میں پہلی جنگ عظیم کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ چالیس لاکھ سپاہیوں کی جگہ امریکہ نے ایک کروڑ بیس لاکھ فوجی حصول امن کی خاطر پیش کئے جن میں عورتوں کی بھی ایک مختصر تعداد شامل ہے۔ پہلی جنگِ عظیم کے ۳۶۴۰۰۰ ہلاک شدگان' دوسری جنگ عظیم کے دس لاکھ سے زیادہ ہلاک ہونے والوں کا صرف ایک تہائی حصہ تھے۔ ۱۹۱۹ء میں پہلی جنگِ عظیم کا قومی قرضہ ۲۷ بلین تھا اور ۱۹۴۵ء میں دوسری جنگِ عظیم کا قومی قرضہ ۲۷۹ بلین تھا۔ پہلی جنگِ عظیم کے قرض سے دس گنا' بلکہ اُس سے بھی زیادہ۔

جنگی پیداوار اور عسکری تیاریوں کے باوجود "پرل ہاربر" کے واقعہ سے پہلے امریکی قوم یورپ

اور ایشیا میں دو محاذوں پر جنگ کرنے کے لئے تیار نہ تھی۔ جاپانی حملہ نے بے خبری میں امریکیوں کو جیسے دبوچ لیا اور اسکی جراحت کے اثرات نمایاں تھے۔ امریکہ نے فلپائنز کو کھو دیا جس کا تحفظ مقامی اور امریکی فوجوں نے جنرل ڈگلس میک آرتھر کی قیادت میں بڑی بے جگری کے ساتھ کیا۔ ہوائی کے سوا بحرالکاہل کے تمام فوجی اڈوں کی حفاظت اسی جذبۂ جانفروشی کے ساتھ کی گئی۔ جاپانی الاسکا کے الیٹین جزیروں میں داخل ہو گئے اور وہ شمالی امریکی براعظم کیلئے ایک زبردست خطرہ بن گئے۔ اسی زمانہ میں جاپانیوں نے برطانیہ کو ملایا اور سنگاپور سے نکال دیا۔ ہالینڈ سے جزائر شرق الہند اور بحرالکاہل کے دوسرے کتنے ہی جزیرے چھین لئے اور اب آسٹریلیا جاپانی دھمکیوں اور خطرہ کا ہدف تھا۔

۱۹۴۲ء کے وسط میں بحرالکاہل کے علاقہ میں نئے بحری اور فضائی جہازوں کی آمد کے ساتھ امریکی مزاحمت قوی تر ہوتی گئی۔ سولومن جزائر میں گوڈل کینال پر حملہ کے ساتھ جاپانیوں سے اپنے علاقہ کی باز یافت اور پھر اُن کے علاقہ پر فاتحانہ قبضہ کا طویل اور تکلیف دہ مرحلہ شروع ہوا۔ فریقین نے نہائت جرأت اور بے رحمی کے ساتھ یہ جنگ لڑی۔ براعظم ایشیا میں امریکی امداد کے سہارے چین نے اپنی بساط بھر جاپانی ریلے کو روکا اور برطانیہ نے برما میں اپنے قدم جمائے رکھے

جاپانیوں کو شکست دینا یقیناً اہم تھا لیکن صدر روزویلٹ نے یورپ میں اس جنگ کے نتائج کو زیادہ اہم سمجھا اور امریکی فوجی قوت کا بڑا حصہ یورپ میں استعمال کیا گیا۔ نومبر ۱۹۴۲ء میں برطانوی اور امریکی فوجوں نے جنرل آئزن ہاور کی قیادت میں شمال مغربی افریقہ پر حملہ کیا اور جنرل رومیل کی فوجوں کو اُس براعظم سے نکال باہر کیا۔ یہاں سے فاتح فوجیں سسلی کے راستے اطالیہ پہنچیں اور اطالیہ نے ہتھیار ڈال دئے، لیکن جرمن فوجیں اٹلی کے شمالی حصوں میں جمی رہیں اور بے جگری کے ساتھ جنگ کے خاتمے تک لڑتی رہیں۔

۱۹۴۳ء کے دوران صدر روزولٹ، وزیراعظم چرچل، روس کے وزیراعظم اسٹالین اور

چین کے جنرل چیانگ کائی شیک نے متعدد مرحلوں پر مختلف جگہوں پر تبادلۂ خیال کیا اور اپنے جلسوں میں ان اکابر نے جنگی منصوبوں پر بھی بحث کی اور جنگ کے بعد ایک قابل عمل اقوام متحدہ کے منصوبہ پر بھی غور کیا۔ روسی فوجوں سے جو گھمسان کی لڑائی میں جرمن فوجوں پر حملے کر رہی ہیں، ایک دوسرے محاذ کی صورت میں مدد کا وعدہ کیا گیا۔

اس وعدہ کو یوں پورا کیا گیا کہ ۶ جون ۱۹۴۴ء کو امریکیوں، برطانیوں، کنیڈا کے سپاہیوں اور مفتوحہ علاقوں سے آئے ہوئے محبان وطن پر مشتمل ایک فوج نے جنرل آئزن ہاور کی قیادت میں رود بار انگلستان کو عبور کر کے ساحل فرانس کے مقام نارمنڈی پر حملہ کر دیا۔ جرمنوں نے بے جگری کے ساتھ مزاحمت کی لیکن اُن کی رسدی لائنوں، شہروں اور صنعتوں پر اتحادیوں کے ہوائی حملے جرمنوں کی عسکری قوت کو ختم کئے دے رہے تھے اور جرمنوں کو رائن کے دوسری طرف پسپا ہونا پڑا۔

اسی دوران پیسیفک کے علاقہ میں جنرل میک آرتھر لڑتے ہوئے فلپائنز کی طرف بڑھ رہے تھے۔ گوام اور پیسیفک کے دوسرے مرکزی عسکری اڈوں پر دوبارہ قبضہ ہو چکا تھا۔ نیو گیانا اور دوسرے ملحقہ جزیروں کو جاپانیوں سے دوبارہ چھیننے کے بعد میک آرتھر کے جوان لیٹ اور لوزون پر ایک طوفان کی طرح چھا گئے اور بحریہ نے ان علاقوں پر دشمن کے ایک نئے اور زبردست حملہ کو کامیابی کے ساتھ پسپا کر دیا۔ صرف چین اور برما میں اب تک جاپانیوں کے قدم جمے ہوئے تھے۔ خوں چکاں اور بے نظیر جنگ کے بعد "اوکیناوا" اور "اوا جیما" پر قبضہ کے بعد اب امریکہ اپنے ہزاروں بمبار طیاروں کے ساتھ جاپان کے دروازے پر دستک دے رہا تھا۔

دوسری جنگ عظیم یورپ میں اپنے اختتامی مرحلے میں داخل ہو چکی تھی ۱۹۴۴ء کے کرسمس کے دوران نازیوں نے بڑی ہمت کے ساتھ بلجیم میں جوابی حملہ کیا لیکن ناکامی اُن کا مقدر بن چکی تھی اور مغربی محاذ پر وہ اپنی بازی ہار گئے اور مشرقی محاذ پر بھی ان کے لئے بہتر امکانات کا دروازہ بند ہو چکا تھا۔ یہاں سویت فوجیں پولینڈ پر چھاتی ہوئی جرمنی کی سرزمین تک پہنچ گئیں۔ آخر الامر آگے بڑھتی ہوئی امریکی اور سویت فوجیں جرمنی کے قلب میں ایک دوسرے کے ساتھ مل گئیں۔ ہٹلر

نے برلن میں داخل ہونے والی سوویت فوج کے ہاتھوں اسیری سے بچنے کے لئے خودکشی کرلی اور یورپ میں جنگ ختم ہوگئی۔ جرمنوں کی باقی ماندہ قوت نے ۷ مئی ۱۹۴۵ء کو غیر مشروط طور پر ہتھیار ڈال دیئے۔

فرینکلن ڈی روز ولٹ آخری اور فیصلہ کن فتح کو دیکھنے کے لئے زندہ نہ رہ سکے۔ وہ فتح جسے ممکن بنانے کے لئے انہوں نے بہت کچھ کیا تھا۔ ۱۹۴۴ء میں چوتھی بار صدارتی انتخاب میں فتح حاصل کرنے کے بعد صدر روزولٹ نے اسٹالن سے یالٹا میں تبادلۂ خیال کیا تھا، جہاں یہ بات طے ہوئی تھی کہ چین میں اہم علاقائی مراعات کے عوض روس جاپان کے خلاف جنگ میں شرکت کریگا۔ صدر روزولٹ جب امریکہ واپس لوٹے تو وہ تھکے ہارے اور بجھے بجھے نظر آتے تھے اور وہ آرام کی خاطر وارم اسپرنگز جارجیا چلے گئے۔ ۱۲ اپریل کو اچانک ان کا انتقال ہوگیا اور امریکی قوم رنج والم کے طوفان میں ڈوب گئی۔ نائب صدر ہیری ایس۔ ٹرومین ایف۔ ڈی۔ آر کے جانشین بنے۔

بحرالکاہل کے علاقے میں بھی جنگ ختم ہوا چاہتی تھی۔ جاپان گرداب میں پھنس چکا تھا لیکن ابھی اُس کے پاس ایک بڑی فوج تھی اور فوج کے ساتھ ساتھ اور مادر وطن کے تحفظ کا ایک جنون آمیز جذبہ اور عزم بھی۔ جاپان پر حملہ کرنے کی کوشش بڑی مہنگی ثابت ہوئی۔ اگرچہ روایتی فضائی بمباری کے ذریعہ جاپان کو ہتھیار ڈالنے پر مجبور کیا جاسکتا تھا لیکن نہ تو حملہ کیا گیا اور نہ ہی معمولی بمباری کی گئی۔

جنگ کے آغاز ہی سے اتحادی اور نازی وفسطائی جوہری بم بنانے کی دیوانی دوڑ دوڑ رہے تھے۔ دیکھنا یہ تھا کہ پہلے جوہری بم کون بناتا ہے۔ کم وبیش پچاس سال سے سائنس داں آہستہ آہستہ جوہر (ایٹم) کی نقاب کشائی اور اس کے اسرار کی گرہ کھولنے میں مصروف تھے۔ آخرکار امریکہ اور برطانیہ نے کامیابی کے ساتھ اپنی معلومات کو یکجا کیا اور ۱۶ جولائی ۱۹۴۵ء کو نیو میکسیکو میں ایلاموس کے تجرباتی میدانوں میں مشاہدہ کرنے والوں اور مبصروں کے سامنے تاریخ کے پہلے جوہری بم کا تجربہ کیا گیا اور دیکھنے والے اس کے پیدا کردہ بادلوں اور انتہائی مہیب قوت کو دیکھکر لرزہ براندام ہوگئے۔

دس دن کے بعد جاپان کو رسمی طور پر متنبہ کیا گیا کہ وہ غیر مشروط طور پر ہتھیار ڈال دے

یا فضائی حملوں کے ذریعہ مکمل تباہی کا سامنا کرنے کے لئے تیار ہو جائے۔ اس انتباہ میں نئے جوہری ہتھیار کا کوئی ذکر نہیں کیا گیا تھا۔ ۶ر اگست کو ایک امریکی طیارے نے ہیروشیما پر ایک جوہری بم پھینکا۔ اس شہر کی آبادی ۳۴۰,۰۰۰ تھی اور اس بم سے تخمینہ کے مطابق ۸۰,۰۰۰ ہلاک اور زخمی ہوئے اور شہر کا بڑا حصّہ تہ و بالا ہو گیا۔ ۸ر اگست کو روس نے جاپان کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔ اور منچوریا اور کوریا میں روسی فوجیں داخل ہو گئیں۔ ۹ر اگست کو امریکہ نے ناگاساکی پر دوسرا جوہری بم پھینکا جس سے کوئی اسّی ہزار افراد ہلاک یا زخمی ہوئے۔ ۱۴ر اگست کو شہنشاہِ جاپان نے اتحادیوں کو اطلاع دی کہ جاپان ہتھیار ڈالنے کے لئے تیار ہے۔

جب یکم ستمبر ۱۹۴۵ء کو جاپانی نمائندے آبنائے ٹوکیو میں امریکہ کے جنگی بحری جہاز مسوری کے ایک کمرے میں شکست اور ہتھیار ڈالنے کی شرائط پر دستخط کرنے کے لئے پہنچے تو دوسری جنگِ عظیم ختم ہو گئی۔ جاپان سے اس کے تمام بیرونی علاقے لئے گئے تھے اور جاپان پر بھی فاتح قوم کا تسلّط ہو گیا۔ دُنیا نے جنگ کے خاتمے پر خوشی کا اظہار کیا، لیکن اِس خیال اور احساس نے کہ جوہری دور شروع ہو گیا ہے اس مسرت میں اندیشوں کی آمیزش کر دی۔

جنگ کے دوران اتحادی رہنماؤں کے اشتراکِ عمل میں اور جنگ کے بعد اُن کے ارادوں میں قیامِ امن کے لئے ایک مستقل بین الاقوامی ادارے کے قیام کا منصوبہ نظر آتا تھا۔ ایک ایسا ادارہ جو لیگ آف نیشنز سے زیادہ موثر اور کارگر ہو۔ امریکی عوام نے اس خیال کی تائید کی تھی اور صدر روزولٹ کو صرف مکمل ڈیموکریٹ تائید ہی حاصل نہ تھی بلکہ سینٹ میں کئی ری پبلکن نمائندوں نے بھی اس خیال کی حمایت کی تھی۔

ابتدائی کانفرنسوں اور تبادلۂ خیال کے بعد پچاس نازیت دشمن قوموں کے نمائندے اقوامِ متحدہ کے منشور کی تیاری کے لئے اپریل ۱۹۴۵ء میں سان فرانسسکو کیلی فورنیا میں جمع ہوئے۔ اس منشور کی شرائط کے مطابق سلامتی کونسل کو قیامِ امن کے سلسلہ میں مثبت اور اہم اقدام کے لئے بین الاقوامی ادارہ کا سب سے اہم پرزہ قرار دیا گیا۔ اور جنرل اسمبلی ایسا

بین الاقوامی مرکز بن گئی جہاں تمام مسائل پر بحث اور طریقۂ کار دعملی اقدام کی سفارش کی جاسکتی تھی۔ بین الاقوامی عدالت قانونی جھگڑوں کے تصفیہ کے لئے قائم کی۔ ایک سکریٹریٹ قائم کیا گیا اور ٹرسٹی شپ کونسل جس کا کام ان علاقوں کا انتظام کرنا تھا جن میں سے بیشتر نازی اور فسطائی طاقتوں سے چھینے گئے تھے (یا جن میں کوئی حکومت نہ تھی) یہ بھی طے کیا گیا کہ متحدہ نئے اور بڑے نے کمیشن اور ایجنسیاں (ذیلی ادارے) قائم کئے جائیں جن کا الحاق اقوام متحدہ سے ہو اور جو دُنیا کی عام بھلائی کے لئے کام کریں مثلاً بین الاقوامی ادارۂ محنت (لیبر آرگنائزیشن) عالمی ادارہ صحت بین الاقوامی بینک اور عالمی ادارۂ تعلیم وسائنس وثقافت (یونیسکو)

سلامتی کونسل کی رکنیت گیارہ قوموں پر مشتمل ہے اور "پانچ بڑی طاقتوں" کو کونسل کا مستقل رکن بنایا گیا یعنی امریکہ، برطانیہ، روس، فرانس اور چین کو۔ کسی فیصلے کیلئے سات ووٹوں کی اکثریت لازمی ہے لیکن بڑی طاقتوں میں سے کوئی بھی تنظیمی معاملات کے علاوہ کونسل کے کسی بھی اہم فیصلے کے خلاف حق تنسیخ "استعمال کرسکتی ہے تنسیخ کی اس غیر معمولی قوت سے اس بات کا اظہار ہوگیا کہ بڑی طاقتیں اپنے اقتدار کا کوئی حصہ چھوڑنے یا اقدامِ متحدہ کے اقتدار کے سامنے جھکنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔

جولائی ۱۹۴۵ء میں امریکہ کی سینٹ نے اقوامِ متحدہ کے منشور کی توثیق کردی۔ جلد ہی دوسرے ممالک بھی اقوام متحدہ کے رکن بننے لگے، اور اقوامِ متحدہ نے ایک ادارے کی حیثیت سے جنوری ۱۹۴۶ء سے کام شروع کردیا۔ اس کے پہلے سکریٹری جنرل ناروے کے ٹرائی گیو لی منتخب ہوئے اور عالمی ادارہ نے نیویارک کو اپنے مستقل مرکز کی حیثیت سے چن لیا۔

دوسری جنگ عظیم کے خاتمے کے ایک ہی سال کے بعد یہ توقعات ختم ہوگئیں کہ آخرکار امن حاصل کرلیا گیا ہے۔ دُنیا میں دو متصادم تحریکیں جڑ پکڑ رہی تھیں۔ ایک طرف جمہوریت جسکو امریکہ اور دوسری "مغربی" طاقتیں آگے بڑھا رہی تھیں اور دوسری طرف اشتراکیت جس کا

نقیب سویت روس تھا۔ اقوامِ متحدہ اور دوسرے مقامات پر دونوں تحریکیں ایک دوسرے سے ایک سوال کے بعد دوسرے سوال پر اختلاف کرنے لگیں۔ اور جب روسیوں نے اپنا اقتدار پولینڈ اور بلقان تک بڑھا لیا تو ونسٹن چرچل کے الفاظ میں جیسے ایک "آہنی پردہ" یورپ پر چھانے لگا۔ وہ پردہ جس نے مغربی جمہوری دُنیا اور روس اور اسکے حلیفوں کو ایک دوسرے سے جُدا کر دیا۔

آسٹریا اور جرمنی پر آہنی پردہ موت کے نشان کی طرح چھا گیا۔ دونوں ملکوں کو امریکہ، برطانیہ، فرانس اور روس نے اپنے مشترکہ انتظام میں لے لیا تھا اور اس مسئلہ پر نہ ختم ہونے والے جھگڑے اور اختلافات شروع ہو گئے کہ ان بدنصیب ملکوں کو کس طرح متحد کیا جائے اور ان کے ساتھ کن شرائط پر امن کے معاہدوں پر دستخط کئے جائیں۔ جرمنی میں چاروں طاقتیں اس بات پر متفق تھیں کہ نازی عسکری لیڈروں کے خلاف مقدمے چلائے جائیں اور انہیں سزائیں دی جائیں اور جرمن قوم کو غیر مسلح کر دیا جائے۔ لیکن بہت جلد یہ بات واضح ہو گئی کہ ماسکو جرمنی کی تعمیرِ نو کے منصوبہ میں اشتراک کرنے کے لئے صرف اسی صورت میں تیار ہو سکتا تھا کہ جرمن قوم اشتراکیت کو قبول کر کے۔ جمہوریتوں کو یہ اُمید تھی کہ صنعتی مغربی جرمنی اور زرعی مشرقی جرمنی (روسی علاقہ) باہمی فائدے اور ترقی کی خاطر آپس میں تجارت کریں گے لیکن اسٹالن نے ایسی تجارت پر پابندی عائد کر دی اور اپنے علاقہ کو آہنی پردے کے پیچھے چھپا دیا۔ اس طرح جرمنی دو دُنیاؤں کے درمیان بکھر کر رہ گیا۔

اقوامِ متحدہ میں امریکہ اور روس اِس سے بھی زیادہ اہم مسئلہ پر ایک دوسرے سے ٹکرا گئے۔ یہ مسئلہ جوہری توانائی کے انضباط (کنٹرول) کا مسئلہ تھا۔ امریکہ نے اپنے جوہری بموں کے پورے ذخیروں کو اقوامِ متحدہ کے حوالے کرنے پر آمادگی اظہار اس شرط پر کر دیا تھا کہ پہلے بین الاقوامی کنٹرول اور معائنہ کے ایک موثر طریقے کو قبول کر لیا جائے۔ قوموں کی اکثریت کے نزدیک یہ تجویز معقول تھی۔ لیکن سویت یونین نے اِس بات پر اصرار کیا کہ پہلے امریکہ اپنے

بموں کو ضائع کردے اور پھر جوہری توانائی کے کنٹرول کو سلامتی کونسل کے سامنے پیش کیا جائے۔ اس روسی تجویز پر اعتراض یہ تھا کہ روسیوں کے حقِ تنسیخ کی وجہ سے سلامتی کونسل ایک موثر معائنہ کا انتظام نہ کر سکے گی۔ اگر امریکہ اپنے بموں کو ضائع کر دیتا اور مزید بم نہ بناتا تو روس کو چپکے چپکے بم بنانے اور جوہری بالادستی حاصل کرنے سے کون روک سکتا تھا، جب کہ روس معائنہ کی ہر تجویز کو ماننے سے انکار کرنے کا حق رکھتا تھا۔ شک اور بے اعتمادی کی اس فضا میں بین الاقوامی تعلقات بگڑتے گئے اور "تاریک بین سیاسی پیغمبر" تیسری عالمی جنگ کی پیشین گوئیاں کرنے لگے۔ حالانکہ ابھی تو دوسری جنگِ عظیم کے سارے سپاہی اپنے گھر بھی نہ پہنچے تھے۔

جہاں تک جنگِ عظیم کے بعد ملکی منظر کا تعلق ہے، امریکہ نے بہت جلد اسلحہ بندی کی حالت کو ختم کر دیا اور جلد سے جلد زمانۂ امن کی معمول کے مطابق زندگی حاصل کرنے کی کوشش کی۔ ایک کروڑ دس لاکھ سپاہیوں کی فوج میں تخفیف کی گئی اور امریکی فوج کی تعداد دس لاکھ کر دی گئی۔ بعض لوگوں کے خیال کے مطابق عالمی حالات و واقعات کے پیشِ نظر یہ ایک خطرناک غلطی تھی۔ لیکن دوسری جنگِ عظیم کے تھکے ہارے سپاہی اپنے گھر پہنچنے کے لئے بے چین تھے اور امریکی رائے عامہ نے اُن کا ساتھ دیا۔

امریکہ نے جنگی پیداوار کی خاطر سب کچھ تج دیا تھا اور نتیجہ کے طور پر زندگی کے کئی شعبوں میں شہری ضروریات کی چیزوں کی کمی پیدا ہو گئی تھی اور اسی کے ساتھ ساتھ رہائش کا مسئلہ بہت مشکل ہو گیا تھا۔ جنگ کے دوران "دفترِ انتظامِ قیمت" (OFFICE OF PRICE ADMINSTRATION) نے کمی کے نتیجہ کے طور پر قیمتوں کو غیر معمولی طور پر بڑھنے سے روکنے کے لئے کنٹرول کا ایک اچھا نظام قائم کر لیا تھا۔

صدر ٹرومین کی خواہش تو یہی تھی کہ دفترِ انتظام قیمت کی مقرر کردہ قیمتوں کی حد بندی کو برقرار رکھا جائے لیکن انتظامیہ اور محنت نے قیمتوں کی حد بندیوں کو توڑ دیا

اور قوم کو ایک بار پھر آزاد منڈی مل گئی۔ جنگ کے بعد ہی زیادہ اجرت اور شرح مزدوری کے لئے ہڑتالوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ ان ہڑتالوں میں یونائیٹڈ مائن ورکرز کے جان۔ ایل۔ لوئز نے بڑا حصہ لیا۔ پہلی جنگِ عظیم کے بعد بھی انہوں نے یہی کیا تھا۔ آخر کئی کلیدی صنعتوں میں اجرت میں اضافے کئے گئے۔ اجرت میں اضافہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ صنعت کاروں نے شکایت کی کہ ان کی مصنوعات کی لاگت بہت بڑھ گئی ہے، اسی لئے قیمتوں کی تحدید ختم کر دی جائے ورنہ صنعتیں ایک تباہ کن معاشی دباؤ میں گرفتار ہو جائیں گی۔

صدر کے احتجاج کے باوجود کانگریس کو کنٹرول اور تحدید میں رعایت کرنی ہی پڑی اور قیمتوں میں اضافہ ہونے لگا۔ قیمتوں میں اضافہ، ہڑتالوں کی پیدا کردہ بے اطمینانی، مکانوں کی قلت اور اشیائے ضرورت کی کم یابی نے امریکی عوام کو ۱۹۴۶ء کے کانگریس کے انتخابات میں ری پبلکن پارٹی کو ووٹ دینے پر اکسایا۔ نئے نظام کے آغاز کے چودہ سال بعد پہلی بار جی۔ او۔ پی کو دونوں ایوانوں میں اکثریت حاصل ہوئی اور اب صدر ٹرومین کے ساتھ تلخ آئینی اظہارِ قوت کا وقت قریب آ گیا تھا۔

سینٹ کے لیڈر اوہیو کے رابرٹ اے۔ ٹیفٹ تھے جو پکے ری پبلکن تھے۔ یہ سابق صدر ہاورڈ ٹیفٹ کے بیٹے تھے۔ نیوڈیل کی جو "بے انصافیاں" ٹیفٹ کے ذہن میں تھیں ان کو دور کرنے کے لئے انہوں نے اپنی توجہ دونوں نکات کی طرف مرکوز کی۔ ایک تو انکم ٹیکس میں تخفیف اور دوسرے محنت کے ایسے قانون کی منظوری جو یونینوں اور ان کے لیڈروں کے اختیارات کو کچل دے۔

صدر ٹرومین کے حقِ تنسیخ کے باوجود ٹیفٹ ہارٹلے قانون منظور ہو گیا جس نے محنت اور انتظامیہ کی سودا بازی کی قوت میں توازن پیدا کرنے کی کوشش کی۔ وہ توازن جو ویگنز یا قومی محنتی تعلقات کے ایکٹ کے تحت مبینہ طور پر محنت کے حق میں تھا۔ ویگنر ایکٹ کے تحت صنعت کاروں کے غیر منصفانہ اقدام کو خلاف قانون قرار دیا گیا تھا۔ نئے قانون نے محنت کے

غیر منصفانہ اقدام کی "تحریف" بیان کی اور انہیں ممنوع قرار دیا۔ اور آگے بڑھتے ہوئے اس قانون نے اُس مشق کو منسوخ کر دیا جس کے تحت انتظامیہ صرف یونین کے ممبروں کی خدمات حاصل کر سکتی تھی۔ اسی کے ساتھ ساتھ ہڑتال کرانے کے لئے ساٹھ دن کی مدت اور نوٹس کو ضروری قرار دیا گیا اور اسی کے ساتھ ساتھ یونینوں کے عہدہ داروں کے لئے یہ حلف بھی لازم قرار دیا گیا کہ وہ اشتراکی نہیں ہیں۔ یونینوں نے ٹیفٹ ہارٹے قانون ("قانونِ غلامی محنت") کے خلاف تلخی کے ساتھ احتجاج کیا۔ بعد کے تجربہ نے یہ بات واضح کر دی کہ اس قانون نے تحریک محنت کو کوئی سنگین نقصان نہیں پہنچایا۔ ہاں اس نے یونینوں کے عہدہ داروں کو ضرور پیچھے ڈھکیل دیا۔ اور پھر صدر ٹرومین کے تمام تر احتجاج اور حقِ تنسیخ کے علی الرغم بی۔او۔پی کانگریس نے انکم ٹیکس پیمانہ دھا دھند وار کئے۔ یہ ٹیکس اُس کے نزدیک غیر ضروری طور پر زیادہ تھے۔ مسٹر ٹرومین کا کہنا یہ تھا کہ قومی قرضے ۲۵۰ ملین ڈالر سے زیادہ ہیں اور ان سے نپٹنے کے لئے ریونیو کے تمام وسائل کی ضرورت ہے۔ انہوں نے اس طرف بھی توجہ دلائی کہ بین الاقوامی کشیدگی اور اعصابی صورتِ حال کے پیشِ نظر قومی دفاع کے لئے وسیع اخراجات کی ضرورت ہے۔

فوجوں کو مضبوط بنانے کے لئے کانگریس کے لیڈروں نے عام فوجی تربیت کو اپنانا چاہا لیکن یہ منصوبہ عوامی رائے کی مخالفت سے ناکام ہو گیا۔ عوامی رائے اسے ایک جنگ پرستانہ قدم قرار دیتی تھی۔ بہر حال کانگریس اس بات میں کامیاب ہو گئی کہ بری' بحری اور فضائی افواج کو سکریٹری محکمۂ دفاع کی ماتحتی میں دے دیا جائے تاکہ ان کو زیادہ موثر بنایا جا سکے اور ان کے درمیان قریب تر تعاون اور اشتراکِ عمل پیدا ہو سکے۔

ری پبلکن پارٹی اعتماد اور خوش آئند توقعات کے ساتھ ۱۹۴۸ء کے صدارتی انتخابات کے لئے چشم براہ تھی۔ سولہ برس کے بعد وائٹ ہاؤس (ایوان صدر) تک پہنچنے کے لئے اس کے امکانات یقینی ہو گئے تھے۔ تجارتی صورتِ حال بہتر تھی لیکن ٹیکسوں میں تخفیف کے باوجود عام آدمی کے لئے روپیہ بچانا مشکل تھا کیونکہ قیمتوں میں بہت اضافہ ہو گیا تھا۔ ملک غیر مطمئن تھا اور

انتظامیہ میں تبدیلی کے لئے آمادہ نظر آتا تھا۔

اعلےٰ خوشحالی، اور اونچی قیمتوں اور بڑھے ہوئے ٹیکسوں کے اس امتزاج کو آسانی کے ساتھ سمجھا اور سمجھایا جاسکتا ہے۔ حکومت ایک سرد جنگ پر کثیر رقوم صرف کررہی تھی تاکہ یورپ میں اشتراکیت کی عسکری پیش قدمی کو روکا جاسکے۔ پُرقوت سویت فوجیں اپنی سرحد پر کئی ملکوں کو بلا واسطہ دہشت زدہ کر رہی تھیں جن میں تیل کی دولت سے مالا مال ایران اور محلِ وقوع کے اعتبار سے اہمیت رکھنے والا ترکی بھی شامل تھا۔ چیکوسلوکیہ میں ایک انقلاب نے حکومت کا تختہ اُلٹ دیا اور روسی فوجیں سرحد پر کسی بھی مزاحمت کو ختم کرنے کے لئے موجود تھیں۔ اِس طرح ایک جمہوری ملک آہنی پردے کے پیچھے چھپ گیا۔ یونان اشتراکیوں اور حکومت کی فوجوں کے درمیان خانہ جنگی میں مبتلا تھا اٹلی اور فرانس نہایت منظم اشتراکی تحریکوں کے خطرہ سے دوچار تھے۔ روسیوں نے ریلوے لائن اور حمل ونقل کے دوسرے وسائل کو منقطع کرکے مغربی طاقتوں کو برلن سے نکالنے کی کوشش بھی کی، لیکن امریکہ اور برطانیہ نے فضائی حمل ونقل کے ذریعہ اس انقطاع کا جواب دیا اور برلن کے اتحادی علاقوں میں باربرداری کے ہوائی جہازوں کے ذریعہ رسد پہنچائی۔ اور ان سب باتوں کے ساتھ ساتھ یہ انکشاف بھی ہوا کہ روسیوں نے اپنے ایٹمی ہتھیار بھی بنالیئے ہیں۔

دوسری جنگِ عظیم کی طرح امریکہ نے آمرانہ اور اشتراکی جارحیت کے خلاف اپنے دوستوں کو سہارا دیا اور انہیں دہشت سے بچانے کی کوشش کی۔ اس پالیسی کا اعلان ۱۹۴۷ء میں اصول ٹرومین (TRUEMAN DOCTRINE) میں کیا گیا اور اس کے تحت یونان اور ترکی کی معاشی مدد کی گئی اور ان ملکوں کو عسکری سامان دیا گیا۔ ٹرومین پر اقوامِ متحدہ سے باہر رہ کر ان سرگرمیوں کو جاری کرنے پر تھوڑی بہت تنقید کی گئی، صدر ٹرومین کا موقف یہ تھا کہ جبتک اقوام متحدہ کا ادارہ اس مسئلہ پر موثر کاروائی کے قابل نہیں ہوجاتا، امریکہ کو اپنی اخلاقی ذمہ داریاں تو پوری کرنی ہی ہوں گی۔

یورپ میں معاشی بدحالی کا مقابلہ کرنے کے لئے سکریٹری آف اسٹیٹ جارج سی مارشل نے ۱۹۴۷ء میں مارشل منصوبہ پیش کیا۔ اس منصوبہ کو "یورپ کی بحالی کا پروگرام" بھی کہا گیا ہے۔ یہ منصوبہ کسی ملک یا اصول کے خلاف نہ تھا بلکہ یہ منصوبہ "بھوک، غربت اور انتشار" کے خلاف عملی جنگ کا درجہ رکھتا تھا۔ سکریٹری مارشل نے اس حقیقت کو سمجھ لیا تھا اور تسلیم کر لیا تھا کہ یورپی صنعت، تجارت اور زراعت کو جنگ نے بہت نقصان پہنچایا ہے۔ اور ایسے حالات اشتراکیت کے لئے ساز گار ثابت ہوتے ہیں اور یورپ کو اپنے قدموں پر از سر نو کھڑے ہونے کے لئے کافی امداد کی ضرورت ہے۔ مارشل نے یورپی قوموں کو، بشمولیت روس دعوت دی تو وہ یکجا ہو کر ایک واصل باقی (چٹھا) تیار کر لیں، جس سے یہ بات صاف صاف معلوم ہو جائے کہ یہ قومیں کس حد تک اپنی مدد آپ کر سکتی ہیں اور غیر ملکی امداد کی انہیں کس حد تک ضرورت ہے اور پھر امریکہ ان کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے قرضے اور ضروری سامان مہیا کرے گا۔

اسٹالن نے مارشل منصوبہ کو سامراجی قرار دیا اور اس میں شرکت کرنے یا اپنے طفیلی اور حواری ملکوں کو شرکت کی اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ بہر حال سولہ دوسرے ملک جن میں مغربی جرمنی بھی شامل تھا، پیرس میں تبادلۂ خیال کے لئے یکجا ہوئے اور یورپ کی تعمیر نو کا منصوبہ تیار کیا گیا، جس کی تکمیل کے لئے امریکہ نے سترہ بلین ڈالر دینے کی ذمہ داری قبول کی۔ ایک امریکی صنعتکار پال جی۔ ہاف مین کی سرکردگی میں مارشل منصوبہ عملی طور پر کامیاب ہوا۔ مغربی یورپ کے ممالک نے امریکہ کے اشتراک اور باہمی تعاون سے اپنی جنگ زدہ معیشت کو درست اور مستحکم کیا۔ معاشی تعمیر نو اور خوشحالی کے ساتھ ساتھ مغربی ملکوں کی اشتراکی جماعتیں ٹھٹھرنے اور سمٹنے لگیں۔

عالمی قائد کی حیثیت سے اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے لئے امریکہ مغربی یورپ کے ملکوں کیساتھ ایک فوجی معاہدہ میں بھی شریک ہو گیا۔ وہ معاہدہ جسے شمالی اطلانتک معاہدہ (نارتھ اٹلانٹک ٹریٹی) کہتے ہیں۔ ایک ساتھ متحد ہونے کا خیال براعظم یورپ میں پیدا ہوا۔ اور اس خیال کو امریکہ نے اپنا کر بہت جلد حقیقت بنا دیا۔ مجموعی طور پر چودہ ملکوں نے کسی حملے کی صورت میں ایک دوسرے

کی امداد کا عہد کیا۔ ان ملکوں میں برطانیہ، فرانس، اٹلی کینیڈا، یونان اور ترکی بھی شامل ہیں۔ اور لاطینی امریکہ کا بڑا حصہ بھی اُن باہمی معاہدوں کی وجہ سے اس سے وابستہ ہے جن پر دستخط کرنے والوں میں امریکہ بھی ہے۔ جنرل آئزن ہاور ۱۹۴۹ء میں نیٹو کے پہلے سربراہ منتخب ہوئے۔ جب اس معاہدہ کو ایک باقاعدہ اور مستقل ادارے کی صورت دی گئی۔ اور پیرس میں اس معاہدہ کا فوجی مرکز قائم کیا گیا۔ اس طرح اقوام متحدہ کے اندر رسمی فوجی بلاک قائم ہو گئے۔ ایک طرف آزاد قوموں کا فوجی بلاک اور دوسری طرف روس اور اس کے طفیلی ملک تھے۔

دوسری جنگ عظیم کے بعد کے اُلجھے ہوئے اور مسائل سے بھرپور کئی برسوں کے بڑے حصہ میں امریکی شہریوں نے صدر ٹرومین کی خارجہ پالیسی کی حمایت کی۔ ۱۹۴۸ء کے صدارتی انتخاب میں ریپبلکن پارٹی کے حامیوں نے بھی اپنے امیدوار نیو یارک کے گورنر تھامس ای۔ ڈیوی کے منتخب ہونے کی صورت میں اسی پالیسی اور طریقۂ کار پر چلنے کا عہد کیا۔ ڈیوی ایک بہت اچھے مقرر تھے۔ ایک افسر کی حیثیت سے اُن کا ریکارڈ بہت اچھا تھا۔ صدر روزویلٹ انہیں ۱۹۴۴ء میں صدارتی انتخاب میں شکست دے چکے تھے۔ ۱۹۴۸ء میں ان کے ساتھ جی۔او۔پی ٹکٹ پر کیلی فورنیا کے گورنر ارل دیرن بھی انتخاب لڑ رہے تھے۔

ڈیموکریٹک پارٹی کو انتخابی مہم میں اپنی کامیابی کے امکانات کے بارے میں بڑی تشویش تھی۔ پہلی بار اس مہم کو لاکھوں امریکیوں کے لئے ٹیلی ویژن پر پیش کیا جا رہا تھا۔ ریپبلکن کانگرس نے ملکی مسائل میں مسٹر ٹرومین کو بڑی حد تک بے اثر بنا دیا تھا۔ اس سے زیادہ سنگین اور نازک بات یہ تھی کہ ڈیموکریٹک پارٹی کے دائیں بازو اور بائیں بازو کے دونوں گروہ صدر کے مخالف تھے دائیں بازو والوں کا اثر جنوبی علاقوں میں تھا جہاں حبشیوں کے حقوق کے تحفظ کے لئے وفاقی قانون بنوانے کے سلسلے میں مسٹر ٹرومین کی کوششوں کی مخالفت عام تھی۔ بائیں بازو کی جماعت کے قائد ہنری اے۔ ویلیس تھے جو صدر روزویلٹ کے تحت امریکہ کے نائب صدر رہ چکے تھے۔ وہ روس کے ساتھ مصالحانہ پالیسی کا پرچار کرتے تھے ویلیس، مسٹر ٹرومین

کے تحت امورِ تجارت کے سکریٹری تھے لیکن وہ علی الاعلان صدر کی پالیسیوں کے خلاف اظہار رائے کر چکے تھے اور اسی لئے انھیں کابینہ سے مستعفی ہونا پڑا تھا۔ وہ ۱۹۴۸ء میں ڈیموکریٹک جماعت سے الگ ہو گئے اور ایک نئی ترقی پسند جماعت کے قائد بن گئے جسے فوری طور پر امریکی اشتراکیوں کی سرگرم حمایت حاصل ہو گئی۔

ڈیموکریٹک پارٹی کے اجتماع (کنونشن) میں صدر ٹرومین جنوب کو اپنے حق میں یقیناً ہموار کر لیتے، اگر وہ نسلی تفریق کو دور کرنے کے سلسلہ میں وفاقی شہری حقوق کے پروگرام پر زور نہ دیتے نئے نظام کے منصفانہ معمولات ملازمت کے کمیشن نے جنگ کے دوران حبشیوں اور دوسری نسلی اقلیتوں کے افراد کے خلاف ملازمت کی پابندیوں کو ختم کرنے کے لئے اپنی جدوجہد شروع کر دی تھی۔ مسٹر ٹرومین چاہتے تھے کہ کانگریس ایک قانون کی منظوری کے ذریعہ حکومت کو اس پالیسی کے نفاذ کا مجاز قرار دیدے۔ انہوں نے رائے شماری ٹیکس کو ختم کرنے کے لئے بھی ایک قانون کی ضرورت کا مطالبہ کیا۔ کیونکہ اس قانون نے جنوبی امریکہ کے بہت سے حبشیوں، اور اُن کے ساتھ ساتھ غریب سفید فام باشندوں کو بھی حقِ رائے دہندگی سے محروم کر دیا تھا۔

جنوب کے نمائندوں نے شہری حقوق کے پروگرام کی شدت سے مخالفت کی۔ انہوں نے اس نکتہ پر زور دیا کہ حبشیوں کے لئے زیادہ حقوق اور مراعات کا مسئلہ ریاستوں سے تعلق رکھتا ہے۔ ایسا مسئلہ نہیں جس کو وفاقی سمجھا جائے۔ ان نمائندوں کی رائے میں واشنگٹن میں بیٹھ کر انقلابی قوانین وضع کرنے سے وہ نازک اور سنگین نسلی مسئلہ حل نہیں کیا جا سکتا تھا جو جنوب میں پوری طرح اب تک موجود تھا۔ اسی کے ساتھ ساتھ یہ نمائندے گزشتہ چند برسوں میں بہتر اسکولوں، بہتر ملازمتوں اور رہائش کے سلسلے میں حبشیوں کی ترقی کا ذکر بھی کرتے تھے۔

جب مسٹر ٹرومین شہری حقوق کے باب میں اپنے موقف پر استقامت اور پامردی کیساتھ ڈٹے رہے تو جنوب کے نمائندوں کا ایک بڑا گروہ کنونشن سے علیحدہ ہو گیا اور اس گروہ نے

ریاستی حقوق کی انجمن یا ڈکسی کریٹ پارٹی کا آغاز کیا اور جنوبی کیرولینا کے گورنر جے۔ اسٹرام تھرمنڈ اس پارٹی کے صدارتی امیدوار نامزد ہوئے۔ اس طرح صدارتی انتخاب کے لئے اب میدان میں چار اہم امیدوار تھے ڈیوی، ٹرومین، تھرمنڈ اور ویلیس۔

جب انتخابی مہم کے خدوخال واضح ہوئے تو رائے شماری کے اعداد و شمار کے ماہرین نے منتشر اور بٹی ہوئی حزب اختلاف کے مقابلہ میں ری پبلکن کامیابی کی پیشینگوئی کی۔ اور گورنر ڈیوی نے متنازعہ فیہ مسائل کو بھی نہیں چھیڑا، یا کم سے کم ان کے بارے میں شدت نہیں برتی۔ ان سب کے مقابلہ میں صدر ٹرومین نے ایک سرے سے دوسرے سرے تک ملک کا دورہ کیا۔ انہوں نے ٹیفٹ ہارٹلی قانون کی مذمت کی اور "بیکار" ری پبلکن کانگریس کی مخالفت کی۔ اشتراکیت کے خلاف انہوں نے انتظامیہ کی مضبوطی کی تعریف کی، کسانوں کے لئے زیادہ امداد اور شہریوں کے لئے بہتر اور زیادہ سماجی تحفظات کا وعدہ کیا۔ یہ ایک طوفانی دورہ تھا جس میں ٹرومین نے انتہائی عام زبان میں اپنے خیالات کا اظہار کیا اور الیکشن کے دن یہ دورہ امریکہ کی سیاسی تاریخ میں تمام اندازوں کو غلط کر دینے والی سب سے بڑی مثال بن گیا۔

جب ووٹ گنے گئے تو ڈیوی کے ۱۸۹، تھرمنڈ ۳۹ اور ویلیس کے صفر انتخابی مجموعہ کے مقابلہ میں ٹرومین کا انتخابی مجموعہ ۳۰۳ تھا۔ جنوب کی بڑی اکثریت نے ڈکسی کریٹ پارٹی کے علی الرغم ٹرومین کو ووٹ دئے اور ویلیس کی ڈھیلے پن کی پالیسی بے اثر ثابت ہوئی۔ مزدوروں اور کسانوں نے انتخابی ترازو کے پلڑے کو ڈیموکریٹک پارٹی کے حق میں جھکا دیا۔ پہلے بھی "نیو ڈیل" کے تحت وہ یہی کر چکے تھے۔ کانگریس کے دونوں ایوانوں میں بھی ڈیموکریٹک پارٹی کی اکثریت تھی اور اب یہ بات واضح معلوم ہوتی تھی کہ صدر اپنے "فیر ڈیل" کو عملی جامہ پہنا سکیں گے۔ فیر ڈیل۔ وہ نظام جس کے تحت سب کو سماجی اور معاشرتی انصاف اور یکساں برتاؤ مل سکے۔

اپنے دوسرے صدارتی دور کی افتتاحیہ تقریر میں صدر ٹرومین نے امریکہ کی خارجہ

پالیسی کے ایک اور سیاسی پیش نامہ کا اعلان کیا۔ "دُنیا میں امن قائم کرنے کے لئے" چار اہم طریقۂ کار اور نکات" میں سے چوتھا نکتہ۔ اِن چار نکات کو امریکہ کی سائنسی اور صنعتی ترقی کو ترقی پذیر ممالک کی ترقی اور بہتری کے لئے استعمال کرنے کا ایک جراٗت مندانہ اور نیا پروگرام قرار دیا گیا۔ تکنیکی امدادی پروگرام کے تحت امریکہ کو یہ امید تھی کہ وہ بیماریوں کیخلاف جنگ میں تعاون کر کے، بیکار زمین کو دوبارہ قابلِ زراعت بنا کے اور قوموں کے قدرتی ذرائع کو ترقی دینے کی کوشش کے ذریعہ اور دوسرے ملکوں میں ایسے ہی دوسرے مفید منصوبوں کی مدد سے عالمی معیارِ حیات کو بلند کر سکے گا۔

لیکن جب ٹرومین نے اپنے عہدہ کا دوبارہ حلف اٹھایا تو اندرونِ ملک ناامیدیاں جیسے ان کی منتظر تھیں۔ نئی کانگریس کا مزاج توقع سے کہیں زیادہ رجعت پسند ثابت ہوا۔ شمال کے ری پبلکن رُکن اور جنوب کے ڈیموکریٹک ممبر اہم قانون سازی کے راستے میں رکاوٹ ثابت ہوئے۔ بجٹ میں کٹوتی کی کوششیں کی گئیں اور حکومت کے شعبوں میں نااہلی اور ناکارکردگی پر خوب شور مچایا گیا۔

صدر ٹرومین کے انتظامیہ کے حق میں وسکانسن کے ری پبلکن سنیٹر جوزف میکارتھی جیسے لوگوں کے الزامات اور زیادہ سخت اور بُرے ثابت ہوئے۔ ان لوگوں کا سب سے سنگین الزام یہ تھا کہ حکومت اور خاص طور سے محکمۂ خارجہ جس کے سربراہ ڈین ایکیسن ہیں، اشتراکی مخبروں اور ہمدردوں کا اڈہ ہے۔ کہا یہ گیا ہے کہ نیو ڈیل اور دوسری جنگِ عظیم کے دوران جب سوویت روس سے تعلقات تکنیکی طور پر دوستانہ تھے، حکومت کے بہت سے افسر یا تو اشتراکی تھے یا ان کے ہمدرد۔ خاص طور پر الگر ہس کا مقدمہ اور سزایابی عوام کے دماغ میں تخریب اور جاسوسی کے وسیع اور پھیلے ہوئے سلسلہ کا اشارہ بن گئی۔ ہس کو محکمہ خارجہ میں ایک اہم اور کلیدی منصب حاصل تھا۔

سرد جنگ جاری رہی اور کانگریس نے اشتراکی جماعت اور اس کے ملحقہ اداروں کو

کچلنے کے لئے نئے اقدام کئے۔ اشتراکی جماعت اور اس سے ملحقہ اداروں کے لئے اپنے آپکو رجسٹر کرانا اور حکومت کو اپنی سرگرمیوں کی اطلاع دینا، لازمی قرار دیا گیا۔ ۱۹۴۹ء میں طویل مقدمہ کے بعد دس اشتراکی لیڈروں کو امریکی حکومت کا تختہ الٹنے کی سازشش کا مجرم قرار دیا گیا اور اس جرم کی سزا دی گئی۔ اشتراکیت کی ہمدردی کے سلسلہ میں کئی افراد اور جماعتوں کے خلاف تحقیقات کرائی گئی۔ اس خطرہ کا اظہار بھی کیا گیا کہ غیر ذمہ دارانہ تحقیقاتی کمیٹیوں کے ہاتھوں انفرادی آزادی کے امریکی حقوق خطرے میں ہیں۔ دوسری طرف اس خیال کا اظہار کیا گیا کہ امریکہ کو اپنی حفاظت کے لئے کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی پڑے گا۔ اور امریکہ کا نظام عدل یقیناً اشتراکیوں کے نظام انصاف سے بہت بہتر ہے۔

جس وقت اندرون ملک اشتراکیت کا مسئلہ ایک طرف تخریب کے، اور دوسری طرف امریکی نظام عدل کو تباہ کرنے کے سلسلہ میں اہم سوالات پیدا کر رہا تھا، اسی زمانہ میں کوریا میں آزادی کے خلاف ایک نیا حملہ نشو ونما پا رہا تھا۔

دوسری جنگ عظیم کے بعد ایشیا کی صورتحال اور رونما ہونے والے واقعات میں پراگندگی کی کیفیت، الجھاؤ اور اشتعال تھا۔ چند سال تک امریکہ نے الجھی ہوئی صورتحال کو سلجھانے کی کوششوں میں مدودی پھر کچھ عرصہ کے لئے امریکہ ایشیائی حالات سے الگ ہو گیا۔ مگر یہ علیحدگی، ایشیا کے مسائل سے امریکہ کی اور زیادہ وابستگی کا پیش خیمہ تھی۔

فلپائنز کو آزادی دینے کے وعدہ کو ایفا کرتے ہوئے ریاستہائے متحدہ نے ان جزائر کو ۴ جولائی ۱۹۴۹ء کو آزادی دیدی۔ نئی جمہوریہ نے معاشی امداد کے بدلے امریکی فوجوں کو اپنے کلیدی فوجی اڈوں کے استعمال کی اجازت دیدی۔

جنرل میک آرتھر جنگ کے بعد جاپان کے فوجی گورنر بنا دیے گئے اور انہوں نے جمہوری حکومت کے کئی خصائص سے جاپانی عوام کو متعارف کرایا۔ شہنشاہ ہیرو ہیتو کا راج سنگھاسن تو قائم رہا لیکن ایک نیا آئین منظور کیا گیا جس میں ایک مجلس دستور ساز کو نظم مملکت کا حصہ

بنایا گیا۔ ایک ایسی مجلس جس کے ارکان کے انتخاب میں مردوں کے ساتھ ساتھ عورتیں بھی شریک تھیں۔ ۱۹۵۱ء میں روس کے احتجاج کے باوجود اُن قوموں نے جو جاپان کے خلاف جنگ میں شریک تھیں جاپان کے ساتھ ایک صلح نامہ امن پر دستخط کئے جس کی رو سے جاپان اپنے وطن کی سرزمین کے علاوہ غیر ملکی مقبوضات سے دست بردار ہو گیا۔ یہ معاہدہ جس پر جاپانیوں نے مطمئن ہو کر دستخط کئے اس کا مسودہ جان فاسٹر ڈلس نے امریکہ کے محکمۂ خارجہ کے خاص سفیر کی حیثیت سے تیار کیا تھا۔ بعد میں جاپان نے امریکہ کو بحرالکاہل کے تحفظ میں مدد دینے کے لئے اپنے فوجی اڈوں کے استعمال کی اجازت دیدی۔

چین میں امریکی حکمتِ عملی اِس درجہ کامیاب نہیں رہی۔ جنگ کے دوران امریکیوں نے چین کی مسلّمہ حکومت کے صدر چیانگ کائی شیک اور چینی اشتراکی رہنماؤں کے درمیان مصالحت کی کوشش کی جو ملک کے بڑے حصّہ میں گوریلا جنگ کر رہے تھے۔ امریکیوں کا مقصد یہ تھا کہ جاپانیوں کے خلاف تمام چینی متحد ہو جائیں یہ منصوبہ ناکام رہا۔

جاپانی جنگ کے خاتمے کے بعد روس نے چیانگ کے ساتھ دوستی کے معاہدے کے باوجود چینی اشتراکی فوجوں کو بڑی تعداد میں فوجی سامان دیا اور اشتراکی فوجوں نے قوم پرستوں پر حملے شروع کر دئے۔ بہت سے امریکیوں کا خیال یہ تھا کہ چیانگ کی حکومت کی بے ایمانیاں اُسکی فوجوں کی پست ہمتی کا سبب ہیں۔ اور بہت سارے امریکیوں کی رائے یہ تھی کہ چیانگ کائی شیک کی بہت سی خامیوں کے باوجود اگر اسے زیادہ فوجی مدد دی جائے تو سرخ سیلاب کو روکا جاسکتا ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ زرعی اصلاحوں کا وعدہ اشتراکیوں کے لئے عوامی تائید کی بنیاد بن رہا تھا۔

چین کا بحران جیسے جیسے شدید ہوتا گیا، امریکی حکومت اس نتیجہ پر پہنچی کہ عوامی تائید کی غیر موجودگی میں فوجی اور مالی امداد چیانگ کو نہیں بچا سکتی اور یوں امریکی مدد گھٹنے لگی۔ آخرالامر چیانگ اپنی باقی ماندہ فوج کے ساتھ فارموسا بھاگ گیا اور اشتراکیوں کو سرزمین چین پر غلبہ اور قبضہ حاصل ہو گیا۔

جب دوسری جنگِ عظیم کے اختتامی مرحلے میں سویت روس نے جاپان کے خلاف اعلانِ جنگ کیا تھا روسی سپاہیوں نے جاپان کے مقبوضہ کوریا پر حملہ کر دیا۔ اور یہ سپاہی ۳۸ ویں خطِ متوازی تک پہنچ گئے تھے۔ پھر امریکہ اور روس رسمی طور پر اس بات پر متفق ہو گئے تھے کہ امریکی فوجیں ۳۸ ویں خطِ متوازی کے جنوب میں، اور روسی فوجیں اس خط کے شمال میں شکست خوردہ جاپانی فوجوں سے ہتھیار لینے کی کارروائی کی تکمیل کریں گی اور ان علاقوں کا علیحدہ علیحدہ نظم و نسق سنبھالیں گی۔ اس بات پر پہلے ہی اتفاق ہو چکا تھا کہ کوریا کو مکمل آزادی دیجائے گی۔

لیکن ماسکو نے جلد ہی اپنے طرزِ عمل سے یہ بات واضح کر دی کہ وہ جزیرہ نما کے نصف حصہ کو اپنے ہاتھ سے دینے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا اور روس نے شمالی کوریا کو اشتراکی بنانے کا کام شروع کر دیا۔ امریکہ نے اس مسئلہ کو اقوامِ متحدہ کی اسمبلی میں پیش کر دیا جس نے ایک آزاد حکومت کے قیام کے لئے سارے ملک میں انتخابات کا حکم دیا۔ لیکن شمالی کوریا کے روسی اربابِ حل و عقد نے اپنے علاقہ میں انتخابات کی اجازت نہ دی اور نتیجہ کے طور پر انتخابات صرف جنوبی کوریا میں ہوئے۔ سگمن ری نئی جمہوریہ کے صدر منتخب ہوئے، جسے اقوامِ متحدہ نے سارے کوریا کی حکومت کے طور پر تسلیم کر لیا۔ اور اس کے بعد امریکی فوجیں جزیرہ نما سے ہٹالی گئیں۔

اسی عرصہ میں روسیوں نے شمالی کوریا میں اپنی کٹھ پتلی حکومت قائم کر دی جسے پیپلز ڈیموکریٹک ری پبلک" کا نام دیا گیا۔ روسیوں نے اس "عوامی جمہوریہ" کی فوجوں کو عسکری تربیت دی اور اپنی فوجوں کا بڑا حصہ ہٹالیا۔ ۲۵ رجون ۱۹۵۰ء کو شمالی کوریا نے ۳۸ ویں خطِ متوازی کو طے کر کے جنوبی کوریا پر بڑے پیمانہ پر حملہ کر دیا۔

اقوامِ متحدہ نے فوراً عملی اقدام کئے۔ سلامتی کونسل کا جلسہ روسی نمائندے کے بغیر ہوا، جس نے اس زمانے میں کونسل کا مقاطعہ کر رکھا تھا۔ اس جلسہ نے اقوامِ متحدہ کے ممبروں سے کہا کہ "کوریا پر اس مسلح حملے کو پسپا کیا جائے۔" جمہوری قوموں کے نزدیک کوریا میں جمہوری اقدار داؤں پر لگا دی گئی تھیں کیونکہ اشتراکیوں کی کامیابی ایشیا میں ان کے مزید حملوں کے لئے

راہ ہموار کر دیتی، خاص طور پر فرانسیسی انڈوچائنا میں، جہاں اشتراکی خانہ جنگی جاری تھی۔

اقوامِ متحدہ کی اپیل کے جواب میں صدر ٹرومین نے امریکہ کی جانب سے جرأت مندانہ اور فیصلہ کن انداز میں عمل کیا۔ انہوں نے اعلان کیا کہ امریکی فوجیں اشتراکی حملہ کو روکنے کیلئے جنوبی کوریا کی امداد کریں گی اور انہوں نے ساتویں امریکی بحری بیڑہ کو حکم دیا کہ وہ چین اور فارموسا کے درمیان چوکنا رہے اور اس علاقہ میں جنگ کے امکانات کو روک دے۔ پھر اقوام متحدہ نے مسٹر ٹرومین کو یہ اختیار دیا کہ وہ کوریا میں اقوام متحدہ کی فوجوں کے لئے ایک کماں دار کو نامزد کر دیں۔ جنرل میک آرتھر اس ذمّہ داری کے لئے چنے گئے۔ امریکی فوجیں نہائت عجلت کے ساتھ جاپان سے محاذ جنگ پر پہنچائی گئیں۔ اقوام متحدہ کے دوسرے ممبر ملکوں نے بھی فوجیں اور سامانِ رسد تیزی کے ساتھ کوریا بھیج دیا۔

جنگ کے پہلے مرحلہ میں شمالی کوریا والوں نے اقوام متحدہ کی فوجوں کو 'یوں سمجھئے کہ جزیرہ نما' سے نکال ہی دیا۔ انہوں نے سیول پر قبضہ کر لیا اور جنوب میں پسُن تک پہنچ گئے لیکن ستمبر ۱۹۵۰ء میں میک آرتھر نے ایک موثر جوابی حملہ کیا۔ انچن میں بحری اور بری فوجیں اُتار دی گئیں۔ اقوام متحدہ کی فوجوں کی اکثریت امریکیوں اور جنوبی کوریا کے سپاہیوں پر مشتمل تھی۔ ان فوجوں نے سیول پر دوبارہ قبضہ کر لیا اور ۳۸ ویں خطِ متوازی کو عبور کر کے شمالی کوریا میں دور تک گھس گئیں اس فوج کا ہر اول دستہ تو دریائے یالو تک پہنچ گیا، جو منچوریہ کی سرحد پر ہے۔

جنگ کے اس مرحلہ پر چینی اشتراکی رضاکاروں کی ایک بہت بڑی تعداد نے اچانک اقوام متحدہ کی فوج پر ٹڈی دل کی طرح حملہ کر دیا اور انہیں اڑتیسویں خطِ متوازی کے نیچے بہت دور تک پیچھے ڈھکیل دیا۔ ماسکو نے اس بات کو ماننے سے انکار کر دیا کہ یہ حملہ اُس کے حکم یا اشارے سے کیا گیا ہے لیکن زیادہ تر مبصرین کے نزدیک اس بات میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہ تھی کہ یہ حملہ روسیوں کے حکم سے کیا گیا تھا۔ ایک طویل پسپائی کے بعد اقوام متحدہ کی

فوجوں نے پھر اپنے قدم جمائے۔ نہائت بے جگری سے لڑتے ہوئے انہوں نے چینیوں اور شمالی کوریا والوں کو بڑے نقصان پہنچائے اور دوبارہ خطِ متوازی تک پہنچ گئیں، جسے آخرکار "مستقل" حدبندی کا درجہ مل گیا۔

چینی مداخلت کے سلسلہ میں کیا کیا جائے؟ اب یہ مسئلہ اقوام متحدہ کے سامنے تھا کچھ عرصہ تک جنرل میک ارتھر نے مکمل فتح کا پروگرام پیش کیا۔ اس پروگرام میں چین کے ساحل کی ناکہ بندی، جنگ میں فارموسا سے چیانگ کائی شیک کی فوجوں کا استعمال، اور دشمن کے ہوائی اڈوں کی بمباری بھی شامل تھی۔ میک آرتھر کے اس منصوبہ میں کافی کشش اور جان تھی لیکن امریکی انتظامیہ اور اقوام متحدہ کے دوسرے ارکان نے اس منصوبہ کی مخالفت کی انہیں اندیشہ یہ تھا کہ کہیں یہ پروگرام تیسری عالمی جنگ کا سبب نہ بن جائے۔ جب میک آرتھر کی اپیلوں میں شدّت آتی گئی اور وہ اقوامِ متحدہ کی پالیسی سے متضاد اور متصادم بیانات دینے لگے تو صدر ٹرومین نے انہیں کمانڈر کے منصب سے علیحدہ کر دیا اور جنرل میک آرتھر ایک نزاعی لیکن قابلِ احترام شخصیت کی حیثیت سے امریکہ لوٹ آئے۔

جون ۱۹۵۱ء میں اقوام متحدہ کے روسی وفد نے یہ تجویز پیش کی کہ فریقین "کوریا میں التوائے جنگ کے لئے گفت و شنید کریں" فریقین اس تجویز پر فوراً رضامند ہو گئے اور گفت و شنید کا آغاز ۳۸ ویں خطِ متوازی کے قریب کیسانگ کے قصبے میں ہوا۔ لیکن جلد ہی قیدیوں کے اور "خطِ التوائے جنگ" کے مسئلوں پر جھگڑے شروع ہو گئے۔ اشتراکیوں کا مطالبہ یہ تھا کہ ان کے سارے قیدی واپس کر دیئے جائیں۔ لیکن شمالی کوریا کے ہزاروں قیدی سپاہی کمیونسٹ تھے اور وہ واپس نہیں جانا چاہتے تھے۔ یہ مسئلہ پیچیدہ اور الجھن پیدا کرنیوالا تھا اور بحث طویل ہوتی گئی۔ اس دوران کوئی ڈھائی لاکھ امریکی سپاہی اقوام متحدہ کے پرچم تلے خطِ متوازی پر لڑتے رہے اور مرتے رہے۔

جس طرح امریکیوں نے مجموعی طور پر یورپ میں صدر ٹرومین کی خارجہ پالیسی کی حمایت

کی تھی، اسی طرح انہوں نے ایشیا میں اشتراکیت کو روکنے کے باب میں بھی صدر ٹرومین کے فیصلوں کی تائید کی۔ لیکن جیسے جیسے کوریا کی جنگ میں جانی نقصان میں اضافہ ہوتا گیا، قومی قرضہ بڑھتا گیا اور جیسے جیسے یہ خیال ذہنوں میں جڑ پکڑتا گیا کہ ایک زیادہ بڑی جنگ کا آغاز کئے بغیر اس جنگ کو کیسے جیتا جائے، لوگ انتظامیہ پر اعتماد کھونے لگے۔

حکومت کے بعض شعبوں میں بددیانتی کے انکشافات نے اس عدم اطمینان میں اضافہ کیا۔ لوگوں کے سامنے یہ بات آئی کہ ملکی ریونیو کے ادارہ کے اعلیٰ افسر ٹیکس سے بچنے کی کوشش کرنے والوں کو سزائیں دلانے کی جگہ ان سے رشوتیں قبول کر رہے ہیں۔ "مالیاتی کارپوریشن برائے تعمیر نو" کے بارے میں رسوا کن اور شرمناک قصے عام ہوئے۔ کانگریس کے ارکان اور افسروں پر صنعتکاروں کے لئے قرضے حاصل کرنے کے سلسلہ میں سرکاری اثرات استعمال کرنے کے الزام لگائے گئے۔ محکمۂ انصاف بھی ان الزامات کی زد سے نہ بچ سکا اس پر کینساس شہر میں غلط بنڈر گاسٹ سیاسی مشین کی ووٹوں کے سلسلہ میں دھاندلی کی تحقیقات میں تساہل اور غفلت کا الزام لگایا گیا۔ یہ وہی مشین تھی جو صدر ٹرومین کے سیاسی عروج کا سبب بنی تھی۔

۱۹۵۱ء میں آئین میں بائیسویں ترمیم کے ذریعہ مستقبل کے صدرِ مملکت کو دو صدارتی میعاد سے زیادہ خدمت سے روک دیا گیا یا اگر وہ پہلی بار دو سال سے زیادہ کی مدت کے لئے صدر رہے ہوں تو وہ صرف ایک صدارتی میعاد تک اس عہدہ پر فائز رہ سکتے ہیں۔ اس ترمیم کا نفاذ کسی ایسے شخص پر نہیں ہوگا جو آئین کی اس دفعہ کی منظوری کے وقت صدر ہو لیکن (اس کے باوجود) مسٹر ٹرومین نے اعلان کر دیا کہ اب وہ صدارت کے لئے امیدوار نہ ہوں گے۔

۱۹۵۲ء کی انتخابی مہم کا جذباتی ہیجان ذرا پہلے ہی شروع ہو گیا، کیونکہ سینیٹر ٹیفٹ نے انتخاب سے پورے ایک سال پہلے یہ اعلان کر دیا تھا کہ وہ جی۔ او۔ پی کے نامزد امیدوار کی حیثیت سے انتخاب میں حصہ لینے کے لئے تیار ہیں۔ سینیٹر جو قدرے سخت اور تجزیاتی افتادِ طبع کے

ممالک تھے، امریکی عوام میں زیادہ مقبول نہ تھے اور وہ علیحدگی کی پالیسی کی طرف اپنے جھکاؤ کی وجہ سے تنقید کا ہدف بھی بنتے رہتے تھے۔ لیکن اسی کے ساتھ ساتھ وہ ایک لائق اور اہلِ سیاست داں تھے اور ری پبلکن پارٹی کی سیاسی مشین کو وہی چلا رہے تھے۔

ایک زیادہ ہر دل عزیز امیدوار کی تلاش میں اعتدال پسند اور امریکہ کی بین الاقوامیت کے حامی ری پبلکنوں کے ایک وفد نے کیبٹ لاج جونیر کی سرکردگی میں جنرل آئزن ہاور سے اُن کے یورپی صدر مقام میں ملاقات کی اور اُن سے اُن کے سیاسی نقطۂ نظر اور وابستگی کے بارے میں پوچھا۔ آئزن ہاور نے، جو قوم کے سب سے بڑے عسکری ہیرو تھے، اپنی سیاسی اور جماعتی وابستگی کا کبھی اعلان نہ کیا تھا۔ ڈیموکریٹک پارٹی نے بھی ایک امکانی امیدوار کی حیثیت سے ۱۹۴۸ء میں ان کو ٹٹولا تھا۔

جب آئزن ہاور نے اپنے ری پبلکن ہونے کا اظہار کیا تو لاج اور اُن کے رفقاء کی مسرت کا کوئی ٹھکانا نہ رہا۔ آئزن ہاور اپنے آپ کو امیدوار کی حیثیت سے پیش کرنے کے لئے بھی آمادہ ہو گئے۔ بشرطیکہ عوام کی یہی رائے ہو۔ جب یہ بات واضح ہو گئی کہ جی۔ او۔ پی کی نامزدگی کے لئے اُن کے امکانات روشن ہیں تو جنرل نے یورپ کی کمان سے استعفیٰ دیدیا اور انتخابی مہم میں حصّہ لینے کے لئے امریکہ آ گئے۔

ٹیفٹ اور اُن کے حامیوں نے آئزن ہاور کے حق میں عوامی رائے کے طوفان کو روکنے کے لئے ایک کڑی جنگ لڑی۔ کنونشن میں "دھوئیں سے بھرے ہوئے کمروں" میں ان لوگوں نے مندوبین کو ہموار کرنے کی جان توڑ کوشش کی، لیکن اب کوئی بند جنرل کے ساتھیوں کی پیشقدمی کو نہیں روک سکتا تھا اور وہ پہلی ہی رائے شماری میں منتخب ہو گئے۔ نائب صدارت کے لئے کیلی فورنیا کے سنیٹر رچرڈ ایم نکسن چنے گئے۔

وائٹ ہاؤس میں صدر ٹرومین کی جانشینی کے جو ڈیموکریٹک امیدوار تھے۔ ان میں سینٹ کے رکن اِسٹس کیفاور بھی شامل تھے جنھوں نے ٹیلی ویژن پر جرائم کے تفتیش کنندہ

کی حیثیت سے قومی شہرت حاصل کر لی تھی۔ ان کے علاوہ نائب صدر البن برکلے، جارجیا کے سینیٹر رچرڈ رسل اور ایورل ہیری مین بھی صدارت کے امیدوار تھے۔ لیکن ان میں سے کسی امیدوار نے مسٹر ٹرومین کو مطمئن نہ کیا اور انہوں نے ان سب پر الینی السن کے گورنر ایڈلائی اسٹیونسن کو ترجیح دی۔

اسٹیونسن تازہ "وار دانِ سیاست" میں سے تھے، لیکن وہ نیک نام تھے اور گورنر کی حیثیت سے اُن کی بہت تعریف کی جاتی تھی۔ یہ بات محسوس کی گئی کہ صدارتی نمائندہ کی حیثیت سے اُن کی موجودگی بے ایمانی کے اُس زہریلے اثر کو دور کرنے میں مدد دے گی جو پارٹی کیساتھ وابستہ ہو گیا تھا۔ اگرچہ اسٹیونسن کو صدارتی انتخاب میں حصہ لینے کی مطلق تمنا نہ تھی لیکن آخر الامر وہ جماعتی دباؤ کے سامنے جھک گئے اور صدارتی امیدوار کی حیثیت سے نامزد کرنے کیلئے جنوبی ووٹوں کے حصول کی کوشش میں ڈیموکریٹوں نے الاباما کے سینیٹر جان اسپارکمین کو نائب صدارت کے لئے چُنا۔

۱۹۵۲ء کی انتخابی مہم اس اعتبار سے بے مثال تھی کہ دونوں امیدواروں میں سے کسی کو قابلِ ذکر سیاسی تجربہ نہ تھا۔ بلکہ آئزن ہاور تو سیاسی تجربہ سے ہی سے نہ رکھتے تھے۔ جیسے آئزن ہاور امریکی عوام پر اپنے اعتماد کا اظہار سیدھے سادے اور روزمرہ کے الفاظ میں کر رہے تھے اور ملکی و عالمی مسائل پر اسٹیونسن کے بیانات میں ذہانت، تیزی اور خوش مزاجی و بذلہ سنجی تھی۔ جیسے جیسے انتخابی مہم آگے بڑھتی گئی دونوں کے تضاد ابھر کر سامنے آتے گئے۔

اس انتخابی مہم کے مسائل "کوریا" "بددیانتی" اور "فیر ڈیل" تھے۔ پہلے دو مسائل پر آئزن ہاور کو فوقیت حاصل تھی۔ ایک سپاہی کی حیثیت سے کوریا کے مسائل کو حل کرنے کے وہ زیادہ اہل تھے اور انہوں نے صدر کی حیثیت سے اپنے انتخاب کے بعد کوریا کا دورہ کرنے کا وعدہ بھی عوام سے کر لیا۔ بددیانتی کے مسئلہ میں بھی اسٹیونسن کو راستے میں مشکلات حائل

تھیں - اپنی تمام تر دیانت اور ایمانداری کے باوجود وہ صدر ٹرومین کے اُمیدوار تھے، جو ان کے لئے سرگرمی کے ساتھ انتخابی مہم میں حصّہ لے رہے تھے۔

فیر ڈیل کے مسئلہ میں اسیٹونسن نے روزولٹ اور ٹرومین کی روایات کو برقرار رکھنے کا وعدہ کیا، لیکن اس مسئلہ میں بھی انہیں اپنے حریف سے آگے بڑھنے میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ آئزن ہاور نے نہائت آزادانہ اور ایماندارانہ انداز میں اُن تمام اہم سماجی اور معاشی فائدوں کو تسلیم کر لیا تھا جو ڈیموکریٹک پارٹی کی پالیسیوں کی وجہ سے عام آدمی کو حاصل ہوئے تھے اور انہوں نے وعدہ کیا کہ وہ نوکر شاہی، دفتری سُرخ فیتہ اور ناجائز سیاسی نفع کو کم سے کم کرتے ہوئے ان پالیسیوں کو جاری رکھیں گے۔

جنوب، جو اب بھی ڈیموکریٹک تھا، بڑھتی ہوئی دلچسپی کے ساتھ اس کشمکش کا مطالعہ کر رہا تھا۔ جنرل آئزن ہاور جنوب میں ایک فوجی ہیرو کی حیثیت سے مقبول تھے۔ وہ ٹیکساس میں پیدا ہوئے تھے اور نوکر شاہی اور ضرورت سے زیادہ بااختیار مرکزی حکومت پر اُن کے حملوں سے یہ بات واضح ہوتی تھی کہ وہ ریاستی حقوق میں ایمان رکھتے ہیں جنوب والے اپنے آپ سے یہ سوال پوچھ رہے تھے کہ "کیا یہ ممکن ہے کہ ری پبلکن پارٹی، ڈیموکریٹوں سے کہیں زیادہ جیفرسن اور کاہون کے اصولوں پر عمل کرنے کا منصوبہ بنا رہی ہے"؟

جنوب کے لئے ریاستی تیل کا مسئلہ خاص دلچسپی اور اہمیت کا مسئلہ تھا ٹیکساس، لوئزیانا، فلوریڈا (اور کیلی فورنیا بھی) کے ساحلوں کے نزدیک زیر آبی تیل کے ایسے ذخیرے موجود ہیں جنھیں منافع کے ساتھ ترقی دی جاسکتی ہے اور استعمال کیا جاسکتا ہے اس تیل کی قیمت کا تخمینہ ۴ سے ۲۵۰ ملین ڈالر کے درمیان کیا جاتا رہا ہے۔ یہ تیل کس کی ملکیت ہے۔ اُن ریاستوں کی، جن کی سرحدوں پر یہ ساحل ہیں یا وفاقی حکومت کی؟ تین موقعوں پر سپریم کورٹ نے وفاقی حکومت کے حق میں فیصلہ دیا تھا۔

اس انتخابی مہم کے دوران آئزن ہاور نے یہ نقطۂ نظر پیش کیا کہ ان ریاستوں کو

ساحل سے پرے اپنی تاریخی حدود" تک تیل پر قبضہ حاصل ہونا چاہیئے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ کیلی فورنیا اور لوئیزیانا کو تین میل تک اور ٹیکساس اور فلوریڈا کو ساڑھے دس میل تک۔ اس وکالت نے جنوب میں آئزن ہاور کے لئے میدان ہموار کر دیا۔ گورنر اسٹیونسن نے اس حل کی مخالفت کی اور انہوں نے اعلان کیا کہ تمام زیرِ آبی ذخائر حکومت کے اور امریکہ کے تمام شہریوں کے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ کوئی ایسی صورت نکالی جائے جس کے ذریعہ ملحقہ ریاستوں کو منافع کا ایک حصہ مل سکے۔

اپنے نقشوں، خانوں اور اعداد و شمار کی مدد سے انتخاب کے موقع پر سیاسی مبصروں نے کہا کہ اسٹیونسن اور آئزن ہاور کا مقابلہ ایسا ہے کہ دونوں کے امکانات یکساں ہیں اور ان میں سے کوئی بھی جیت سکتا ہے۔ یہ برابر کا مقابلہ ہے۔ شانہ بشانہ دوڑ۔ اور انتخاب کے چوبیس گھنٹوں کے بعد یہ سیاسی پیشین گو اور پیشین بیں سر بگریباں اور حیران و پریشان تھے اور یہ سمجھانے کی کوشش کر رہے تھے کہ ان کے اندازوں میں کیا غلطی ہوئی اور کیسے؟

آئزن ہاور کو فتح مبین حاصل ہوئی۔ عوامی رائے نے اسٹیونسن کے ۲۷ ملین ووٹوں کے مقابلے میں آئزن ہاور کو کم و بیش ۳۴ ملین ووٹ دیکر جنرل پر اپنے اعتماد کا اظہار کر دیا۔ "مضبوط اور ٹھوس جنوب" بٹ گیا۔ ورجینیا، ٹینے سی، ٹیکساس اور فلوریڈا یہ ریاستیں ری پبلکن ہوگئیں۔ گورنر اسٹیونسن کا ساتھ صرف نو ریاستوں نے دیا۔ ان میں سے مغربی ورجینیا کے سوا سب ہی جنوبی ریاستیں تھیں، اور یہ ریاست بھی جنوب کی سرحد پر ہے۔ گورنر نے اپنی انتخابی جنگ نہائت اچھی طرح اور دانشمندی و جرأت کے ساتھ لڑی تھی۔ اس انداز سے کہ انہیں عوامی محبت اور عزت حاصل ہوئی۔ لیکن امریکی عوام نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ بیس سالہ ڈیموکریٹک راج کے بعد اب سیاسی انتظامیہ میں تبدیلی کا وقت آگیا ہے۔

۲۰ر جنوری ۱۹۵۳ء کو جنرل آئزن ہاور نے واشنگٹن میں امریکہ کے چونتیسویں صدر کی حیثیت سے اپنے عہد کا آغاز کیا۔ جنرل آئزن ہاور عام حالات میں ایک پرسکون اور ہنس مکھ آدمی ہیں لیکن اس موقعہ پر اپنی قوم کو مخاطب کرتے وقت وہ سنجیدہ اور بڑے گمبھیر معلوم ہو رہے تھے۔ وہ اگرچہ اپنی قوم کو خطاب کر رہے تھے، مگر ساری دنیا گوش بر آواز تھی۔ انہوں نے کہا۔ "میرے رفیق شہریو! دنیا اور ہم ایک مسلسل چیلنج کرنیوالی صدی کے وسطی نقطہ سے گزر چکے ہیں۔ ہم اپنی تمام صلاحیتوں کے ساتھ یہ بات محسوس کرتے ہیں کہ آج اچھائی اور برائی کی قوتیں جس طرح مجتمع، مسلح اور ایک دوسرے کے سامنے مقابلہ کے لئے آمادہ ہیں، اس کی مثال تاریخ انسانی میں مشکل ہی سے ملے گی...... وقت اور حالات کے تقاضے ہم سے مطالبہ کر رہے ہیں کہ ہم دانش مندی کے ساتھ، ضمیر کی روشنی میں اور محنت سے کام کریں۔ لگن اور دردمندی کے ساتھ دوسروں کو سبق دیں۔ خلوص اور احتیاط کے ساتھ اپنے ہر عمل کو جانچیں اور پرکھیں۔ اس حقیقت کو ہم اپنے ذہن میں پوری طرح واضح کر لیں کہ امریکہ دنیا کو جو کچھ دینے اور دنیا میں جیسے حالات کو دیکھنے کی توقع کرتا ہے ان حالات اور تصورات کو پہلے امریکہ اور امریکیوں کے دل کا حصہ بننا ہوگا۔"

اپنا عہد سنبھالنے سے پہلے صدر منتخب آئزن ہاور نے کوریا کا دورہ کر کے اپنے وعدہ کو پورا کیا تاکہ جنگ کو ختم کیا جا سکے۔ سات مہینوں کے بعد جولائی ۵۳ء میں جنگ بندی کے ایک معاہدہ پر دستخط کئے گئے۔ دونوں فریق التوائے جنگ اور ۳۸ ویں خط متوازی کے دونوں طرف کچھ دور پر اس مقام تک پیچھے ہٹنے پر رضامند ہو گئے جہاں سے جنگ شروع ہوئی تھی۔ اس زچ بازی کی قیمت امریکہ کو ۲۵ ہزار مردہ اور ایک لاکھ زخمی سپاہیوں کی صورت میں ادا کرنی پڑی۔ جنوبی کوریا اور اقوام متحدہ کے پرچم تلے جن دوسرے ملکوں نے اس جنگ میں حصہ لیا انہیں بھی بھاری جانی نقصان کا سامنا کرنا پڑا۔ جہاں تک اس جنگ کے مالیاتی پہلو کا تعلق ہے، امریکہ کو ۲۲ بلین ڈالر کے زبردست مصارف برداشت کرنے پڑے۔

روپئے کی بچت اور سرکاری معاشی پالیسیوں کی حدتک آئزن ہاور انتظامیہ رجعت پسند اور روائتی رجحانات کا حامل تھا۔ ایک طویل مدت تک صدر کے مشیر وہ کامیاب تاجر تھے جو بھاری فوجی خرچوں اور تنخواہوں اور قیمتوں میں چکردار اضافہ کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے افراطِ زر کو صرفوں کی کمی کے ذریعہ کچل دینا چاہتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود منظم محنت نے تنخواہوں میں اضافہ کی جنگ جیت ہی لی۔ تنخواہ میں اضافہ اور ایسے ہی دوسرے عناصر ہی کی وجہ سے قیمتوں میں بھی اضافہ ہوگیا۔

امریکی کسانوں کو روپیہ بچانے والی نئی پالیسیوں سے مطابقت پیدا کرنے میں دشواری ہوئی۔ اپنی اگائی ہوئی فصلوں اور مویشیوں کے سلسلہ میں وہ حکومت کی خاصی بڑی مالی امداد کے عادی تھے۔ بہرحال مشینوں کے استعمال اور سائنسی ترقیوں نے پیداوار میں اضافہ کیا۔ گیہوں اور کپاس کے ذخیرے گوداموں میں اکٹھا تھے اور اس بات نے کسانوں کو اپنی زمینوں کے بڑے بڑے حصّوں کو غیر مزروعہ پڑ رکھنے کا حوصلہ دیا، یا پھر یہ ہوا کہ انہوں نے زمین کی نوع کو بہتر بنانے کے لئے پیداوار گھٹا دی۔ بہت سے کسانوں نے اپنے کھیت اور گاؤں چھوڑ دئے اور صنعتوں میں کام کرنے کے لئے وہ شہروں میں منتقل ہوگئے۔ بہرحال نئے تکنیکی طریقۂ کار کی وجہ سے زرعی پیداوار کی سطح تو برقرار رہی اور اس میں کمی نہ ہوئی۔

۱۹۵۴ء میں سپریم کورٹ کے ایک فیصلہ نے امریکہ کے سماجی ڈھانچے کو ہلا دیا اور ساری دنیا کی توجہ امریکہ کے جمہوری طریقۂ کار کی طرف مبذول ہوگئی۔ وہ قدم جو لنکن کے الفاظ میں "سارے انسانوں کی مساوات کے تصور کے لئے وقف تھی"، نسلی کشمکش میں مبتلا دنیا میں عالمی تنقید اور تجزیہ کی زد میں آگئی۔

۶۵-۱۸۶۱ء کی خانہ جنگی نے امریکہ میں حبشی غلاموں کو آزادی، شہرت اور ووٹ دینے کا حق عطا کر دیا تھا۔ لیکن یہ حقوق و مراعات کو عملی شکل آہستہ آہستہ تدریجی مرحلوں

ہی میں حاصل ہوئی۔ نسلی مخاصمت جنوب اوسان علاقوں میں ابھرتی رہی جہاں حبشی بڑی تعداد میں رہتے ہیں اور انہیں سیاسی اور معاشی قوت کے ذریعہ دھمکایا گیا اوسان پر پابندیاں عائد کی گئیں۔

جنوب اور شمال وجنوب کی سرحدی ریاستوں میں حبشی بچوں کو اپنے جداگانہ اسکولوں میں تعلیم دی جاتی تھی۔ ۱۸۹۶ء میں وفاقی عدالت کے ایک فیصلے میں یہ بات کہی گئی تھی کہ اگر حبشیوں کو تعلیم کے باب میں جداگانہ لیکن مساوی سہولتیں حاصل ہیں تو وہ دستور کے تحت اپنے جائز حقوق سے بہرہ مند ہو رہے ہیں۔ لیکن ۱۹۵۴ء میں اِس عدالت نے مساوات کی ایک نئی توجیہہ پیش کی۔ چیف جسٹس ارل ویرن اور ان کے رفقائنے یہ فیصلہ دیا کہ جداگانہ مواقع یکساں اور مساوی قرار نہیں دئے جا سکتے۔ یہ دونوں اپنے عناصر اور اصلی ہی میں غیر مساوی ہیں۔" وہ ریاستیں جن میں (تعلیمی) تفریق برتی جارہی تھی انہیں حکم دیا گیا کہ وہ مناسب رفتار کے ساتھ اس تفریق کو ختم کر دیں۔

آنے والے برسوں میں دُنیا نے امریکہ کی نسلی ہم آہنگی اور یکجائی کے فیصلہ کے نتائج کو دلچسپی کے ساتھ دیکھا۔ جب صدر آئزن ہاور نے ۲۴ ستمبر ۱۹۵۷ء کو "لٹل راک" کے اسکول میں نسلی یکجائی کے نفاذ کی خاطر وفاقی فوجی دستے بھیجے تو خانہ جنگی کے بعد' تعمیر نو کے عہد کی یادیں تازہ ہو گئیں لٹل راک نے اطاعت قبول کر لی اور اسکولوں میں نسلی اجزابندی کا مرحلہ وہاں اور دوسرے ایسے ہی علاقوں میں جاری رہا، اگرچہ اُس کام کی رفتار ہر جگہ تیز نہیں رہی۔

بیسویں صدی کی چھٹی دہائی کے آغاز ہی میں نسلی اتحاد کے بدترین مخالف بھی یہ بات محسوس کرنے لگے تھے کہ وہ اپنی بازی ہار چکے ہیں۔ اگرچہ تاخیر پیدا کرنے والے بعض اقدام کا مقابلہ اب بھی کیا جا رہا تھا۔ تعلیمی ترقی کے ساتھ ساتھ امریکی حبشی اپنے ووٹ دینے کے

حق کا بھی زیادہ سے زیادہ استعمال کر رہے تھے، وہ زیادہ سے زیادہ سماجی حقوق حاصل کر رہے تھے۔ اور اب ایسی تنخواہیں بھی پا رہے تھے جو دنیا کے کئی حصّوں کے لوگوں کی تنخواہوں سے زیادہ تھیں۔

سنہ ۱۹۵۶ء میں صدر آئزن ہاور نے دوبارہ صدارتی انتخاب لڑا، حالانکہ گذشتہ سال اُن پر دل کی بیماری کا حملہ ہوا تھا اس کے بعد ہی انہیں پیٹ کے ایک آپریشن کے کٹھن مرحلوں سے بھی گزرنا پڑا تھا۔ صحت یابی کے بعد صدر اپنے کاموں کے بھاری بوجھ کو ہلکا کرنے کے لئے کبھی کبھی کھیلنے کا موقع نکال لیتے یا گیٹس برگ کے میدانِ جنگ کے نزدیک اپنے فارم پر چند دن کے لئے آجاتے۔

سنہ ۱۹۵۶ء کا صدارتی انتخاب سنہ ۱۹۵۲ء کے انتخاب کی تکرار ہی تو تھا۔ ری پبلکن ٹکٹ پر آئزن ہاور اور نکسن، ڈیموکریٹک امیدواروں اڈیلائی اسٹیونسن اور اسٹس کیفاور سے جیت گئے۔ جنرل اپنی عوامی مقبولیت کی وجہ سے مشکل ہی سے ناکام ہو سکتے تھے، اور پھر مُلک (اُن کی قیادت میں) ترقی کر رہا تھا۔ لیکن اس کے باوجود عوام نے ایک ڈیموکریٹک کانگرس منتخب کی تاکہ وہ انتظامیہ کی پالیسیوں پر ہر دم کڑی نظر رکھے۔

بیسویں صدی کی پانچویں دہائی کے آخر میں امریکہ خوشحال تھا، لیکن ہر پہلو سے نہیں۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کم و بیش ہر خاندان کے پاس موٹر، ریفریجیریٹر اور ٹیلی ویژن سٹ موجود تھا۔ بیشتر لوگوں کے گھر یا دفتر ایر کنڈیشنڈ تھے۔ لیکن دوسری طرف ملکی معیشت، بعض اوقات غیر یقینی اور ڈانواں ڈول ہو جاتی۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایسے ادوار میں بے روزگاری بڑھ جاتی اور کچھ مزدوروں کو دقتوں اور پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ خودکار مشینوں کا بڑھتا ہوا استعمال بے روزگاری کے مسئلہ کا ایک عنصر بن گیا۔ معاشی پس گردی اور دباؤ کے زمانے میں حکومت ، قرضے زیادہ آسانی کے ساتھ دیتی اور بے روزگار افراد کو تلافی کے طور پر مالی امداد دیتی تاکہ ملکی معیشت اپنے ٹھیک ٹھیک راستے پر آگے بڑھ سکے۔

صدر آئزن ہاور کی دوسری میعادِ صدارت کے دوران سنہ ۱۹۵۶ء میں دو نئی ریاستیں

الاسکا اور ہوائی امریکی اتحاد میں شامل ہوئیں۔ انچاسویں اور پچاسویں ریاستوں کا اضافہ ۱۹۱۲ء میں اریزونا کے اضافہ کے بعد پہلا اضافہ تھا۔

الاسکا اور ہوائی پہلی ریاستیں ہیں جو جغرافیائی طور پر برِاعظم کی پہلی اڑتالیس ریاستوں سے ملحق نہ ہونے کے باوجود اس اتحاد میں شامل کی گئی ہیں۔ الاسکا اور اُس کی رفیق ریاستوں کے درمیان کنیڈا کے کئی سو میل حائل ہیں۔ جزائر ہوائی جن کی آبادی کی اکثریت ایشیائی نسل کے باشندوں سے عبارت ہے بحرالکاہل میں کیلی فورنیا کے جنوب سے دو ہزار میل دور ہیں۔

اگرچہ بیسویں صدی کی پانچویں دہائی اور چھٹی دہائی کی ابتدا میں امریکہ کی ملکی تاریخ نسبتاً غیر متلاطم اور پرسکون تھی، لیکن اُس کے خارجی تعلقات کی نوعیت ہی کچھ اور تھی۔ اشتراکی روس اور اُس کے طفیلی ملکوں سے سرد جنگ کچھ اور شدید ہوگئی تھی۔ اور مہلک مرکزی ہتھیاروں کے ذریعہ دُنیا کو ختم کر دینے والی جنگ کے اندیشوں نے اس سرد جنگ کو اور بھی مہیب بنا دیا تھا۔

۱۹۵۳ء میں ایک نو ایجاد ہتھیار ہائیڈروجن بم کی پر ہول قوتوں نے جوہری بموں کی ہیبت اور قوت کو پس پشت ڈال دیا۔ ان جوہری بموں کی قوت اور اہمیت کو جو دوسری جنگِ عظیم میں ہیروشیما اور ناگاساکی میں استعمال کئے گئے تھے۔ سب سے پہلے تجربے امریکہ نے کئے اور ان تجربوں نے دکھایا کہ پورے شہر اور ان کے نواحی علاقے ہائیڈروجن بم سے محض آگ اور شعاع افشانی کے مرکز بن کر رہ جائیں گے۔ کھنڈر جہاں آگ اور شعاعیں زندگی کو موت کے قالب میں ڈھال دیں گی۔ سویت یونین نے بھی اپنے ہائیڈروجن بم بنائے اور اُن کے تجربے کئے۔ دُنیا اس احساس اور اندیشے سے لرزا تھی کہ جٹ طیاروں کے ذریعہ پھینکے ہوئے چند بم، یا پھر بین برِاعظمی میزائیل کی شکل میں، پوری پوری قوموں کو تباہ کر سکتے ہیں اور شاید ایک وسیع اور مکمل جنگ کی صورت میں ہماری اس زمین کو بھی۔

اگرچہ مہلک مرکزی ہتھیاروں کی اس دوڑ میں بیسویں صدی کی پانچویں دہائی میں امریکہ آگے آگے تھا لیکن امریکیوں کو اِس سے فائدہ اٹھانے یا اشتراکیوں کے ساتھ ایک فیصلہ کن اظہارِ قوت کی کوئی خواہش نہ تھی۔ اس کے علاوہ اشتراکی فوجی قوت کے لئے بھی احترام موجود تھا جس نے ویٹ نام میں ۱۹۵۴ء میں فتح کی منزل تک اپنا راستہ شدید فرانسیسی اور ویت نامی مزاحمت کے باوجود ہموار کیا اور ڈین بن فو کی کلیدی قلعہ بندی کو توڑ دیا۔ ویٹ نام کی تقسیم فرانس اور آزاد دُنیا کے لئے ایک بڑا نقصان تھی۔

انڈو چائنا میں شکست کے نتیجہ کے طور پر حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے معاہدہ جنوب مشرقی ایشیا کی تنظیم (سیٹو) کا قیام ۱۹۵۴ء میں عمل میں آیا۔ شمالی اوقیانوس معاہدہ کی تنظیم یعنی نیٹو، جو یورپ میں ۴ اپریل ۱۹۴۹ء کو وجود میں آئی تھی، کی طرح سیٹو بھی مغرب اور جنوب مشرقی ایشیا میں ایک اجتماعی حفاظتی قدم تھا جس کا مقصد جمہوری قوموں کے اتحاد کے ذریعہ اشتراکیوں کی مزید پیشقدمی کو روکنا تھا۔ مشرقِ وسطیٰ میں معاہدۂ بغداد (۱۹۵۵ء) کے قیام نے اُس علاقہ میں غیر اشتراکی تحفظ کو مضبوط تر کر دیا۔

امن کی زیتونی شاخ کو آگے بڑھاتے ہوئے ۱۹۵۵ء میں برطانیہ عظمیٰ اور فرانس کے ساتھ جنیوا میں سوویت یونین کے ساتھ جنیوا سوئزرلینڈ میں ایک سربراہی کانفرنس کے انعقاد کے سلسلہ میں امریکہ بھی شامل ہو گیا۔ سربراہوں کے اِس جلسہ میں صدر آئزن ہاور نے "کھلے آسمانوں" کے ایک معاہدہ کی تجویز پیش کی جس کا مقصد یہ تھا کہ اِس معاہدہ کے تحت سوویت یونین اور مغربی قومیں اِس بات کے تعین کے لئے اپنے فضائی معائنہ کی اجازت دیں گی کہ وہ کسی جارحانہ جنگ کی تیاری کر رہی ہیں یا نہیں۔

صدر آئزن ہاور نے جنیوا میں یہ تجویز بھی پیش کی کہ دونوں بڑی طاقتیں اپنی عسکری طاقت کے بارے میں تفصیلات کا تبادلہ کریں گی اور آئزن ہاور نے یہ اعلان بھی کیا۔ "امریکہ کسی جارحانہ جنگ میں کوئی حصّہ نہ لے گا۔"

انہوں نے جرمنی کے از سرِ نو اتحاد کے بارے میں ایک آخری معاہدہ کا مطالبہ بھی کیا۔

جنیوا کے مذاکرات معقول اور دوستانہ تھے اور دُنیا نے اطمینان کی سانس لی کہ آخرالامر مشرق اور مغرب میں مفاہمت پیدا ہو گئی ہے۔ آئزن ہاور عام خوشنودی کے اظہار کے درمیان وطن واپس آئے۔ لیکن وہ سیاستداں جو امن کی تفصیلات مُرتب کرنے کے لئے مقرر کئے گئے تھے کسی بنیادی اور اہم رضامندی تک نہ پہنچ سکے۔ "جنیوا کا جذبہ امن" بہت جلد پگھل گیا اور دُنیا کی عظیم طاقتوں کے درمیان بے اعتمادی اور رشک و شبہ پھر سے جگہ پانے لگا۔

بیسویں صدی کی دسویں دہائی کے وسطی برسوں میں جان فسٹر ڈلس امریکہ کے محکمۂ خارجہ کے سکریٹری تھے۔ محنتی انتھک، اور کٹر سادگی پسند ڈلس نے آرام کے بغیر اشتراکی جارحانہ دھمکیوں کے مقابلہ میں جمہوریتوں کے تحفظ اور پوزیشن کو مضبوط تر کرنے کے لئے دُنیا کا سفر کیا۔

ڈلس نے ایک سنگین دُہری مشکل کا مقابلہ کیا۔ اشتراکی بلاک بہت بڑا وسیع اور طاقتور تھا۔ روسی، چینی اشتراکی، اور طفیلی اشتراکی ملکوں کے لوگوں کی تعداد مغربی جمہوریتوں کے عوام کی تعداد سے کہیں زیادہ تھی۔ ایک روایتی جنگ میں اشتراکی محض اپنی اکثریت کی بناء پر جمہوریتوں کو بے بس کر سکتے تھے۔ اس امکان نے کوریا میں اقوامِ متحدہ کے کمانداروں کو سراسیمہ حیراں کر دیا تھا۔ پس چہ باید کرد؟ ڈلس نے "ٹھوس اور موثر مکافات" کی پالیسی وضع کی۔

اس پالیسی کا مطلب یہ تھا کہ امریکہ وہ ہتھیار استعمال کریگا جو وہ مختلف صورتِ حال میں مناسب سمجھے گا اور حملہ آور دشمن کو یہ فیصلہ کرنے کی عملی اجازت نہ دے گا۔ ٹھوس اور موثر مکافات کی پالیسی کا یہ مطلب ہرگز نہ تھا کہ امریکہ ہر قیمت پر مرکزی ہتھیار استعمال کرے گا۔ لیکن کوریا کی طرح اشتراکیوں کے جدید روایتی حملوں کی صورت میں امریکہ اور اس کے اتحادیوں کے لئے یہ بات بھی ضروری تھی کہ وہ اپنی کم تعداد کی فوجوں کو ان ہتھیاروں کا سہارا دے جو ضروری سمجھے جائیں۔

۱۹۵۶ء کے موسم خزاں میں بین الاقوامی کش مکش اپنے نقطۂ عروج پر پہنچ گئی۔ یورپ، مشرقی ایشیا اور ایشیائے قریب نے باہمی جھگڑوں اور کش مکش کے لئے بنیادیں اور پس منظر فراہم کیا۔

روس کے ڈکٹیٹر جوزف اسٹالن کا ۱۹۵۳ء میں انتقال ہو گیا تھا جیسا کہ آمرانہ اور شخصی استبدادی نظاموں میں ہمیشہ ہوتا ہے اس موقع پر روس میں حصولِ اقتدار کی بھیانک کش مکش شروع ہو گئی۔ کسی جانشین کے سلسلہ میں عوامی رائے یا اُس کی ترجیح کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اس کشمکش میں فتح نکیتا خروشیف کو حاصل ہوئی جو ایک ہوشیار، تخت پسند اور سخت گیر سیاست داں اور فوجی افسر ہیں اور جنہوں نے یوکرین کے خوش حال اور آزادی پسند کسانوں کی بغاوت کو کچل کر نام پیدا کیا تھا۔ وہ ۱۹۵۸ء میں روس کے وزیرِ اعظم بن گئے۔

اِس صدی کی پانچویں دہائی کے وسط میں روس کے طفیلی ملکوں میں اضطراب پیدا ہو گیا تھا۔ مشرقی برلن میں ۱۹۵۳ء میں یورش پیدا ہوئی اور آخر کار اشتراکیت کیخلاف بغاوت کرنیوالے محبانِ آزادی کچل دئے گئے۔ ۱۹۵۶ء میں پولینڈ میں قدرے بہتر نتائج مرتب ہوئے اور محبانِ آزادی کو کسی حد تک خود اختیاری حکومت حاصل ہو گئی۔

اپنے شمالی پڑوسی کی اِس کامیابی سے متاثر ہو کر اُسی سال یعنی ۱۹۵۶ء میں ہنگری نے روس کے خلاف ایک نہائت خونیں، بے نظیر اور ولولہ انگیز بغاوت برپا کر دی۔ ان باغیوں نے بڈاپسٹ میں عظیم فتوحات حاصل کیں مگر روسی ٹینکوں نے اس بغاوت کو بھی کچل دیا۔ اقوامِ متحدہ نے سویت یونین کے اس ظالمانہ قدم کی سختی سے مذمت کی لیکن مغربی قومیں ایک عام جنگ کے خطرہ کے پیشِ نظر ہنگری کو فوجی امداد دینے کے لئے تیار نہ تھیں۔ ہنگری کے ہزاروں محبانِ وطن کو امریکہ اور دوسرے مغربی ملکوں میں پناہ لینے کی اجازت دی گئی۔

اسی کے ساتھ ساتھ مشرقِ وسطیٰ میں اشتراکیت کی رفتار کو روکنے کے سلسلہ میں مغرب

کی جدوجہد کو ایک دوسری ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔ جمہوری رفیق وقتی طور پر ایک دوسرے سے الگ ہو گئے اگرچہ یہ اختلافات بہت جلد رفع ہو گئے۔ اور یہ رفیق دوبارہ متحد ہو گئے۔ اس اختلاف کی بنیاد مصر کی نہر سویز تھی۔ یہ نہر انیسویں صدی کے وسط میں فرانس کے فرڈی نینڈ وی لیسپز نے بنائی تھی اور مصر کے ساتھ ایک معاہدہ کے تحت اس کے خاص حصہ دار اور چلانے والے برطانیہ اور فرانس تھے۔ ماضی قریب (۱۹۵۲ء) میں مصریوں نے اپنے کمزور اور بد دیانت شاہی خاندان سے نجات حاصل کر لی تھی اور ایک مرد آہن جمال عبدالناصر کو اپنے اعتماد اور یقین کا مرکز بنا لیا تھا جو ۱۹۵۴ء میں وزیر اعظم اور ۱۹۵۶ء میں صدر بن گئے۔ ناصر ایک وسیع آبپاشی اور پن بجلی کا بند آسوان کے مقام پر دریائے نیل پر بنانا چاہتے تھے تاکہ اپنے ملک کے ذرائع اور وسائل کو ترقی دے سکیں۔ مصری قائد ناصر غیر جانبدار تھے لیکن اشتراکی یا جمہوری ذرائع سے امداد قبول کرنے پر تیار تھے۔

مشرق قریب میں ایک نئی چھوٹی سی لیکن خاصی مضبوط طاقت اسرائیل کی تھی۔ ایک نیا ملک جسے ساری دنیا کے یہودیوں نے دوسری جنگ عظیم کے بعد ۱۹۴۸ء میں فلسطین میں قائم کیا تھا۔ ان یہودیوں میں وہ یورپی یہودی بھی شامل تھے جنہیں ہٹلر اور نازیوں نے طرح طرح کی اذیتیں پہنچائی تھیں۔ اس ملک کے قیام اور وجود پر ناصر اور مشرق قریب کے عربوں نے شدید جذبات کا اظہار کیا جن کا موقف یہ تھا کہ یہودیوں سے یہ علاقہ ان سے چھینا ہے۔ دوسری طرف یہودیوں کا دعویٰ یہ تھا کہ بائبل کے دور سے یہ ان کی زمین اور قدیم جنم بھومی ہے جسے ایک ترقی یافتہ اور جدید اسرائیل کے قالب میں ڈھالنا ہے۔

ح

اسرائیل کا قیام یہودیوں کے اتحاد و کاوش سے زیادہ مغربی طاقتوں اور بالخصوص برطانیہ کی سیاسی سازشوں کا نتیجہ ہے۔ اس ملک کو قلب عرب میں ایک خنجر کی طرح جنم دیا گیا۔ اسرائیل کا وجود سامراجی سازشوں کا ایک بھیانک کارنامہ ہے۔ اسرائیل کے

نہر سوئز مغربی یورپ کے لئے عرب اور مغربی ایشیا کے ملحقہ ملک کے تیل کی رسد کے نقطۂ نظر سے رگ جاں کا درجہ رکھتی تھی۔ اس تیل کے بغیر یورپ کی صنعت مفلوج ہو کر رہ جاتی اور اشتراکیت کے خلاف فصیل کے منہدم ہونیکا خطرہ پیدا ہو جاتا۔

مغرب کی مایوسی کی کوئی حد نہ رہی جب ناصر نے اشتراکیوں کے ساتھ تجارت کو ترجیح دی اور انہوں نے سویت یونین کے ساتھ تجارتی معاہدے کئے اور کپاس کے بدلے بندوقوں کا سودا کیا۔

اس وقت (جولائی ۱۹۵۶ء) سکریٹری ڈلس نے اپنی مخصوص جرأت اور کھرے پن کے ساتھ مصر کی زرعی زمین کی بازیافت کے منصوبہ کے سلسلہ میں امریکی مالی امداد منسوخ کردی۔ ناصر نے فرانس اور برطانیہ سے نہر سوئز چھین کر اس امریکی اقدام کا جواب دیا اور اعلان کیا کہ نہر کی چنگی اور آمدنی سے اسوان بند کی تعمیر کی جائے گی۔

ناصر کے اس فیصلہ نے برطانیہ، فرانس اور اسرائیل کو متحدہ کارروائی پر اکسایا۔ برطانیہ اور فرانس مشرق قریب کے قیمتی تیل کے خطِ اتصال سے محروم ہو گئے تھے۔ اسرائیل کو یہ اندیشہ تھا کہ یوں مصر اس کی ناکہ بندی کر کے اشتراکیوں کی پشت پناہی کی صورت میں اسے تباہ کر دے گا! اسطرح ۱۹۵۶ء کے موسم خزاں میں برطانیہ، فرانس اور اسرائیل نے اچانک مصر پر حملہ کیا اور نہر سوئز پر دوبارہ قبضہ کر کے ساری دُنیا کو بھونچکا کر دیا (کیونکہ جمہوریتیں اکثر آہستہ آہستہ ہی عمل کرتی ہیں) یہ مقصد چند ہی دنوں میں حاصل ہو گیا، لیکن مصر نے ڈوبے ہوئے جہازوں سے نہر کو بند کر کے جوابی کارروائی کی۔

امریکہ کے حلیفوں نے اپنے فوجی امدادی اور منصوبوں کے بارے میں اس سے مشورہ نہیں کیا۔

(باقی حاشیہ)
سلسلہ میں ناصر اور عربوں کا موقف حق و انصاف پر ہے یہ بات کہ فلسطین یہودیوں کا اولین وطن ہے تو اس کا جواب اقبال نے مدتوں پہلے یوں دیا تھا کہ ؎

ہے خاکِ فلسطیں پہ یہودی کا اگر حق ؛ ہسپانیہ پر حق نہیں کیوں اہلِ عرب کا؟

مترجم

بعض امریکیوں نے برطانوی، فرانسیسی اور اسرائیلی حملہ پر اظہارِ خوشنودی کیا لیکن امریکہ کے سرکاری اعلان میں اس حملہ پر حد درجہ تشویش کا اظہار کیا گیا۔ اشتراکیوں نے گھن گرج کیساتھ اعلان کیا کہ اگر یہ حملہ واپس نہ کیا گیا تو وہ مصر کی مدد کے لئے "رضا کار" بھیجیں گے۔ کیا تیسری عالمی جنگ شروع ہونیوالی ہے اور وہ بھی ہائیڈروجن بم کی تمام دہشت ناکیوں کے ساتھ؟

اقوام متحدہ کے ذریعہ امریکہ نے مصر میں اپنے مغربی حلیفوں کی کارروائی پر حد درجہ ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔ اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے فوری طور پر جنگ بندی کا حکم دیا جسکی اطاعت برطانیہ، فرانس اور اسرائیل نے کی اور اپنی فوجیں واپس بلائیں۔ اقوام متحدہ کے فوجی دستے مصر بھیجے گئے۔ ڈوبے ہوئے جہازوں سے نہر سوئز صاف کی گئی اور ناصر کی حکومت نے اسے پھر آمدورفت اور حمل ونقل کے لئے کھول دیا۔

مشرقِ وسطیٰ میں بگڑتی ہوئی صورتِ حال نے صدر آئزن ہاور اور سکریٹری ڈلس کو نئی پالیسیاں وضع کرنے کی ترغیب دی۔ دوستانہ جذبات رکھنے والے عرب ملکوں کو فوجی اور مالی امداد دی گئی۔ کانگریس نے صدر کو یہ اختیار بھی دیدیا کہ اشتراکی جارحیت کو روکنے کے لئے مشرقِ وسطیٰ کے کسی ملک کی درخواست پر فوجی دستے بھیج سکے۔ یہ منصوبہ اصول آئزن ہاور (جنوری ۱۹۵۷ء) کہلایا اور اس نے مشرقِ وسطیٰ میں ایک بچپن امن قائم رکھنے میں مدد دی۔

۱۹۵۸ء میں ہر طرف سے پڑنے والے دباؤ سے مجبور ہو کر لبنان نے امریکہ سے مدد کی درخواست کی اور امریکہ نے فوج بھیج کر اس درخواست کا عملی جواب دیا۔ فوراً ہی دباؤ ختم ہوگیا اور امریکی فوجیں ایک گولی چلائے بغیر واپس چلی گئیں۔ لیکن عراق میں ایک انقلاب (۱۹۵۸ء) نے شاہ فیصل کی حکومت کا تختہ الٹ دیا اور عراق ۱۹۵۹ء میں معاہدۂ بغداد سے الگ ہوگیا۔

پانچویں دہائی کے اواخر اور چھٹی دہائی کے آغاز نے آزادی اور اشتراکیت کی قوتوں کے درمیان کشمکش میں کوئی کمی یا تعطل نہیں دیکھا۔

ایشیا میں اشتراکی چین نے ۱۹۵۱ء میں تبت کو نگل لیا تھا اور ۱۹۵۹ء میں اس زمین پر کلی

قبضہ کر لیا جس پر ملکیت کا دعویٰ ہندوستان کو بھی تھا۔ چینی اشتراکیوں نے اپنے ساحل کے قریب ۱۹۵۸ء میں مٹسو، کیموسے اور اُن دوسرے جزیروں پر بمباری کی جو چیانگ کائی شیک کے قوم پرستوں کے قبضے میں تھے۔ جب اشتراکیوں نے ان جزیروں پر حملہ اور قبضہ کرنے کی دھمکی دی تو امریکہ نے چیانگ کی مکمل امداد کا اعلان کر دیا۔ اور اس جوابی دھمکی نے اشتراکیوں کے جارحانہ منصوبوں کو روک دیا۔

جنوب مشرقی ایشیا میں لاؤس اور جنوبی ویٹ نام میں اشتراکی دباؤ بڑھتا رہا۔ ان ملکوں کے باشندے، جو اب مشرق و مغرب کی کشمکش کا حصہ بن چکے تھے ایک طرف اشتراکیت کی قوت سرائیت کی زد پر تھے اور دوسری طرف کھلم کھلا جنگ میں مر رہے تھے۔ لاؤس جو لڑنے والے گروہوں میں بٹ چکا تھا، وہاں امریکہ نے ایک غیر جانب دار حکومت کی تشکیل کی ہمت افزائی کی تاکہ جنگ کسی طرح ختم کی جا سکے۔× امریکہ نے جنوبی ویٹ نام کو بھی شمال کے اشتراکیوں کے زیر ہدایت ہونے والے گوریلا حملوں کے خلاف فوجی اور معاشی امداد دی۔

افریقہ میں قومیت کے ایک اُبھرتے ہوئے طوفان نے سابق یورپی نوآبادیوں میں کئی آزاد ملکوں کو جنم دیا۔ کبھی تو آزادی امن کے ساتھ آئی اور کبھی خاک و خون کے جلو میں۔ برطانیہ نے اپنی کئی مقبوضہ نوآبادیوں کو آزادی دیدی۔ ان میں مغربی ساحل پر گھانا ۱۹۵۷ء نائیجیریا (۱۹۶۰ء) بھی شامل ہیں۔ فرانس نے فرانسیسی مغربی افریقہ میں مراقش (۱۹۵۶ء) تیونس (۱۹۵۶ء) اور اپنی دوسری نوآبادیوں کو آزاد کر دیا۔ چارلس ڈیگال (جو ۱۹۵۸ء میں صدر بنے) انکی زیر قیادت فرانس نے الجزائر کے ساتھ ایک نیا رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی اور اس امید کے ساتھ کہ الجزائر والوں کو حکومت خود اختیاری دی جائے اور یہ ملک ایک دولت مشترکہ میں بھی شامل رہے برطانوی

---

۵ جہاں تک ہندوستان کے دعویٰ ملکیت کا تعلق ہے کشمیر، حیدرآباد، جوناگڑھ یہ سب نقش فریادی اس کے اندازِ ظلم کے شکار ہیں۔ ع ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں۔ (مترجم)

× ایک غیر جانبدار حکومت امریکہ اور روس کی منظوری سے ۲۳ جون ۱۹۶۲ء کو لاؤس میں قائم کی گئی۔

دولتِ مشترکہ کی طرح۔ فرانسیسی الجزائریوں، قوم پرستوں اور دائیں بازو والوں نے الجزائر کی آزادی کی شدت سے مخالفت کی کیونکہ اِن لوگوں کو اپنے مفادات اور منافع کے مکمل طور پر ختم ہونیکا اندیشہ تھا ایسے بھی مرحلے آئے جب امریکہ اور دُنیا والوں کی نظروں میں فرانس خانہ جنگی کی منزل تک پہنچ گیا۔ الجزائر کی زمین پر طویل، وحشیانہ اور مسلسل جنگوں کے بعد فرانسیسی نوآبادی یکم جولائی ۱۹۶۲ء کو ایک آزاد ملک بن گئی۔

سابق بلجیئن کانگو کی آزادی (۱۹۶۰ء) نے ایک ایسا ہنگامہ برپا کر دیا کہ خود اقوامِ متحدہ کا وجود خطرے میں پڑ گیا۔ معدنی دولت اور دوسرے قدرتی وسائل مالا مال اِس ملک کو مشرق، مغرب، دونوں کی نظر میں ایک کلیدی حیثیت حاصل تھی۔ جس وقت کانگو کے مقامی اشتراکی، غیر جانبدار اور اشتراکیت دشمن کانگو اور اُس کے سب سے اہم صوبہ کٹنگا پر قبضہ کرنے کے لئے انتہائی دہشتناک وحشت ناک جنگ لڑ رہے تھے اُس وقت امریکہ نے ایک متحدہ حکومت کے قیام کے سلسلہ میں اقوامِ متحدہ کی کوششوں کی حمایت کی۔ اقوامِ متحدہ نے مذاکرات اور فوجی اقدام کے ذریعہ کانگو کی ایک ایسی حکومت کے قیام کی ہر ممکن کوشش کی جو عوام کی خواہشات کا اظہار اور اُن کی ترجمانی کر سکے، لیکن بلجیم کی اچانک علیحدگی نے کانگو میں "قوت کا ایک خلا" پیدا کر دیا تھا جس کے نتائج ۱۹۶۰ء اور ۱۹۶۱ء میں دیکھنا اور سمجھنا مشکل تھا۔

لاطینی امریکہ میں، ریاستہائے متحدہ امریکہ کے دروازے پر اشتراکیت کے خلاف جد و جہد جاری رہی۔ جب تک گوئٹیمالا کی ننھی سی جمہوریہ نے ۱۹۵۰ء میں کسی حد تک اشتراکیت کے ساتھ ہمدردی کا اظہار نہ کیا تھا، کوئی شخص یہ بات خواب میں بھی نہ سوچ سکتا تھا کہ مغربی نیم کرۂ ارض کا کوئی ملک کسی دن اشتراکیت کی طرف جھکے گا۔ یہاں کے لوگ نسلاً ہسپانوی، مذہباً رومن کیتھولک سیاسی طور پر رجعت پسند تھے۔ "امریکی ریاستوں کی تنظیم" (قائم شدہ ۱۹۴۰ء) کے کئی ملکوں میں بے چینی پیدا ہو چکی تھی۔ مغربی نصف الارض کے ملکوں کے اتحاد کو یہی نام (امریکی ریاستوں کی تنظیم) دیا گیا تھا۔

اگرچہ امریکہ نے مدّتوں پہلے لاطینی امریکہ کے ساتھ "بالادستی" کا برتاؤ ختم کر دیا تھا، لیکن لاطینی امریکہ کے بعض ملک اپنے خوشحال شمالی پڑوسی کے خلاف نفرت اور ناراضگی کا جذبہ رکھتے تھے۔ ان کا کہنا یہ تھا کہ چچا سام مغربی نیم کرۂ کے ملکوں کے مقابلے میں دُنیا کے دوسرے ملکوں کو کیوں زیادہ امداد دے رہا ہے، جب کہ ان ملکوں کو بھی اگر زیادہ نہیں تو اُسی قدر امداد کی ضرورت ہے۔

۱۹۵۸ء میں نائب صدر نکسن نے لاطینی امریکہ کا خیرسگالی کا دورہ کیا۔ استقبالی تالیوں اور خوش آئند نعروں کا کیا سوال، ان کا استقبال فقرہ بازی، اور پھبتیوں کے ساتھ اور کہیں کہیں تشدد سے کیا گیا۔ امریکہ نے حیرانی، تعجب اور غم کے ساتھ اپنے جنوبی پڑوسیوں سے اُنکی ضروریات پر بات چیت اور مشورے کئے اور اُن کی معیشت کو مضبوط بنانے کے لئے مالی امداد اور تجارت کے معاہدے کئے۔

کیوبا اپنے بارلیش ڈکٹیٹر فیڈل کیسٹرو جو فروری ۱۹۵۹ء میں وزیراعظم بن گئے، کی قیادت میں اشتراکیوں کا حلیف بن گیا کیوبا امریکہ کے فلوریڈا ساحل سے بمشکل نوے میل کے فاصلے پر ہے۔ کیسٹرو کو پہلے پہل امریکی عوام نے ایک مخلص مصلح قوم قرار دیا تھا کیونکہ بددیانت آمروں کے ایک طویل تسلّط کے بعد اُس نے اپنے عوام کو اُن اصلاحوں سے بہرہ مند کیا تھا جن کی شدید ضرورت محسوس کی جا رہی تھی۔ لیکن جب کیسٹرو نے غیر ملکیوں کی املاک ضبط کر لیں، نام نہاد عوامی مقدموں کے ذریعے اپنے سیاسی مخالفوں کو ختم کر دیا، اپنے مارکسی ہونے کا اعلان کیا اور مکمل طور پر اشتراکی بلاک سے اپنے کو وابستہ کر لیا تو امریکہ کے لوگوں نے اپنی رائے بدل دی۔

امریکہ نے کیوبا کے داخلی مسائل میں دخل نہیں دیا۔ لیکن کیوبا کی اشتراکی حکومت کی اُن باغی فوجوں کی حمایت ضرور کی جو اپنے وطن کے باہر جمع ہو گئی تھیں اور جنھوں نے ۱۷ اپریل ۱۹۶۱ء کو کیوبا پر حملہ کیا۔ امریکہ کو اُمید تھی کہ اس حملہ کے نتیجہ کے طور پر کیسٹرو سے عنانِ حکومت چھینی جا سکے گی۔ یہ حملہ جسکا منصوبہ آئزن ہاور کے دور میں بنایا گیا تھا لیکن جس پر عمل صدر جان ایف کینیڈی (منتخبہ نومبر ۱۹۶۰ء) کے عہد کے آغاز میں کیا گیا۔ انقلابیوں کے لئے تباہ کن ثابت ہوا۔

یہ محب وطن انقلابی مناسب اور ضروری فضائی اور بحری امداد کے بغیر بُری طرح پسپا ہوئے۔ بے آف پگز پر یہ حملہ پسپا کر دیا گیا اور تھوڑا اور درانتی اِس چھوٹے سے جزیرے پر فاتحانہ انداز میں چھا گئی۔ اشتراکیت کو مغربی نصف کرہ میں ایک اڈہ مل گیا۔

زمین اور نیچے آسمانوں میں مشرق اور مغرب کی کشمکش دیدنی تھی۔ اسی کے ساتھ ساتھ فضا سے پرے، بیرونی فضا پر اُن کے غلبہ کی دوڑ بھی اُسی قدر عجیب اور دیدنی تھی، بلکہ شاید کچھ زیادہ ہی۔

دوسری جنگِ عظیم کے "دقیانوسی" دور میں بھی راکٹوں نے عسکری نظام کی تاریخ میں اپنی جگہ بنانی شروع کر دی تھی۔ جرمن راکٹ رودبار انگلستان کو پار کر چکے تھے اور انہوں نے لندن پر اپنے مہیب اور دہشت ناک نقوش چھوڑے تھے۔ ایسے حملوں کے خلاف دفاع نہ ہونے کے برابر تھا۔

بیسویں صدی کی پانچویں دہائی میں سپاہیوں اور سائنس والوں نے اپنی توجہ اُن راکٹوں کو بلندیوں پر بھیجنے پر مبذول کی جو مرکزی بموں کو لے جا سکیں۔ راکٹ زیادہ تیز رفتاری کے ساتھ، برق پاروں کی سی سرعت کے ساتھ بلند اور بلند تر ہوتے گئے۔ انتہائی احتیاط کے ساتھ وضع کردہ راڈر کے انتباہی نظاموں اور میزائیل کے خلاف دفاعی اقدام کے باوجود اب یہ بات ظاہر ہو چکی تھی کہ دفاعی عسکری اقدام پر اب جارحانہ عسکری اقدام اور منصوبے غالب آ چکے ہیں اور بین برّاعظمی میزائیل کا دور شروع ہو گیا ہے اور روس لمبی مار کے میزائلوں کی تیاری میں بہت مستعد تھا (اگست ۱۹۵۷ء)

۱۹۵۷ء میں امریکہ نے ایک بار پھر یہ تجویز پیش کی کہ امن کے مفاد اور قیام کی خاطر بڑی بڑی طاقتوں کو بین الاقوامی تخفیفِ اسلحہ، غیر جانبدار نگراں پولیس کے ذریعہ فضائی معائنہ اور تمام فوجی اڈوں اور مرکزوں کی فضائی تصویر کشی کو مان لینا چاہیئے۔ سویت یونین نے انکار کر دیا اور دُنیا کو بہت جلد اس انکار کی وجہ بھی معلوم ہو گئی۔

۴ر اکتوبر ۱۹۵۷ء کو روسی مدار پہ پہلے اسپٹنگ (رفیق زمین) کو چھوڑ کر فضائے بیرونی کے دور میں داخل ہو گئے۔ اس اسپٹنگ نے ۵۸۸ میل کی (زیادہ سے زیادہ) بلندی پر پرواز کی اور تین ماہ کے عرصہ میں، زمین کی کشش ثقل کا شکار ہونے سے پہلے زمین کے گرد ۱۴۰۰ چکر لگائے۔

روسیوں کی حیرت ناک کامیابی نے امریکہ اور آزاد دنیا کو ششدر کر دیا۔ اس وقت روسی راکٹوں کی اٹھانلازی ہر اس چیز سے زیادہ تھی، جو امریکہ پیش کر سکتا تھا۔ اس کی ایک توجیہ یہ کیجاتی تھی کہ میزائیل پروگرام میں امریکہ اور روس کے مقاصد جداگانہ ہیں۔ روسی فوجی مقاصد اور پروپیگنڈے کی خاطر بیرونی فضا، چاند اور اس سے بھی آگے پہنچنے میں اولیت حاصل کرنا چاہتے تھے۔ امریکہ اپنے مقصد میں زمین سے زیادہ قریب تھا۔ امریکہ نے اپنی توجہ نسبتاً کم مار کے راکٹوں پر مبذول کی تھی جو کسی حملہ کے خلاف جوابی حملہ کے طور پر موثر ثابت ہو سکتے۔

دُنیا کی نظروں میں ان دونوں پروگراموں میں سے پہلے پہل روسی پروگرام زیادہ ڈرامائی اور ممکنہ طور پر زیادہ موثر تھا کیونکہ انہوں نے دو خلابازوں کو بیرونی فضا میں پہنچایا اور جنہوں نے مدار سے زمین کے گرد چکر لگائے۔ یوری گیگارین (۱۲ راپریل ۱۹۶۱ء) اور گرمین ایس ٹیٹوف (۶ر اگست ۱۹۶۱ء) روسیوں نے ایک راکٹ چاند تک بھی پہنچا دیا۔ ادھر امریکہ نے چھوٹے طفیلی سیارے فضا میں چھوڑے، جن پر طنز کرتے ہوئے روسی وزیر اعظم خروشیف نے کہا تھا کہ "ہم ممٹن بھیجتے ہیں اور تم نارنگیاں"۔ بہر حال امریکی ہیش رو دین گارڈ اور دوسرے طفیلی سیارے ایسے ساز و سامان سے لیس تھے جن کے ذریعہ خلا کے بارے میں قیمتی معلومات اور اعداد و شمار حاصل ہوئے۔ اور انسانی پرواز کے میدان میں امریکی خلابازوں ایلن بی۔ شیپرڈ (۵ر مئی ۱۹۶۱ء)، ورجل آئی۔ گرِسیم (۲۱ر جولائی ۱۹۶۱ء) جان۔ ایچ۔ گلن (۲۰ر فروری ۱۹۶۲ء) اور والٹر ایم۔ سیچرا (۳۰ر اکتوبر ۱۹۶۲ء) وغیرہ نے خلا میں بہادرانہ ہموں کے ذریعہ اپنے روسی حریفوں کے کارناموں کا جواب دینا شروع کر دیا۔ اسی کے ساتھ ساتھ امریکہ چاند تک آدمی کی پرواز کی تیاریاں کرتا رہا اور اسی کے ساتھ ساتھ تیز رفتار

جوہری توانائی سے چلنے والی آبدوز کشتیاں شمالی سمندروں اور دوسرے کلیدی عسکری علاقوں میں گشت کرنے لگیں۔ یہ آبدوز کشتیاں خطرناک مرکزی حملوں کے لئے بنائی گئی تھیں انہیں قابلِ انتقال دفاعی نظام کی پہلی لائن کہیے۔

وزیراعظم خروشیف نے ۱۹۵۸ء میں اعلان کیا تھا کہ روس مرکزی بموں کے تجربوں کو ختم کر رہا ہے۔ روسی جو ہتھیاروں کی دوڑ میں آگے تھے ایک ایسے وقت میں امن کے پیامبر اور ہیرو بننے کے قابل تھے جب ساری دُنیا کے سوچنے والے افراد فضا میں تاب کاری کے مضر اثرات کے بارے میں بڑھتی ہوئی پریشانی سے دوچار تھے — یہ اثرات انسانیت کے لئے ایک بلا ہیں۔ صرف ہماری زندگی کے لئے نہیں بلکہ آنے والی نسلوں کے لئے بھی۔

صدر آئزن ہاور نے اس مسئلہ پر غور کیا۔ روس کی تحریک امن کو نظر انداز کر کے اشتراکیوں کی عظیم بری طاقت کے خلاف ڈلس کی ٹھوس مکافات کی پالیسی کو برقرار رکھنے کے لئے بموں کے تجربوں کو جاری رکھا جائے یا آزاد دُنیا کے لئے خطرہ کے باوجود عالمی تباہی کے خدشوں کو کم کرنے کے لئے تجربوں کو روک دیا جائے؟ صدر آئزن ہاور نے ایک درمیانی راستہ نکالا اور انہوں نے اعلان کیا کہ امریکہ سال بہ سال کی بنیاد پر تجربوں کو روک دے گا۔ اور اسکے جواب میں روس کو تخفیف اسلحہ کے بارے میں مزید گفت وشنید اور فوجی اڈوں کے باہمی فضائی معائنوں کو منظور کرنا ہوگا۔ مشرقی اور مغربی بلاکوں کے درمیان جینوا میں طویل اور بڑی حد تک لاحاصل مذاکرات کا سلسلہ نومبر ۱۹۵۸ء میں شروع ہوا اور یہ مذاکرے ابتک (۱۹۶۴ء) جاری ہیں۔

اسی دوران وزیراعظم خروشیف نے سرد جنگ کی سیاسی اور اقتدار کی کشمکش میں دباؤ ڈالنے کا فیصلہ کیا۔ خروشیف نے اشتراکی مشرقی جرمنی کے ساتھ ایک علیحدہ صلح نامہ پر دستخط کرنے کی تجویز پیش کی جس کے بعد روسی علاقہ کے اندرونی حصہ میں برلن پر اشتراکی قبضہ کا مرحلہ (خودبخود) آجاتا۔ لیکن مغربی طاقتوں نے مغربی برلن کو اپنے نظم میں رکھا اور اس تک پہنچنے کے حقوق کو بھی اپنے قبضہ میں رکھا۔ وہ حقوق جو دوسری جنگ عظیم کے خاتمہ پر مغربی

طاقتوں نے روسیوں کی رضامندی اور اُن کے ساتھ معاہدوں کی رو سے حاصل کئے تھے۔ امریکہ، برطانیہ فر اور فرانس نے نازی جرمنی کو مغلوب کرنے میں روس سے کہیں زیادہ یا کم از کم روس کے برابر حصّہ لیا تھا اور اب یہ طاقتیں برلن میں اپنے قانونی حقوق سے دست بردار ہونے کے لئے تیار نہ تھیں۔

امریکہ اور سویت یونین کے باہمی تعلقات تکلیف دہ اور اُلجھے ہوئے تھے۔ لیکن ۱۹۵۹ء میں ایک ساتھ رہنے اور آگے بڑھنے کے ایک نئے رویہ اور منصوبہ کے ذریعہ کسی نہ کسی بہتر صورت کی امیدیں پیدا ہو گئی تھیں۔ یہ نیا رویہ اور طریقہ کار اس تصوّر سے عبارت تھا کہ مختلف فنون اور پیشیوں سے تعلق رکھنے والے امریکی اور روسی ایک دوسرے کے ملکوں کا دورہ کریں، اپنے اور اپنے وطن کے بارے میں میزبانوں کو بتائیں اور میزبانوں کے بارے میں حقیقی باتیں سیکھیں اور انھیں سمجھیں۔ کسان، تاجر، کھلاڑی، اداکار، مغنی اور تفریح کے ذریعہ عوام کی خدمت کرنے والے۔ اِن سب نے بحر اوقیانوس کو پار کیا اور دونوں ملکوں نے اپنے مہمانوں کا مناسب بلکہ پرجوش خیر مقدم اور استقبال کیا۔ ایک بلند تر سیاسی سطح پر نائب صدر نکسن نے روس کا اور نائب وزیر اعظم مکویان نے امریکہ کا دورہ کیا۔ اس منصوبہ کے نقطۂ عروج کے طور پر صدر آئزن ہاور اور وزیرِ اعظم خروشیف کو ایک دوسرے کے ملک کا خیر سگالی کا دورہ کرنا تھا۔

امریکہ کے وزیر خارجہ (سکریٹری آف اسٹیٹ) ڈلس نے ۱۹۵۹ء میں اپنے عہدہ سے استعفیٰ دیدیا اور کچھ ہی عرصہ بعد اُن کا انتقال ہو گیا۔ وہ سرطان میں مبتلا تھے۔ کرسچین ہرٹر ان کے جانشین بنے۔ وہ اپنے عوامی اعلانات میں اور دوسروں کے ساتھ تعلقات میں زیادہ نرم روی کے قائل تھے۔ ۱۹۵۹ء کے موسم خزاں میں وزیر اعظم خروشیف نے امریکہ کا دورہ کیا۔ مجموعی طور پر امریکی عوام نے اپنے جذبات کے ساتھ ان کا استقبال کیا۔ کیا مشرق و مغرب ایک دوسرے کے ساتھ بہتر مفاہمت کے جذبہ کا اظہار کر رہے ہیں۔؟ بظاہر ایسا ہی معلوم

ہوتا تھا اور دنیا مئی سنہ ۱۹۶۰ء میں پیرس میں ریاستوں کے سربراہوں کی کانفرنس سے نئی توقعات وابستہ کرنے لگی تھی، جس کے بعد صدر آئزن ہاور کو روس کا دورہ کرنا تھا۔

اُمیدوں اور توقعات کے اس خوش آئند مرحلہ میں تقدیر نے مداخلت کی اور ایک واقعہ نے ساری دُنیا کو نئی پریشانیوں اور کشمکش میں مبتلا کر دیا۔ ایک غیر مسلح امریکی یو۔ ۲ ہوائی جہاز جو ایسے کیمروں سے لیس تھا جو حد درجہ بلندیوں سے زمین کی نہایت واضح اور جزئیات تک کی تصویریں لے سکتے تھے، یکم مئی سنہ ۱۹۶۰ء کو روسی علاقہ میں گرا دیا گیا۔ جہاز کے تنہا ہوا باز فرانسس گیری پاوَرز، جو مرکزی ادارہ سراغ رسانی (سنٹرل انٹلی جنس ایجنسی) کے لیے پرواز کر رہے تھے زندہ گرفتار کیے گئے اور جاسوسی کے الزام میں ان پر روس میں مقدمہ شروع ہوا۔ امریکی حکومت نے ذہنی پریشانی کے عالم میں، اور اس اُمید کے ساتھ کہ اس واقعہ کو نظر انداز کیا جا سکے گا، پہلے لاتعلقی کا بیان دیدیا کیونکہ امریکہ میں اشتراکیوں کی جاسوسی کی سرگرمیوں کا انکشاف اکثر ہوتا ہی رہتا تھا۔ لیکن جب روس نے مکمل وضاحت پر زور دیا تو صدر آئزن ہاور نے اعتراف کر لیا کہ امریکہ کی سراغ رساں پروازیں کچھ عرصہ سے جاری تھیں کیونکہ روس نے بین الاقوامی فضائی معائنہ کی اجازت دینے سے انکار کر دیا تھا۔ اس نکتہ پر امریکہ نے بہت عرصہ تک زور دیا تھا اور کسی سمجھوتہ تک نہ پہنچ سکنے کی وجہ سے جن معائنہ کے لئے اپنی پروازوں کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔ یہ حادثہ الجھنوں کے لئے ایک بہانہ بن گیا اور ہوا باز پاوَرز کو جو اس بین الاقوامی جاسوسی کے اس سنسنی خیز واقعہ کا ہیرو تھا، روس میں دس سال کی قید کی سزا دی گئی۔ ×

پاوَرز کے واقعہ نے خروشیف کو ایک معلم اخلاق کے مقدس کردار کا بہروپ بھرنے پر اکسایا۔ کچھ لوگوں نے ایسی رائے کا اظہار کیا کہ اُن کا شدید ردِ عمل امریکی جارحیت "پر کسی اخلاقی

× سنہ ۱۹۶۲ء میں پاوَرز کا تبادلہ ایک روسی جاسوس رڈولف ایبل سے کر لیا گیا جب سنہ ۱۹۵۷ء میں امریکہ میں جاسوسی کے الزام میں گرفتار کیا گیا تھا اور تیس سال کی سزا دی گئی تھی۔

بے زاری سے زیادہ اِس خوف کا نتیجہ تھا کہ امریکی طیارے اُن کے ملک کی بلندیوں پر پرواز کر سکتے تھے اور ان کے فوجی اڈوں کی تصویریں نقشے اور خاکے اتار سکتے تھے۔ خروشیف نے نہائت اہم سربراہی امن کے مذاکرات کو ختم کر دیا۔ اور صدر آئزن ہاور نے روس کے دورہ کے لئے اپنی دعوت واپس لے لی۔

جون ۱۹۶۰ء میں صدر نے مشرقِ بعید کا دو ہفتہ کا دورہ کیا اور جاپان کے سوا ہر جگہ اُن کا گرم جوشی کے ساتھ خیر مقدم کیا گیا۔ جاپان اپنے ان انقلابی امن انتہا پسند عناصر پر قابو نہ پا سکا جو جاپان میں امریکی فوجی اڈوں کے قیام کے مخالف تھے۔ آئزن ہاور نے تذبذب کے ساتھ اپنا دورۂ جاپان منسوخ کر دیا (۱۶ر جون) یہ امریکہ کے لئے ایک اور دھچکا تھا، اگرچہ زیادہ سنگین نہ تھا۔ بعد میں جاپانی پالیمان نے امریکہ کے ساتھ اس فوجی اتحاد کی توثیق کر دی جس پر ۱۹ر جنوری ۱۹۶۰ء کو واشنگٹن میں دستخط کئے گئے تھے اور دونوں ملکوں نے اپنی قریبی رفاقت کو برقرار رکھا۔

امریکی عوام صدارتی انتخاب کے سال سے جیسے پیار کرتے ہیں جب مقرر تقریر کے جوہر دکھاتے ہیں، باجوں کی آوازیں فضا میں گونجتی ہیں، اور سیاسی کنونشن ہوا کی لہروں پر بلند آہنگی کے ساتھ اپنے خیالات نشر کرتے ہیں۔ یہی سب کچھ ۱۹۶۰ء میں ہوا، جب صدارت کی دو میعادوں کی تکمیل کے بعد صدر آئزن ہاور کو اس منصب سے علیحدہ ہونا تھا۔ ری پبلکن اور ڈیموکریٹ ایک بار پھر انتخابی جنگ میں ایک دوسرے کے حریف تھے۔

نائب صدر رچرڈ ایم نکسن۔ ری پبلکن امیدوار تھے، جنہوں نے حد درجہ فرض شناسی کے ساتھ اپنے صدر کا بوجھ ہٹایا تھا اور بیرونی ملکوں میں موثر کردار ادا کیا تھا۔

دو میعادوں سے زیادہ عرصہ تک کوئی شخص آئین کی بائیسویں ترمیم کے مطابق صدر نہیں رہ سکتا۔ اس ترمیم کا نفاذ فروری ۱۹۶۰ء میں ہوا۔

خاص طور پر ۲۳ جولائی سے ۵ راگست ۱۹۵۹ء تک اپنے دورہ روس میں۔ نکسن نے ماسکو کے تجارتی میلہ میں نہایت مہارت کے ساتھ خردشیف سے بحث کی تھی۔ اس مباحثہ میں نائب صدر نے اشتراکی دلائل سے نپٹنے کی (غیر معمولی) صلاحیت کا مظاہرہ کیا تھا۔ جوان لیکن منجھے ہوئے نکسن میں لاکھوں ووٹروں کے لئے اپیل اور دلکشی تھی۔

ان کے مخالف سینٹر جان ایف۔ کنیڈی تھے۔ کروڑ پتی اور برطانیہ میں امریکہ کے سابق سفیر جوزف پی۔ کنیڈی کے صاحبزادے۔ "جیک" کنیڈی نے اعزاز کے ساتھ ۱۹۴۰ء میں ہارورڈ یونیورسٹی سے سند لی تھی اور وہ دوسری جنگِ عظیم کے ایک ہیرو تھے۔ وہ بحرالکاہل کے علاقہ میں ۱۹۴۱ء سے ۱۹۴۵ء تک امریکی بحریہ سے متعلق رہے۔ وہ ایک ایسی تارپیڈو کشتی کے کمانڈر تھے جس پر جاپانیوں نے حملہ کر کے تباہ کر دیا تھا۔ کنیڈی نے سمندر میں اپنے عملہ کی مدد کی اور کئی ساتھیوں کی جان بچائی جس پر انہیں شجاعت اور بہادری کے بڑے اعزاز دیئے گئے۔ کنیڈی خود بھی جوان اور خوبصورت تھے اور اسی کے ساتھ ساتھ۔ جیکولین بوویر کنیڈی جیسی نفیس، حسین اور نازک احساس بیوی کے شوہر بھی تھے۔ جان کنیڈی سینٹ کے ممبر تھے۔ سیاست میں اعتدال پسند اور قدم زمین کی گہرائیوں میں پیوست۔

ایک عنصر کنیڈی کے خلاف اثر اندازی کر رہا تھا۔ وہ پروٹسٹنٹ اکثریت کے ملک میں رومن کیتھولک تھے اور اس سے پہلے صرف اکثریتی فرقہ کے لوگ ہی صدر منتخب ہوئے تھے۔ لیکن رائے دہندوں نے ۱۹۲۸ء کے مقابلہ میں زیادہ رواداری کا ثبوت دیا، جب ایل، اسمتھ نے بھی اسی دشواری کا مقابلہ کیا تھا اور انہوں نے (۱۹۶۰ء میں) مسائل کو تعصبات سے بلند ہو کر سنا (اور ان پر بے تعصبی سے غور کیا) نکسن نے اس بات پر زور دیا کہ امریکہ اشتراکی خطرہ سے کامیابی کے ساتھ عہدہ برآ ہو رہا ہے اور ملکی خوشحالی کو بھی برقرار رکھ دیا ہے۔ کنیڈی نے الزام لگایا کہ امریکہ نے اپنی "عالمی فوقیت" کھو دی ہے اور

اس فوقیت کی بحالی کے لئے ہمہ جہتی کوششوں کی ضرورت ہے۔

کنیڈی اور نکسن نے ٹیلی ویژن پر روبرو کئی مباحثوں میں حصہ لیا اور یہ مباحثے اس انتخابی مہم کا سب سے اہم حصہ تھے اور لاکھوں امریکیوں نے اِن مباحثوں کو دیکھا اور انہیں دلفریب اور پُر افسوں پایا۔ جب (۸ نومبر ۱۹۶۰ء کو) انتخابات شروع ہوئے تو امریکیوں نے غیر معمولی تعداد میں رائے دہی میں حصہ لیا اور یہ مسئلہ (کہ کون منتخب ہوا) کئی دنوں تک شک و شبہ میں پڑا رہا حالانکہ عام طور پر چند گھنٹوں کے بعد ہی فیصلہ کن رجحانات کا تعین ہو جاتا ہے۔ امریکی تاریخ میں سب سے کم اکثریت سے جان ایف کنیڈی ریاستہائے متحدہ کے ۳۵ ویں صدر منتخب ہوئے اور اُن کے انتخابی رفیق سینیٹر لنڈن بی۔ جانسن نائب صدر چُنے گئے۔

مملکت کے نئے سربراہ کے سامنے نہایت الجھے ہوئے اور دشوار طلب کام تھے اُس آدمی کے سامنے جو قوم کے اس سب سے بڑے عہدہ پر فائز ہونے والوں میں سب سے کم عمر تھا (۴۳ سال عمر) کنیڈی کو ۲۰ جنوری ۱۹۶۱ء کو اپنی صدارتی ذمہ داریاں سنبھالنے کے فوراً ہی بعد ۱۷ اپریل کو اپنی مادرِ وطن کو کیسٹرو اور اشتراکیت کے چنگل سے چھڑانے میں کیوبا کے انقلابیوں کی ناکام کوشش میں امریکہ کے "کردار" کا ہدایت کار بننا پڑا۔ برلن میں اشتراکیوں نے اچانک اگست ۱۹۶۱ء میں شہر کے بیچوں بیچ ایک دیوار کی تعمیر شروع کر دی تاکہ اشتراکی مفتوحہ علاقہ کے رہنے والے مغربی جرمنی اور آزادی کی طرف نہ بھاگ سکیں اور شاید اِن اقدام کو ناکافی سمجھتے ہوئے ۳۱ اگست کو خروشیف نے مرکزی بموں کی آزمائش کو روکنے کے سلسلہ میں اپنے فیصلہ کو منسوخ کر دیا۔ صدر کنیڈی اور برطانوی وزیرِ اعظم ہیرالڈ میکملن نے ۳ ستمبر کو ایک مشترکہ اپیل میں خروشیف سے درخواست کی کہ وہ مرکزی ہتھیاروں کا تجربہ بند کرنے کے باہمی معاہدہ کو قبول کر لیں۔ لیکن سویت یونین نے یہ درخواست مسترد کر دی۔ پہلی ستمبر کو روس

نے اپنے نئے تجربوں کا سلسلہ شروع کیا۔ جوہری اور تابکاری دھماکوں کے طویل سلسلہ سے زمین اور فضا دہلنے لگی۔ روسی سرگرمیوں نے ۵ ستمبر کو امریکہ کو یہ اعلان کرنے پر مجبور کر دیا کہ وہ بھی تجربوں کا سلسلہ پھر سے شروع کرے گا اور ۱۹۶۲ء کے موسم گرما میں یہ تجربے کئے گئے۔

سرد جنگ جاری رہی اور اس کے ساتھ صدر کنیڈی نے یہ بات ضروری سمجھی کہ اُن لوگوں کے حوصلوں کو بلند رکھا جائے جنہوں نے یورپ اور دوسرے مقامات پر یہ نعرہ بلند کیا تھا کہ "اشتراکیت موت سے بہتر ہے"۔ امریکہ میں ایچ۔ بم کے خلاف بچاؤ کے لئے حفاظتی مراکز کی تعمیر پر بڑے پیمانے پر بحث ہوئی۔ نجی محفلوں سے لے کر پلیٹ فارم اور اخبارات تک۔ اور آبادی کے ایک حصّہ نے اپنے گھروں کے صحن یا زیریں حصوں میں ایسے مرکز اور اڈے بنا لئے۔

دقتوں اور دشواریوں کے باوجود ۱۹۶۲ء نے امریکہ، برطانوی دولت مشترکہ مغربی یورپ، لاطینی امریکہ، جنوب مشرقی ایشیا اور دوسروں کی آزادی کی خاطر ایک دوسرے کے رفیق کی حیثیت سے سرگرم عمل دیکھا۔ یہ قوتیں اقوامِ متحدہ کے کام کو آگے بڑھا رہی تھیں، جہاں ایسی کوششوں کا مقصد قیام امن تھا۔ یہ قوتیں ہندوستان اور دوسرے غیر جانبدار ممالک سے زیادہ بہتر مفاہمت پیدا کر رہی تھیں۔ یہ غیر جانب دار ممالک اگرچہ کبھی کبھی اشتراکی دباؤ میں آ جاتے تھے، لیکن ان کا مقصد مشرق اور مغرب کے درمیان توازن برقرار رکھنا تھا۔ ۴۴

امریکہ اور اس کے لاطینی امریکی پڑوسی "اتحادِ ترقی" کے تحت یکجا ہو گئے

۴۴ ہندوستان کو جس وسیع پیمانے پر فوجی امداد دی گئی ہے اس کی وجہ سے اس علاقے کا توازنِ قوت بگڑ گیا ہے۔ اس کے علاوہ اپنے ایک اتحادی اور رفیق پاکستان کو نظر انداز کر کے جارحانہ عزائم رکھنے والے ایک ملک کو یوں نوازنا دوستی اور معاہدوں کی روح کے خلاف تھا۔

تاکہ لاطینی امریکہ میں میعارِ حیات کو بلند کیا جاسکے اور اس طرح مغربی نیم کرہ ارض میں کیوبا کے انداز کی اشتراکیت کو روکنے کی توقع کیجا سکتی تھی۔ دوسری طرف امریکہ یورپ کی مشترکہ منڈی کی معیشت کے مطابق اپنی معیشت، باہمی تبادلہ کے لئے تجارتی معاہدوں کے مطابق ڈھال رہا تھا تاکہ مغربی جمہوری دُنیا کے مطابق ایک دوسرے سے اور قریب ہو سکیں "امن کے سپاہی" یہ ایک نیا امریکی ادارہ تھا جس کے رُکن وہ مرد اور عورتیں تھیں جو انجینئرنگ، طب، تعلیم اور دوسرے غیر پیشہ ورانہ میدانوں میں تربیت پا چکی تھیں اور اس تحریک کے رُکن قابلیت اور لیاقت کے ساتھ ان ملکوں کی خدمت کر رہے تھے جنھیں خدمت کی ضرورت تھی۔

۱۰ جولائی سنہ ۱۹۶۲ء کو امریکہ نے فضا کی تسخیر اور خلائی فتح کے پُر امن استعمال کا ایک شاندار اور غیر معمولی مظاہرہ کیا۔ قومی خلائی انتظامی ادارہ اور امریکی ٹیلی فون اور تار کمپنی نے باہمی اشتراک سے ایک راس اٹلانٹک کمیونیکیشن طفیلی سیارہ مدار میں چھوڑا جس کا نام "ٹل اسٹار" تھا۔ اس طفیلی سیارہ نے شمالی اوقیانوس کے اوپر ایک ریلے اسٹیشن کی حیثیت سے کام کرتے ہوئے امریکہ سے فرانس اور برطانیہ کے اسٹیشنوں تین ہزار میل دور ٹیلی ویژن کی تصاویر پہنچائیں اور یہ تصویریں اتنی صاف تھیں کہ ایک فرانسیسی اسٹیشن نے کہا۔ یہ معلوم ہوتا ہے جیسے یہ تصویریں صرف پچیس میل کے فاصلے سے بھیجی گئی ہیں۔" یہ پہلا تجرباتی ٹرانس میشن سینتیس (۳۷) منٹ تک جاری رہا۔ ٹل اسٹار نے پندرہ منٹ کا ایک ٹیلی ویژن پروگرام بھی ریلے کیا جو لاکھوں امریکی گھروں میں سنا اور دیکھا گیا۔ اس نے طویل فاصلے کا ٹیلی فون کا ایک پیغام ریلے کیا اور ٹیلی فوٹو کی ایک تصویر برطانیہ تک پہنچائی۔ مدار پر اپنے دوسرے دن ٹل اسٹار نے امریکہ میں دیکھنے والوں کے لئے فرانس اور برطانیہ سے ٹیلی ویژن پروگرام ریلے کئے۔ اس ترقی تاریخی،

اور خلاء میں ایک عالمی ابلاغی نظام کے قیام کی طرف پہلا نہایت کامیاب قدم قرار دیا گیا۔

اس طرح ۱۹۶۳ء میں بڑھتی ہوئی عسکری قوت تیزی کے ساتھ ترقی کرتی ہوئی خلائی عہد کے تکنکی علم کے پُرامن استعمال اور بڑھتی ہوئی سیاسی حسّی کیفیت کے ساتھ امریکہ نے عالمی مسائل کے نئے پہلوؤں کے سامنے آنے کا اور انسانیت کے لئے ایک بہتر مستقبل کا اعتماد کے ساتھ انتظار کیا۔

اردو میں

دوسری زبانوں کی کتابیں

فہرست

نام کتاب	مصنّف	مترجم	قیمت
ایلیٹ کے مضامین	ٹی۔ ایس۔ ایلیٹ	جمیل جالبی	۲۵—۴
فلسفۂ انقلاب	جمال عبدالناصر	اسمار رشید	۰—۳
بادشاہ	مکیاویلی	ڈاکٹر محمود حسین	۲۵—۳
الفوز الکبیر	شاہ ولی اللہؒ	مولوی سلیم عبداللہ	۲۵—۲
تعلیم اور بحران	باسل اے فیچر	عبدالعزیز کمال	۰—۴
آزادی و تہذیب	جان ڈیوی	ڈاکٹر عبادت بریلوی	۰—۴
فن تدریس	گلبرٹ ہائیٹ	مشرف انصاری	۰—۵
کالج کی تعلیم	روجرایم گارسن	پروفیسر محمد عثمان	۵۰—۴
جوہری توانائی	مارگریٹ او ہائڈ	محمود احمد خاں	۵۰—۴
جدید طبی ایجادات	ارمینگریڈ ایبرل	ڈاکٹر ایس۔ اے شکور	۵۰—۴

نام کتاب	مصنف	مترجم	قیمت
تہذیب اور اسکے ہیجانات	فرائڈ	احمد سعید	۲—۵۰
تاریخ اسلام	سید امیر علی	وحشی محمود آبادی	۱۴—۰
ابراہام لنکن	اسٹرلنگ نارتھ	حامد حسن قادری	۳—۲۵
عثمان لطور	گوڈفرے لیاس	شاہ احمد دہلوی	۳—۵۰
رہائی	جیک چیا	بشیر حسن ضیائی	۶—۷۵
ایک ملکہ ایک محبوبہ	نپولین کے خطوط	عمر عامر	۱—۵۰
ابن خلدون اور امیر تیمور	ضیاء الدین برنی	زیر طبع	
شکنتلا	کالی داس	ڈاکٹر اختر حسین رائے پوری	۲—۷۵
بوڑھا اور سمندر	آرنسٹ ہیمنگ وے	ابن سلیم	۲—۰
۱۹۸۴	جارج اردل	ابوالفضل صدیقی	۴—۷۵
جدید کمیونزم کا ارتقاء	سیمو سلواڈوری	ضیاء الدین برنی	۲—۷۵
امریکی انتخابات	ہاورڈ آر پینی مین	ڈاکٹر احمد عبدالقدیر	۱—۵۰
معاشی ترقی کے راز	ڈی جی کوسولاس	بیگم انیس خالد	۱—۲۵
قومی ترقی: مراحل و مسائل	ڈیوڈ سی کوائل	احسن علوی	۲—۵۰
طبیعیات کیا ہے	جیروم الیس مر	صولت رضوی	۲—۷۵
موسم کی کہانی	کپتان ڈیوڈ سی ہومز		۲—۵۰

نام کتاب	مصنف	مترجم	قیمت
روشنی کیا ہے	ہیولا ٹیٹبام	خواجہ ضمیر علی	۲ — ۰
ضم اندر ضم	پرل ایس بک	ایس اے علوی	۱ — ۷۵
سائنس کل کیلئے	فریڈ رین فیلڈ	سید سعید احمد	۱ — ۵۰
جانباز ہوا باز	کیپٹن جوزف ڈبلیو کٹنگر	پروفیسر عبدالسلام	۱ — ۵۰
بنیا بدنیا	ہیلن المیرا ویٹ	سید ابوالخیر کشفی	۱ — ۵۰
آزادی	جان اسٹورٹ مل	سید انصاری	۲ — ۵۰
اصول تنقید	ایبر کرومبی	پروفیسر عبدالسلام	۲ — ۳۷
امریکی سوسائٹی	کینتھ ایس لن	ناصر کاظمی	
اقتصادی ترقی کے تجرباتی ڈھانچے	کالڈ روڈ	صوفی گلزار احمد	۲ — ۵۰
فراز عظیم	مابرٹ ایل ہائیل برونر	سید قاسم محمود	۳ — ۰
بچوں میں جرائم پسندی	شیلڈن وایلنوز گلوئیک	کمال احمد رضوی	۴ — ۰
سائنس ہمارے لئے	ولیم کراؤز	میجر آفتاب حسن	۳ — ۵۰
یہ امریکہ ہے	ژاک ماری تان	محمد مسعود	۴ — ۰
ہجوم آبادی	مارگریٹ او ہائڈ	شیخ عطاء اللہ	۳ — ۲۵
کیسا باغ کیسی بہار	سیریائیں	سعیدہ عروج جمایہ ہاشمی	۶ — ۵۰
بیسک انگریزی اردو ڈکشنری			۳ — ۵۰

نام کتاب	مصنف	مترجم	قیمت
کیمیا کیا ہے	برنارڈ جیفے	قیصر	۳—۵۰
مشین کی کہانی	بیرل بیکر	محمد احسن	۱—۵۰
برفانی عہد	لیوپرٹ جی۔ رچرڈس	محمد احسن	۱—۵۰
آئین جواں مرداں	ٹام گاٹ		۱—۵۰

اردو اکیڈمی سندھ

کراچی۔ حیدرآباد۔ لاہور

سلسلہ اکیڈمی لائبریری

اس سلسلے کی نئی کتابیں

موسم کی کہانی	از	ڈیوڈ سی ھومز	۲٫۵۰
خطبات مدراس	از	سید سلیمان ندوی	۲٫۵۰
سائنس کل کے لئے	از	محمد سعید	۱٫۵۰
قصص ھند	از	محمد حسین آزاد	۲٫۷۵
عود ھندی	از	مرزا اسداللہ خاں غالب	۲٫۰۰
روشنی کیا ھے	از	خواجہ ضمیر علی	۲٫۵۰
صنم اندر صنم	از	پرل ایس بک	۱٫۵۰
بینا نابینا	از	ابوالخیر کشفی	۱٫۵۰
طبیعیات کیا ھے	از	صولت رضوی	۲٫۵۰
امریکی سوسائٹی	از	ناصر کاظمی	۱٫۵۰

اردو اکیڈمی سندھ

[redacted]